Khushboo
Online Digest
آن لائن
خوشبو ڈائجسٹ
ماہ دسمبر 2016ء
نگران اعلیٰ شاہد احمد شاہد
خوشبو رائٹرز فورم پاکستان
مدیرہ
امائیہ سردار خان
مدیر اعلیٰ
کبریٰ نوید
چیف ایگزیکٹو
خضر حیات مون
نائب مدیرہ
عنبرین صبوحی
سینئر نائب مدیرہ
مون کنول
سینئر نائب مدیرہ
عریشہ سہیل
منتہیٰ ارائیں
فاطمہ عبدالخالق
انچارج برائے دیگر سلسلہ جات
اسامہ بھٹی
سیدہ عروج فاطمہ
فروا سیف
ریما نور رضوان
سبیل حسین
آمنہ ولید
رضوان عباس
فہمیدہ انجم
khushboodigest@gmail.com
Khushboo Online Digest Official Page
03007198339
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Khushboo Online Digest

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ

فہرست

ناول

افسانے

قارئین متوجہ ہوں!

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ میں شامل ہونے کیلئے اپنی تحریریں ہمیں جلد از جلد روانہ کریں' اپنی تحریریں ان پیج یا یونی کوڈ میں بھیجیں' براہ کرم اپنی تحریریں بذریعہ ای میل یا وٹس ایپ پر بھیجیں' ان باکس میں ملنے والی تحریریں شامل اشاعت نہیں ہوگی۔

خضر حیات مون ایگزیکٹو ایڈیٹر 0303-3310786

Khushboo Online Digest
خوشبو آن لائن ڈائجسٹ

khushboodigest@gmail.com
Khushboo Online Digest Official Page
03007198339

اداریہ

السلام وعلیکم ... دسمبر کے شمارے کے ساتھ حاضر ہیں ... خدا کی ذات کے بعد آپ سب کی بے حد مشکور ہوں آپ نے اکتوبر نومبر کے ایڈیشن کو نا صرف پسند کیا بلکہ بھرپور انداز میں فیڈ بیک دیا۔

کسی بھی ادارے یا ڈائجسٹ کی کامیابی کسی ایک فرد کی وجہ سے ممکن نہیں اس میں پوری ٹیم کا عمل دخل ہوتا ہے اور الحمدللہ ہماری پوری ٹیم سنجیدگی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔ جن کے لئے میں ان سب کی کاوشوں کو سراہانا چاہوں گی .. میں نگران اعلی شاہد احمد شاہد صاحب کی مشکور ہوں جنھوں نے ادارے کی سرپرستی کا ذمہ اٹھایا ... ایگزیکٹو ایڈیٹر جناب خضر حیات مون صاحب جن کے تعاون کے بغیر ڈائجسٹ کی تکمیل ممکن نہیں ...

دسمبر کا شمارہ ہماری پوری ٹیم کی انتھک محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس کے ایک ایک صفحے کو بہت خلوص اور محبت سے سجایا گیا ہے۔ منتظمین اور تمام ٹیم کی شکرگزار ہوں جنھوں نے میری صلاحیتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے مجھے مدیرہ اعلی کا منصب سونپا۔ میں اپنی پوری محنت کر رہی ہوں کے آپ سب کی امیدوں پر پورا اترتے ہوئے ڈائجسٹ کو مزید بہتری کی طرف لے کر جا سکوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ سب کے بھرپور تعاون اور دعاں کی بھی ضرورت ہے ... دسمبر کا شمارہ اس لحاظ سے بھی ھمارے لئے لکی ثابت ہوا کیوں کہ ماہ دسمبر میں عیدوں کی عید ... عید میلاد النبیؐ ہے جسکی میں آپ تمام پڑھنے والوں کو پیشگی مبارکباد دیتی ہوں ... اللہ پاک اپنے حبیبؐ کی آمد کے صدقے میں آپکے اور ھمارے سب کے لئے آسانیاں فرمائے آمین۔۔ ثما آمین

آخر میں آپکو کچھ اچھی اچھی خبریں بھی دیتی چلوں ...!

ادارہ خوشبو آن لائن ڈائجسٹ اپنے تمام لکھنے والوں کو اعزازی اسناد دے رہا ہے اس کے ساتھ بہترین تحریر پر اعزازی سند کے ساتھ ساتھ دستخط شدہ کتاب کا تحفہ بھی دیا جائے گا۔ آن لائن ڈائجسٹ کی دنیا میں ایسا پہلی بار ہو رہا ہے جسکا مقصد تمام لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے انشاءاللہ ہم رائٹر کی فلاح کیلئے مختلف سلسلے شروع کریں گے۔ اس کے علاوہ دسمبر سے تین سلسلے وار ناولز کا بھی آغاز ہو رہا ہے، جو کہ یقیناً آپکو پسند آئے گا۔۔ اب اگلے ماہ تک کے لئے اجازت، اپنی قیمتی رائے سے ضرور آگاہ کیجے گا ...

کبریٰ نوید

مدیر اعلی

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ

حمد

تیری پُر فیض ہستی کو
عیاں ہر پل ہی دیکھا ہے
یہاں ہر پل ہی دیکھا ہے
وہاں ہر پل ہی دیکھا ہے
تو قادر ہر قدم پر ہے
جہاں ہر پل ہی دیکھا ہے
مری آنکھوں کے اشکوں نے
سماں ہر پل ہی دیکھا ہے
وہ شازی جگ کا خالق ہے
جہاں ہر پل ہی دیکھا ہے

شازیہ خان...... مظفر گڑھ

☆......☆......☆

از قلم ...... دیا خان بلوچ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض عادات مبارکہ

تبسم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا .

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ

ہنسنے کی طرح آپ کا رونا بھی ایسا ہی تھا کہ جس میں آواز پیدا نہ ہوتی . گریہ کے وقت اتنا ضرور ہوتا کہ آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آتیں اور آنسو بہہ جاتے اور سینہ سے رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دیتی .

بچوں سے خوش طبعی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر بہت شفقت فرماتے . ان سے محبت کرتے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے، ان کو پیار کرتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے . بچے قریب آتے تو ان کو گود میں لیتے . بڑی محبت سے ان کو کھلاتے، کبھی بچہ کے سامنے اپنی زبان مبارک نکالتے . بچہ خوش ہوتا اور بہلتا . کبھی لیٹے ہوتے تو اپنے قدموں کے اندر کے تلووں پر بچہ کو بٹھالیتے اور کبھی سینہ اطہر پر بچہ کو بٹھالیتے .

اشعار سے دلچسپی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سو مجلسوں سے زیادہ بیٹھا ہوں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہ اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانے کے قصے نقل فرماتے تھے . حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روکتے نہ تھے خاموشی سے سنتے تھے بلکہ کبھی

کبھی ان کے ساتھ ہنسنے میں شرکت فرماتے تھے .

تیرنے کا شوق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تیرنے کا بھی شوق فرماتے .

اکڑوں بغل میں ہاتھ دے کر بیٹھ جاتے .اور ان کا کہنا ہے کہ میں نے آپ کو بائیں کروٹ پر ایک تکیہ کا سہارا لگائے بیٹھے دیکھا ہے .

انداز رفتار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے کے لئے قدم اٹھاتے تو

تفریح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باغات کی تفریح کو پسند فرماتے اور کبھی کبھی تفریح کے لئے باغات میں تشریف لے جاتے .

خط لکھوانے کا انداز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ خط لکھوانے کے متعلق یہ تھی کہ بسم اللہ کے بعد مرسل کا نام لکھواتے اور پھر مرسل الیہ کا نام لکھواتے .اس کے بعد خط کا مضمون لکھواتے .

پیغام پر سلام کا جواب

جب کسی کا سلام آپ کو پہنچتا تو سلام پہنچانے والے کے ساتھ سلام لانے والے کو بھی سلام کا جواب دیتے اور اس طرح فرماتے:

علیک وعلی فلان سلام .

آپ کی نشست

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چارزانو بھی بیٹھتے تھے اور بعض وقت

قوت سے پاوں اکھڑتا تھا، اور قدم اس طرح رکھتے کہ آگے جھک پڑتا اور تواضع کے ساتھ قدم بڑھا کر چلتے . چلنے میں ایسا معلوم ہوتا گویا کسی بلندی سے پستی میں اتر رہے ہیں .جب کسی کروٹ کی طرف کی چیز کو دیکھنا چاہتے تو پورے پھر کر دیکھتے) یعنی کن انکھیوں سے دیکھنے کی عادت نہ تھی (نگاہ نیچے رکھتے۔

آسمان کی طرف نگاہ کرنے کے بہ نسبت زمین کی طرف آپ کی نگاہ زیادہ رہتی . عموما عادت آپ کی گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی) . مطلب یہ کہ غایت حیا سے پورا سر اٹھا کر نگاہ بھر کر نہ دیکھتے (اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے کر دیتے، جس سے ملتے تو پہلے سلام فرماتے .

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے وادیوں میں اترتے تو تسبیح کہتے .

☆.......☆.......☆.......☆

خاندانی حالات و علم و فضائل

حضرت مخدوم شیخ بہاالدین زکریا ملتانی رحم اللہ علیہ خاندان سہروردیہ کے بڑے بزرگ اور عارف کامل گزرے ہیں۔ حافظ قاری محدث مفسر عالم فاضل عارف ولی سب کچھ تھے۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحم اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ہندوستان کے اندر آپ ولیوں میں باز سفید کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت شیخ بہاالدین زکریا ملتانی رحم اللہ علیہ ساتویں صدی ہجری کے مجددوین میں شمار کئے جاتے ہیں آپ ظاہری و باطنی علوم میں یکتائے روزگار تھے، اسلام کے عظیم مبلغ تھے۔ آپ کے جدامجد مکہ معظمہ سے پہلے خوارزم آئے، پھر ملتان میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ یہیں پیدا ہوئے۔ آپ رحم اللہ علیہ نسبتاً

قریشی ہیں۔ آپ 578ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ عہد خسرو ملک غزنوی کا عہد تھا۔ آپ کی ولادت ملتان سے قریب ایک علاقے کوٹ کہرور ضلع لیہ میں ۲۷ رمضان المبارک شب جمعہ کو ہوئی۔ آپ کی والدہ نے رمضان کے دنوں میں آپ کو ہر چند دودھ پلانا چاہا مگر آپ نے نہ پیا جو آپ کی کرامت ہے۔ بارہ سال کی عمر تک آپ رحم اللہ علیہ ملتان میں ہی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ رحم اللہ علیہ خراسان تشریف لے گئے۔ اسی عمر میں آپ رحم اللہ علیہ حافظ و قاری ہوگئے تھے۔
والد گرامی کے انتقال کے بعد آپ رحم اللہ علیہ نے محض حصول علم وفن کیلئے پیادہ پا خراسان کا سفر کیا۔ اس کے بعد بلخ بخارا و بغداد اور مدینہ منورہ کے شہرہ آفاق مدارس میں رہ کر سند فضیلت حاصل کی۔ پانچ سال تک مدینہ منورہ ہی میں رہے جہاں حدیث پڑھی بھی اور پڑھائی بھی۔ غرض پندرہ سال اسلام

کے مشہور مدارس و جامعات میں رہ کر معقولات اور منقولات کی تکمیل کی۔ مدینہ منورہ ہی میں حضرت کمال الدین محمد یمنی محدث رحمہ اللہ علیہ سے احادیث کی تصحیح کرتے رہے۔ جب پورا تجربہ حاصل ہو گیا تو آپ رحمہ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے اور یہاں سے بیت المقدس پہنچ کر انبیا کرام علیہم السلام کے مزارات کی زیارات کیں۔ اس عرصہ میں نا صرف یہ کہ آپ علوم ظاہر کی تکمیل میں مصروف رہے بلکہ بڑے بڑے بزرگان دین اور کاملین علوم باطنی کی صحبتوں سے بھی فیض یاب ہوئے۔ بڑے بڑے مشائخ سے ملے۔ فیوض باطنی حاصل کئے اور پاکبازانہ و متقیانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ جس وقت آپ بغداد شریف وارد ہوئے تو ایک جید عالم تھے۔

15 سال کی عمر میں حفظِ قرآن، حسنِ قرت، علومِ عقلیہ و نقلیہ اور ظاہری و باطنی علوم سے بھی مرصع ہو گئے تھے۔ آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ قرآن مجید کی ساتوں قرت) سبعہ قرت (پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ آپ نے حصول علم کیلئے خراسان، بخارا، یمن، مدین المنور، مک المکرم، حلب، دمشق، بغداد، بصرہ، فلسطین اور موصل کے سفر کر کے مختلف ماہرین علومِ شرعیہ سے اکتساب کیا۔ شیخ طریقت کی تلاش میں آپ، اپنے زمانہ کے معاصرین حضرتِ خواجہ فرید الدین مسعود گنجِ شکر، حضرت سید جلال الدین شاہ بخاری) مخدوم جہانیاں جہاں گشت (اور حضرت سید عثمان لعل شاہباز قلندر رحمہم اللہ کے ساتھ سفر کرتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرقہ خلافت دلایا

بیت المقدس سے مختلف بلاد و مشائخ اور مزارات کی زیارت کرتے ہوئے مدین العلم بغداد میں آئے تو اس وقت حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمہ اللہ علیہ کا طوطی بول رہا تھا۔ ان کی ذات گرامی مرجع خلائق بنی ہوئی تھے۔ بڑا دربار تھا بڑا تقدس۔ آپ رحمہ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھتے ہی فرمایا باز سفید آ گیا۔ جو میرے سلسلہ کا آفتاب ہوگا اور جس سے میرا سلسلہ بیعت وسعت پذیر ہوگا۔ آپ رحمہ اللہ علیہ نے ادب سے گردن جھکائی۔ شیخ رحمہ اللہ علیہ نے اسی روز حلقہ ارادت میں لے لیا اور تمام توجہات آپ کی طرف مرکوز تھیں۔ صرف سترہ روز بعد درجہ ولایت کو پہنچا کر باطنی دولت سے مالا مال اور خرقہ خلافت عطا کر کے رخصت کر دیا۔

خانقاہ شیخ الشیوخ تو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی روحانی یونیورسٹی تھی جس میں ہر وقت اور ہمیشہ درویشوں اور طریقت والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس وقت اور بھی بہت سے بزرگ ان کی خدمت میں موجود تھے۔ جو مدت سے خرقہ خلافت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے جو دیکھا کہ مخدوم بہاالدین رحمہ اللہ علیہ کو آتے ہی خلافت بھی مل گئی اور ہم تو برسوں سے خدمت کر رہے ہیں اب تک یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا اور یہ نوجوان چند روز ہی میں کمال کو پہنچ گیا۔ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ علیہ نے الحمدللہ نور باطن سے معلوم کر کے فرمایا کہ تم بہاالدین رحمہ اللہ علیہ کی حالت پر کیا رشک کرتے ہو وہ تو چوبِ خشک تھا جسے فوراً آگ لگ گئی اور بھڑک اٹھی۔ تم چوبِ تر کی مانند ہو جو سلگ سلگ کر جل رہی ہے اور جلتے جلتے ہی جلے گی۔ پھر سب لوگ سمجھ گئے کہ یہ تمام امور فضلِ الٰہی پر منحصر ہیں۔

سترھویں شب ہی کو مخدوم صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا آراستہ مکان ہے جو انوار تجلیات سے جگمگا رہا ہے درمیان میں تخت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ دائیں جانب

حضرت شیخ الشیوخ دست بستہ مودب کھڑے ہیں اور قریب ہی چند خرقے آویزاں ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخدوم صاحب کو سامنے بلایا اور ہاتھ پکڑ کر اسے حضرت شیخ الشیوخ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا کہ میں اسے تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ ان خرقوں میں سے ایک خرقہ بہاالدین کو پہنا دو۔

چنانچہ انہوں نے تعمیل حکم کے طور پر آپ کو ایک خرقہ پہنا دیا۔

صبح ہوتی ہے حضرت شیخ الشیوخ نے آپ کو بلایا اور فرمایا کہ رات کو جو خرقہ عطا ہوا ہے وہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ آپ نے وہ خرقہ پہنایا اور حکم دیا کہ اب ملتان پہنچ کر ہدایت خلق میں مصروف ہو جا۔ یہ تھا حضرت مخدوم صاحب کا مرتبہ کہ سترہ روز میں خلافت ملی حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی سب کچھ دکھا کر ملی گویا آپ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتان میں پنجاب سندھ اور سرحد میں روشنی پھیلانے کیلئے متعین کیا تھا۔ شیخ کے حکم پر آپ ہندوستان کے علاقہ ملتان میں تبلیغ دین میں مصروف ہوئے۔ آپ کے ذریعے ہزاروں ہندو مسلمان ہوئے جبکہ لاکھوں مسلمان راہ یاب اور کامیاب ہوئے۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات طبع ہو چکے ہیں، جن میں سے یہ ایک جملہ مکمل اسلامی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔

"جسم کی سلامتی کم کھانے میں، روح کی سلامتی گناہوں کے ترک میں اور دین کی سلامتی نبی کریم صاحب لولاک علیہ الصلو والسلام پر درود بھیجنے میں ہے۔"

دار الاسلام ملتان کا سہروردی مدرسہ

ملتان دار السلام تھا۔ اتنے عرصہ میں فضا اور بدل چکی تھی۔ حالانکہ آپ یہیں کے رہنے والے تھے مگر پھر بھی چونکہ آپ صاحب ولایت اور بااقتدار اور باکمال ہو کر آ رہے تھے اس لئے مشائخین ملتان کو آپ کا ملتان آنا ناگوار گزرا۔ انہوں نے دودھ کا پیالہ آپ کے پاس بھیجا جس کا مقصد یہ اشارہ تھا کہ یہاں کا میدان پہلے ہی سر سبز ہے اور ملتان میں آپ کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ آپ نے اشارہ سمجھ کر دودھ کے بھرے پیالے میں ایک گلاب کا پھول ڈال کر بھیج دیا۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گو کہ یہ پیالہ لبالب ہے، یہاں جگہ نہیں مگر میں مثل اس پھول کے یہاں رہوں گا اور میرے رہنے سے نہ کسی کی جگہ پر اثر پڑے گا نہ کسی پر بار رہوں گا۔ آپ 614ھ میں ملتان

پہنچے اس وقت آپ کی عمر 3637 برس کی تھی۔ آپ نے ملتان پہنچ کر ملتان کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اس کی شہرت کو ہمدوش ثریا بنا دیا۔ آپ نے عظیم الشان مدرسہ رفیع المنزلت خانقاہ وعریض لنگر خانہ پرشکوہ مجلس خانہ اور خوبصورت عالی شان سرائیں اور مساجد تعمیر کرائیں۔

اس وقت ملتان کا مدرسہ ہندوستان کی مرکزی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا جس میں جملہ علوم منقول کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے لائق اور وحید العصر معلم پروفیسر اس میں فقہ و حدیث، تفسیر قرآن ادب فلسفہ و منطق ریاضی و ہیت کی تعلیم دیتے تھے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ بلاد ایشیا عراق شام تک کے طلبا اس مدرسہ میں زیر تعلیم تھے۔ طلبا کی ایسی کثرت تھی کہ ہندوستان میں اس کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ لنگر خانہ سے دونوں وقت کھانا ملتا تھا۔ ان کے قیام کیلئے سینکڑوں حجرے بنے ہوئے تھے۔ اس جامعہ اسلامیہ نے ایشیا کے بڑے بڑے نامور علماو فضلا پیدا کئے ملتان کی علمی ولٹریری شہرت کو فلک الافلاک تک پہنچادیا۔

سیاسیات پر گہرا اثر و رسوخ

حضرت صاحب علیہ الرحم کا قرونِ وسطیٰ کی سیاسیات پر گہرا اثر و رسوخ تھا چنانچہ ملتان پر اقتدار قائم رکھنے میں "التمش" "۶۰۷ھ/ ۱۲۱۰ تا ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵" (نے آپ سے ہمیشہ مدد چاہی اور حضرت شیخ نے بھی اس کی دین داری اور رعایا پروری کو ملاحظہ فرما کر اسے بڑی مدد دی، ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۶ میں منگولوں کے حملوں سے ملتان کو محفوظ رکھنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ آپ بابا گنج شکر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مشہور شاعر عراقی آپ کا داماد تھا۔ والی سندھ اور ملتان ناصر الدین قباچہ کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔

وصال شریف

آپ کی وفات حسرت آیات ۷ صفر ۶۶۱ ھ/ ۱۲ دسمبر ۱۲۶۲ کو ہوئی۔ آپ کا مزار شریف قلعہ محمد بن قاسم کے آخر میں مرجع خلائق ہے، مزار کی عمارت پر کاشی کا کام قابل دید ہے اور سینکڑوں اشعار یاد رکھنے کے لائق ہیں، مزار کا احاطہ ہر قسم کی خرافات سے پاک ہے۔ عرس کے موقع پر علما کرام کی تقاریر خلق خدا کی ہدایت کا سامان بنتی ہیں، اندرون سندھ سے مریدین اور معتقدین کے قافلے پاپیادہ حاضر ہوتے ہیں۔

آپ کا وصال ۶۶۱ھ میں اٹھاسی سال کی عمر میں ہوا۔ حضرت خواجہ غریب نواز ۶۲۲ھ حضرت قطب الاقطاب ۶۳۳ھ حضرت بابا صاحب ۶۶۴ھ اور حضرت مخدوم صاحب ۶۶۱ھ میں وصال پاگئے، یہ عہد کتنا مبارک عہد تھا۔

(ماخوذ "دائرہ معارف اسلامیہ)

یوں تو ادب کی دنیا میں ان گنت ایسے نام ہیں جو شاعری کی دنیا میں اپنے قدم جمانے میں کوشاں ہیں اور کچھ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو شاعری کی دنیا میں آئے اور چھا گئے اور اپنے کلام سے دنیائے ادب میں مقام حاصل کر لیا ان میں سے ایک نام ہماری آج کی مہمان شخصیت جو کو ہم نے اپنی خوبصورت محفل کا حصہ بنایا ہیں انہوں نے بہت کم عرصے میں دُنیائے ادب میں اپنے منفرد لب و لہجے سے نام پیدا کیا ہے اور یہ نام کسی تعارف کا محتاج نہیں......

سنو..........!

ابھی جذبوں میں

محبت کی رمق باقی ہے

ابھی عمر رواں

کا سورج ڈھلا نہیں

محبت کے نام سے

آشنا ہے

ابھی اتنا وقت نہیں گزرا

کہ چہرے یاد

بن کر دھند لے

ہو جائیں

محبت کے حسیں منظر

کھو جائیں......

سنو......!

آ جاؤ لوٹ کر تم

کہ تمہارے لوٹ آنے کی آس

میں آج بھی محبت کے دیے

دل میں جلاتی ہوں...........!

جی ہاں دل میں دیے جلانے والی شاعرہ کوئی اور نہیں ہم سب کی پیاری "نوشین اقبال نوشی ہیں

نوشین اقبال نوشی کا تعلق ادب کے اس قبیلے سے ہے جو لفظوں کو اشعار کی شکل میں ڈھال کر کبھی غزل کہتے ہیں کبھی نظم لیکن انہیں خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب کیسے اس قبیلے کا فرد بن گئیں، نوشین اقبال نوشی کی شاعری دراصل ان کی

اپنی ذات سے وابستہ نہیں بلکہ وہ دوسروں کے دکھ درد محسوس کر کے لفظوں میں ڈھال کر شاعری کی صورت میں بیان کرتی ہیں۔ بر حال ان کی شاعری ان کے وجود کا حصہ ہوتے ہوئے بھی ان کی کہانی نہیں...... آئیے ان سے آپ کی ملاقات کرواتے ہیں۔

خوشبو......اپنا تعارف' تعلیمی قابلیت اور مصروفیات کے بارے میں ہمیں کچھ بتائیں

نوشی ......میرا مکمل نام نوشین اقبال ہے ادبی حوالے سے اور میرا نک نیم نوشی ہے 27 جولائی کو کھاریاں کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئی ایم اے اردو کیا اور شاعری' ناول' افسانہ نگاری کے علاوہ مختلف ڈائجسٹوں میں شاعری و دیگر تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں مختلف ڈائجسٹ کی سیکشن انچارج بھی ہوں۔

خوشبو......لکھنے کا آغاز کب سے ہوا؟ کیا ہمیشہ سے ہی لکھنے کا شوق تھا؟

نوشی ......جب سے ہوش سنبھالا تو خود کو اسی دنیا میں پایا میں نے خود سے کلام ہی نظم اور نثر سے کیا...... اپنی روح کی تشنگی کو شاعری کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش بھی کی ......آغاز میں نے شاعری سے کیا شاعری ہی میرا حوالہ پہچان ہے ناول اور افسانے موڈ ہو تو لکھتی ہوں۔ سب سے پہلی نظم ماہنامہ آنچل اور سب سے پہلا افسانہ ماہنامہ دوشیزہ میں شائع ہوا

خوشبو......خوبصورت اور احساسات کی مالکہ مزاجاً کیسی ہیں؟

نوشی......مزاج میرا دھوپ چھاؤں سا ہے۔ کبھی بہت زیادہ غصہ اور کبھی بہت زیادہ نرمی لیکن غصہ بلاوجہ نہیں آتا' جھوٹ سے سخت نفرت ہے

خوشبو ......شعراء کو موسموں سے خاص نسبت ہوتی ہے آپکا پسندیدہ موسم؟

نوشی ...... بالکل مجھے بھی موسموں سے خاص لگاؤ ہے اور خاص طور پر بارش' سردی اور خزاں کا موسم بہت پسند ہے' مگر وہ تبھی ممکن ہوتا ہے جب دل کا موسم اچھا ہو۔

خوشبو...... پسندیدہ مصنف' مصنفہ؟

نوشی ......اشفاق احمد' بانو قدسیہ' مظہر اسلام' ہاشم ندیم اور دیگر کافی شعرا' مصنفیں ہیں جن کے کلام سے کافی دلچسپی ہے۔

خوشبو......زندگی کیا ہے' زندگی کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟

نوشی ......زندگی بذات خود ایک فلسفہ ہے اگر سمجھا جائے تو میرا ماننا ہے زندگی کسی مقصد کے تحت گزاری جائے...... جی تو حیوان بھی لیتے ہیں......لیکن زندگی ایسی ہو جسکی بدولت کسی کو فائدہ بھی پہنچے اور اپنے زندہ ہونے کی دلیل بھی مل سکے..........

خوشبو......آج کل کیا مصروفیات ہیں؟؟

نوشی......گھر پر رہتی ہوں گھریلو کام کاج میں مصروف رہتی ہوں کام کاج' لکھنا' پڑھنا اور چند ایک ایسے میگزین ہیں جن کے مختلف شعبوں میں بطور انچارج کام بھی کر رہی ہوں۔۔

خوشبو......آپکی کتاب مارکیٹ میں آچکی ہے کیا کوئی اور کتاب بھی مارکیٹ میں آ رہی ہے

نوشی......جی ہاں! میری ایک کتاب "وجہ بے محبت" مارکیٹ میں آچکی ہے دوسری کتاب پر کام جاری رکھا ہوا ہے۔

خوشبو......شاعری آپ کے نزدیک کیا ہے؟

نوشی......شاعری میرے نزدیک آپ کے اور آپ کے ارد گرد کی آواز ہے جسے آپ کسی کو بیان کرنے کی بجائے شاعری کا روپ دھار دیتے ہیں' میں نہ صرف اس کے ذریعے اندر کی خاموش صداؤں کو لفظوں کا روپ دیکر نظم کی شکل میں پیش کرتی ہوں بلکہ یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ ایک زمانہ میرا ہمراہی ہے اور یہ دکھ زمانے کی رگوں میں بھی لہو بن کر گردش کر رہا ہے۔

نوشین اقبال نوشی کی ایک خوبصورت غزل

غموں سے کبھی ہار جانا نہیں ہے

تیرے ہجر کا غم منانا نہیں ہے

ہر اک غم کو تنہا ہی سہنا مجھ کو

کسی کو بھی غمگین بنانا نہیں ہے

انا اپنی وہ پاس رکھے خوشی سے

مجھے جھک کے اس کو منانا نہیں ہے

اسے جیت کر گرچہ یقین ہے

مجھے بھی تو خود کو ہرانا نہیں ہے

بہت غمزدہ ہوں میں اس زندگی سے

جہاں کو مگر غم بتانا نہیں ہے

بھرم دوستی کا نہ یوں ٹوٹ جائے

اسے بھول کر آزمانہ نہیں ہے

کہانی میری اک فسانہ ہے نوشی

حقیقت میں لیکن فسانہ نہیں ہے

خوشبو......اپنے چاہنے والوں کے نام کوئی پیغام؟

نوشی......سب سے یہی کہوں گی کہ لگن' نیک نیت اور خلوص شامل حال ہو تو منزل بہت جلد مل جاتی ہے اور ان لوگوں

ں کا خاص خیال رکھنا چاہیے جنہوں نے اپنی جیت کے راستے میں اپنا بہت کچھ ہارا ہو اور ہر حال میں خداوند کریم کا شکرادا کرتے رہیں اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیں......

خوشبو......خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کے بارے میں کیا کہیں گی ؟

نوشی ......خوشبو آن لائن کے تمام سٹاف اور خاص طور پر مدیر اعلیٰ خوشبو آن لائن ڈائجسٹ پیاری کبری نوید کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی اور ان کے اقدام کو سراہنا چاہوں گی کہ وہ لکھنے والوں کیلئے ایک پلیٹ فارم مہیا کر رہے ہیں 'خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کیلئے بہت سی دُعائیں اللہ تعالیٰ دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے اور انشاءاللہ ادب کی دنیا میں بہت جلد یہ ڈائجسٹ اپنا منفرد نام اور مقام پیدا بنائے گا۔کبری نوید 'امائیہ سردار خان کی محبتوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور انشاء اللہ خوشبو آن لائن ڈائجسٹ انٹرنیٹ کی دنیا میں پہلا خوبصورت رنگین ڈائجسٹ ہے: میں انہیں ان کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

ہم قابل فخر شاعرہ نوشین اقبال نوشی کے شکرگزار ہیں انہوں نے آ کر ہماری اس محفل کو رونق بخشی 'ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں سلامت رہیں۔

نوشین اقبال نوشی کی اس خوبصورت غزل سے اس ماہ کے سلسلے کا اختتام کروں گی۔

اُلجھن

مجھے یاد ہے
وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا
جاناں
تم ہو میرا سکون
میری ہنسی کی وجہ ہو تم......
تم میری زندگی ہو
اور میں آج یہ سوچتی ہوں
فاصلے صدیوں کے ہیں ہمارے بیچ
اب وہ کیسے سکون سے رہتا ہوگا
کس کے سنگ وہ ہنستا ہوگا
اس کی ہنسی کی وجہ بھی کوئی بنتا ہوگا؟
کیا اب بھی وہ زندگی جیتا ہوگا؟
یا یہی سب باتیں اب کسی اور سے کہتا ہوگا؟

☆......☆......☆

رات کے 2 بجے اسکی آنکھ اچانک ہی کھل گئی تھی ... اسے اپنے دل پے عجیب سا بوجھ محسوس ہونے لگا تھا.... شرٹ اور ٹراوزر میں ملبوس تھا ... پاں میں جوتا پہن کے وہ باہر لان میں آ گیا ... دسمبر کی یخ بستہ رات کی پرواہ کیے بغیر وہ تیزی سے لان میں ٹہلنے لگا .... چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا ... ہوا میں خنکی حد سے زیادہ تھی مگر اس کا تو اپنا آپ سلگ رہا تھا ... ماضی ایک بار پھر اسکو یاد آ گیا تھا اور وہ ایک بار پھر تڑپ گیا تھا اپنی بیبسی پے ... سب کچھ اسکے اختیار میں ہوتے ہوئے بھی نہیں تھا ... وہ جل رہا تھا ... اسکی یادوں کی آگ نے اسکو جلا دیا تھا ... وہ کیا تھی ... جو اتنے سالوں بعد بھی اسکو اپنی یادوں کے ساتھ باندھے ہوئے تھی ... وہ لان میں بنے بینچ پر بیٹھ گیا ... انسان بھی کیا چیز ہے جب کوئی خاص شخص اپنی محبت اسکی جھولی میں ڈال رہا ہوتا ہے ... اپنے پاکیزہ جذبے اس پے نچھاور کر رہا ہوتا ہے ... اپنی سانس سانس اسکے نام کر رہا ہوتا ہے تب اسکی محبت کو مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے خود بھی ساری زندگی پچھتاتا ہے اور اس محبت کرنے والے کو بھی عمر بھر کا روگ دے دیتا ہے ... وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا .... یک دم ہی اسکی معصوم سی صورت اسکی آنکھوں کے سامنے آ ءتھی ... اور وہ پہلو بدل کے رہ گیا تھا ... میں کہاں سے تمہے ڈھونڈ کر لاں ... کیسے تمہیں بتاں کے میں بھی اس تکلیف سے گزر رہا ہوں جس سے کبھی تم گزری تھی... مجھے احساس ہوگیا تمہاری تکلیف کا ... اگر تم مجھے احساس دلانے کے لئے اتنے عرصے سے دور ہو تو لوٹ آ .. اسکی آنکھیں بھرا گئیں تھیں ...

اس نے آسمان کی طرف نگاہ کی ... اے چاند وہ تجھے اور تو اسکو دیکھ سکتا ہے ... تو ہی بتا وہ کہاں ہے کیسی ہے ...

وہ آنکھیں کیسے امید سے اسکو تکتی تھیں جیسے کہ رہی ہوں کے ایک دن تم بھی سدھر جاگے ... اور آج جب وہ سدھر گیا تھا تو وہ اسکی دسترس سے بہت دور تھی.. وہ سگریٹ کے کش پے کش لگا رہا تھا . ساری رات اس نے جاگ کر گزاری تھی..

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

بادلوں کی گرج سے وہ ڈر کے اٹھ بیٹھی تھی .... آج عجیب ہی خواب دیکھا تھا اس نے ... پتھریلے راستوں پر وہ بھاگ

رہی تھی پتھر اسکے پاں کو زخمی کر رہے تھے وہ اچانک ٹھوکر لگنے سے بری طرح گرنے والی تھی ...جب اسے کوئی انجانی سی قوت اپنی طرف کھینچ لیتی ہے ...اور اسکو کسی خوبصورت باغیچے میں چھوڑ دیتی ہے ..وہ نظر اٹھا کر دیکھتی ہے تو آسمان پر چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا ہے ....اتنے میں بادل کے گرجنے سے اسکی آنکھ کھل گئی ...سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر پیا تب جا کر وہ اپنے حواس بحال کر پائی تھی..بادل زور سے گرجا اور ٹپ ٹپ کی آواز آنے لگی ...وہ جلدی سے اٹھی صحن سے دھلے کپڑے اتار کر برآمدے میں رکھے ...چیزیں سمیٹ کر وہ برستی بارش کو دیکھنے لگی جو آہستہ آہستہ موسلا دھار بارش کا روپ دھار چکی تھی ....

وہ جلدی میں باہر آئی تھی شال تک لینا بھول گئی تھی ...سردی کی لہر اسکے پورے جسم میں دوڑ گئی ....وہ اندر جاتے جاتے پھر مڑی تھی ...اور برستی بارش میں ہتھیلی پھیلا کر وہ برستی بوندوں کو قید کر رہی تھی ...ایک بات کہوں ...وہ پر شوق نظروں سے اسکی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا تھا ...ہم کہو ....وہ برستی بوندوں کو مٹھی میں قید کر رہی تھی ...

بارش کی یہ برستی بوندیں بہت باغی ہوتی ہیں جتنے پیار سے بھی انکو قید کرنے کی کوشش کرو یہ پھسل جاتیں ہیں ...وہ بھی لاشعوری طور پر اسکی حرکت دوہرا رہا تھا ...وہ اسکو کہنا چاہتی تھی تم بھی تو باغی ہو ... جتنی مرضی کوشش کرلوں تم میرے نہیں بنتے ...

یکدم بجلی زور سے چمکی تو وہ دوبارہ ہوش میں آئی ... گھر میں اندھیرا چھا گیا تھا ....

حبا ... حبا ... کدھر ہو یار ....شاہ میر کی آواز پہ وہ اندر کمرے میں آئی ...

ایمرجنسی لائٹ آن کر کے وہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی ...سردی اسکے پورے جسم پے سرایت کر گئی تھی ....

کدھر تھی یار اور بارش کب شروع ہوئی ....وہ سردی کی شدت کو دیکھتے ہوئے حبا کے اوپر کمبل دینے لگا ... کچھ دیر پہلے میں چیزیں سمیٹنے گئی تھی ...وہ مختصر جواب دے کر اچھی طرح کمبل لپیٹنے لگی ...

کیا ضرورت تھی اتنی سردی میں باہر جانے کی ۔۔۔ ہاتھ دیکھو کیسے ٹھنڈے ہوئے پڑے ہیں...شاہ میر نے اسکے ٹھنڈے نرم ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا ...وہ بار بار اس عمل کو دوہرا رہا تھا تا کے اسکے ہاتھوں کی ٹھنڈک کم کر سکے ...شاہ میر .... حبا نے غور سے شاہ میر کو دیکھ کر پکارا... ہمم ...وہ لیٹ چکا تھا آپکو مجھ سے محبت ہے؟ نا جانے کیسے اس کے منہ سے یہ سوال نکلا تھا۔۔

بہت دلچسپ سوال پوچھا .. حبا کون نامراد ہو گا جس کو اپنی بیوی سے محبت نا ہو ...اور وہ بھی تم جیسی خوبصورت بیوی سے ...شاہ میر نے کہنی پر اپنا سر ٹکا کر اسکو دیکھا ...

مطلب آپکو میری خوبصورتی سے پیار ہے...؟ حبا عظیم نے پھر سوال کیا

میری جان خوبصورتی سے کس کو پیار نہیں ہوتا ... مجھے بھی ہے ... تمھاری اس سنہری پیشانی سے ... تمہاری ان مخروطی انگلیوں سے ... تمھاری شفاف رنگت سے ... لیکن یہ بھی سچ ہے کے جس طرح تم مشکل وقت میں میرا ساتھ دے رہی ہو تمہاری محبت میرے دل میں بڑھتی جا رہی ہے ... وہ محبت سے کہ رہا تھا ... اور وہ چپ چاپ سن رہی تھی ... حبا ایک بات پوچھوں؟؟ اب سوال شاہ میر نے کیا جی پوچھیں .... وہ بھی اسکی طرف رخ کر کے لیٹ گئی...

کیا تمہیں مجھ سے محبت ہوئی؟ شادی سے پہلے تو نہیں تھی ... وہ مسکرایا تھا

آپکو کیا لگتا ہے ... کیا میری وفا میں کوئی کمی دیکھی آج تک؟؟؟ حبا نے اسکی آنکھوں میں دیکھا تم اتنی اچھی ہو حبا کے کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تم اتنی اچھی کیوں ہو... تم اتنی خوبصورت ہو کے ڈر سا لگتا ہے کہیں تمہے کھو نا دوں...

تمہارے وجود کو چلتے پھرتے اپنے گھر میں دیکھتا ہوں تو اپنی خوش قسمتی پے یقین نہیں ہوتا ... لیکن حبا عظیم جب تمہاری ان گہری چمکدار شفاف آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو سوائے خاموشی کے کوئی عکس کوئی رنگ نظر نہیں آتا ... ایک عجیب سی خاموشی ہے ان آنکھوں میں جو مجھے بے چین کرتی ہے ... اور پھر میرے دل میں خیال گزرتا ہے کے شاید تم میرے ساتھ خوش نہیں ... یا میری محبت ابھی اس مقام پر نہیں پہنچی کے تمہاری آنکھوں میں میرے عکس نظر آئیں ... وہ مسلسل اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا ... اور وہ آنکھیں چرا گئی تھی... یہ بس ان ناولز کا اثر ہے جو آپ نے حفظ کیے ہوئے ہیں ورنہ ایسا کچھ بھی نہیں .... وہ مسکرا کے بولی...

اللہ نے مجھے آپکے ساتھ جس بندھن میں باندھا ہے یہ تو اٹوٹ ہے ... میں ساری زندگی کے لئے آپکے نام لکھ دی گئی ہوں ... اور میں اس رشتے کو دل و جان سے نبھا رہی ہوں بیفکر رہیں ... وہ پیار سے کہ کر آنکھیں بند کر گئی... اوکے میری جان کہتی ہو تو مان لیتے ہیں ... شاہ میر بھی رخ بدل کر لیٹ گیا ... اور حبا عظیم نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں کھولیں اور پھر موند لیں .... باہر بارش زوروں سے برس رہی تھی اور حبا عظیم کا ذہن اپنے دیکھے خواب میں الجھ گیا تھا..

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

مجتبیٰ ..اٹھ جا بیٹا دن کے 11 بج رہے ہیں ... صبیحہ بیگم کمرے میں آئیں ... وال سائز گلاس ونڈو سے دبیز پردے ہٹائے تو چھن سے دھوپ کی کرنیں کمرے میں داخل ہوئیں ...

امی مجھے ابھی سونا ہے پلیز ... فار گاڈ سیک یہ پردے آگے کریں .... وہ سنہری دھوپ کو کمرے میں آتا دیکھ کر چڑ سا گیا تھا...

مجتبیٰ .. بیٹا رومان کا فون آیا تھا ... تم نے آج اسلام آباد جانا تھا؟؟؟

صبیحہ بیگم اب ٹیبل پر بیٹھ کر اسکے لئے چائے بنا رہی تھیں ... وہ صبح کا ناشتہ اپنے کمرے میں ہی کرتا تھا ...

اوہ ... مجتبیٰ .. جلدی سے اٹھ کر واڈ روب سے کپڑے نکال کر فریش ہونے چلا گیا ... صبیحہ بیگم اسکا بیڈ ٹھیک کرنے لگیں ... سائیڈ ٹیبل پے پڑے ایش ٹرے میں سگریٹوں کے ڈھیر دیکھ کر وہ آہ بھر کے رہ گئیں. ملازمہ کو آواز دے کر کمرے میں ہی مجتبیٰ .. کا ناشتہ لگوا کر وہ خود باہر لان میں آ کر بیٹھ گئیں .... گاڑی کے ہارن پے چوکیدار نے دروازہ کھولا تو ارحم گاڑی اندر پارک کرنے لگا...

وہ گاڑی سے نکل کر سیدھا صبیحہ بیگم کے پاس آیا ... السلام وعلیکم امی ... وہ پیار سے سلام کر کے ان کے پاس ہی چیئر پر بیٹھ گیا ... وعلیکم اسلام ... ارحم آج اتنی جلدی کیسے آ گئے ... صبیحہ بیگم نے اپنے چھوٹے بیٹے کو پیار سے دیکھا... جی امی یونیورسٹی میں آج بورنگ سا فنکشن تھا دل نہیں لگا تو گھر آ گیا .... وہ بتا کر ٹیبل پے پڑی اخبار اٹھا کے دیکھنے لگا ... ہاں رومان سوری یار بس میں نکل رہا ہوں .. اوکے ... وہ فون پر بات کرتا کرتا انکے پاس آ گیا ... بھائی کدھر کی تیاری ہے ... ارحم مجتبیٰ .. کو عجلت میں دیکھ کر بولا ...

اسلام آباد جا رہا ہے ... رفیہ وہ سامان صاحب کی گاڑی میں رکھوا دو .. صبیحہ بیگم نے ملازمہ کو آواز دی ..

کونسا سامان امی میں وہاں کام سے جا رہا ہوں ... مجتبیٰ سمجھ گیا تھا کے اب صبیحہ بیگم اپنی بہن اور بھانجی کے لیا ڈھیروں تحائف ساتھ بھجوایں گی... مجتبیٰ .. تم نے کونسا خود اٹھا کر لے جانے ہیں .. اور ہاں نجمہ کو فون کر دیا وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے لازمی جانا ادھر ... صبیحہ بیگم اسکو ہدایت دے رہی تھیں اور وہ منہ بناتا اپنی گاڑی نکالنے لگا ... امی آپ بھی بھائی کو کیوں فورس کرتی ہیں وہ کسی کام سے جا رہے ہوں گے ... ارحم سے اپنے بھائی کا خراب موڈ برداشت نہیں ہوا تھا ... بیٹا وہ وہاں رومان کے پاس جا رہا تو کیا اچھا لگے گا کے خالہ کے بیٹے سے مل آ ے اور خالہ سے نا ملے ... ویسے بھی وہ فیملی سے بہت کٹ آف رہنے لگا ہے ... گھر کا بڑا ہے تھوڑا انوالو ہونا چاہیئے اسکو ... صبیحہ بیگم کہہ کر اندر چلی گئیں ... اور ارحم کندھے اچکا کر اخبار پڑھنے لگا ...

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

وہ گھر آیا تو حبا کچن میں کھانا بنا رہی تھی وہ سیدھا ادھر ہی آ گیا ... السلام وعلیکم ... اس نے حبا کے کان میں کہا وہ ڈر کے مڑی تھی ...

اور پھر سنجیدگی سے سلام کا جواب دے کر کھانا بنانے لگی ... شاہ میر نے نوٹ کیا اسکا چہرہ اترا ہوا تھا .. روئی روئی سی

آنکھیں ... اور سرخ ناک ... وہ بے چین ہوا تھا ... حبا ادھر دیکھو... شاہ میر نے اسکا رخ اپنی طرف موڑا تھا شاہ میر میں کھانا بنا رہی ہوں ... وہ دوبارہ رخ موڑ گئی .... کھانا بنتا رہے گا... ادھر دیکھو ... شاہ میر نے اسکا چہرہ اوپر کیا تھا ... وہ واقعی پریشان ہو گیا تھا ...

بتا کیا ہوا ... حبا کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کے پھسلا تھا .. شاہ میر کو ایسا لگا جیسے یہ آنسو اس کے دل پے گرا ہو ... اس نے نرمی سے اپنی انگلیوں کے پوروں سے اسکے آنسو چنے تھے ... حبا میری جان رو نہیں پلیز بتا کیا ہوا ... وہ واقعی تڑپ گیا تھا ...

بیوی سے فرصت مل گئی ہو تو ایک نظر اس بل شریف پے بھی ڈال لو ... تمہاری بیوی جب سے اس گھر میں آئی ہے بل دن بادن بڑھتا ہی جا رہا ہے .. سارا دن ٹی وی لگائے کمرے میں پڑی رہتی ہے .... ایک ہانڈی روٹی کر کے میاں کے سامنے بیچاری بن جاتی ہے ... عارفہ بی بی بول رہی تھیں یا زہر اگل رہی تھیں .. شاہ میر ساری بات سمجھ گیا تھا ... وہ حبا کے آنسو پونچھ کے اسکا گال تھپتھپا کے باہر نکل گیا تھا ... اور حبا کے آنسوں میں اور شدت آ گئی تھی ... وہ جانتی تھی اب بہت بڑا تماشا لگنے والا ہے ... جسکی ذمہ دار صرف اور صرف وہ ٹھہرائی جائے گی...

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

نوال نوال .... نجمہ بیگم کی آواز پر وہ اپنی بکس سنبھال کر باہر آ گئی ... یس مام .... وہ خوش دلی سے انکے پاس صوفے پر آ کر بیٹھ گئی... بیٹا کبھی کتابوں سے باہر نکل آیا کرو ... تم لڑکی ہو کوئی گھر داری کی طرف بھی دھیان دو ... نجمہ بیگم نے اسکو پیار سے کہا تھا ...

ٹھیک ہے مام جیسے آپ کہیں ... مگر بس یہ لاسٹ سمسٹر ختم ہونے دیں اسکے بعد جو آپ کہیں گے کروں گی... وہ محبت سے ان کے گرد بازوں پھیلا کر بولی ... او کے میرا بچہ .. آج مجتبیٰ آ رہا ہے ... کھانے کا تم خود اہتمام کرنا ... ملازمہ کے ہاتھ کا کھانا وہ نہیں کھاتا ... ٹھیک ہے نا ... انہوں نے نوال کو ہدایت دی ... کیا واقعی ... آج وہ گھر کیسے آ رہے ہیں ... پچھلے ایک سال میں کئی بار اسلام آباد آئے مگر گھر کے باہر سے ہی چلے گئے ... نوال واقعی حیران تھی کے مجتبیٰ گھر کیسے آ رہا ... وہ تو بس نوال کے بھائی رومان کے لئے آتا ورنہ وہ شروع سے ہی کسی رشتہ دار کے گھر نہیں جاتا تھا ...

آج بھی کہاں آنا تھا اس نے صبیحہ سے بات ہوئی تو اسکو بولا میں نے کہ اسے یہاں آنے کو بولے .. اپنا گھر ہے اسکا... اور سچ میں نوال اسکو دیکھتی ہوں تو جمال کی صورت سامنے آ جاتی ہے ... مجتبیٰ بلکل تمہارے چچا جمال کی کاپی ہے ... اللہ جنت نصیب کرے وہ بھی مجتبیٰ کی طرح موڈی تھا ... نجمہ بیگم بڑی محبت سے اسکو بتا رہی تھیں ... ہم بس اسلئے مجتبیٰ

بھی اپنے پاپا پے گئے ہیں ... نوال مسکرائی تھی ..

ہاں بس تم کھانا اسکی پسند کا بنانا ... دن کو تو وہ سید ھا رومان کے آفس جائے گا رات کو گھر آئے گا ... نجمہ بیگم کہ کر ڈرائیور کے ساتھ مارکیٹ چلی گئیں ... اور نوال وہیں بیٹھی بیٹھی سوچ میں گم ہوگئی ... مام میں آپکو کیسے بتاں کہ آپکی اس خبر نے مجھے کتنی خوشی دی ہے ... یہ دل تو ہر روز مجتبیٰ جمال کے آنے کی دعائیں مانگتا ہے ... ان کو دیکھنے کو میری آنکھیں بیتاب ہیں سننے کو سماعتیں ترس رہی ہیں ... مگر وہ اتنے بے رحم ہیں کے اپنی شکل تک نہیں دکھاتے ... اور انکی یہ بے رحمی مجھے دن بادن ان کے قریب کر رہی ہے ... نا جانے کب سے مجتبیٰ جمال کی محبت میرے دل میں کنڈلی مارے بیٹھی ہے ... مگر اب یہ محبت دیدار مانگتی ہے ... وصل مانگتی ہے ... تمھاری الفت کی نظر مانگتی ہے ... کاش تم پر اپنے جذبے عیاں کرنے کی ہمت ہوتی تو تمہیں بھی علم ہوتا کے جس لڑکی سے تم بلکل بے خبر ہو تم اس کے لئے کیا ہو ... وہ دل ہی دل میں اس اکھڑ مزاج والے کزن کو سوچ کر مسکرا دی ....

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

امی بس بھی کریں اب ... یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے جتنا آپ اسکو طول دے رہی ہیں ... وہ انتہائی کوفت سے بولا تھا .... پچھلے ایک گھنٹے سے وہ عارفہ بی بی کی تقریر سن رہا تھا ... اب اسکا ضبط جواب دے رہا تھا ...

ہاں بھء تمہیں اپنی کمائی اجاڑنے کا شوق جو ہو گیا ہے ... ہر وقت اس کے نازنخرے اٹھانے میں آدھی کمائی تو تم ویسے ہی ضائع کر دیتے ہو ... دیکھو شاہ میر تم اسکو اپنے گھر تو لے آئے شادی کر کے مگر میں اسکو اس گھر پے راج نہیں کرنے دے سکتی ... عارفہ بی بی حتمی لہجے میں بولیں ...

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

امی کس بات کی خار ہے آپکو حبا سے ... آپکا اپنا خون ہے وہ آپ کے سگے بھائی کی اکلوتی اولاد ہے ... بہو تسلیم نہیں کرنا تو نا کریں کم از کم بھتیجی ہی سمجھ کر اسکا خیال کر لیں ... وہ بہت آرام سے اپنی ماں کو سمجھا رہا تھا ... نا بھئی نا ... نا اسکی ماں ہماری بنی تھی اور نا اسکو میں کبھی اپنا سمجھ سکتی ہوں .. ماں نے ہمارا بھائی چھین لیا تھا اب بیٹی میرا بیٹا جدا کرنے آگئی ... عارفہ بی بی غمزدہ لہجے میں بولیں ...

شاہ میر سر پکڑ کے بیٹھ گیا تھا ... امی ایسے تو پھر کام نہیں چلے گا ... کیوں نہیں چلے گا بھائی تم کیا چاہتے ہو ہم اس مہارانی کو سر پے بٹھا لیں .وہ جو کرے جیسے کرے کرنے دیں ... گرمیوں میں سارا دن پنکھا چلتا رہا ... اب ہر وقت ٹی وی ... واہ بھء ایسی بھگوڑیوں کے سبھی عیش ہوتے ہیں ... مریم نے بھی عارفہ بی بی کا ساتھ دیا مریم تم چپ رہو

...اور ٹھیک ہے آپ لوگوں نے اسی طریقے سے چلنا ہے تو ٹھیک ہے مگر آج کے بعد آپ میں سے کوئی بھی حبا کو کچھ نا کہے ...وہ چاہے ٹی وی لگائے چاہے پنکھا ... آپکو اعتراض نہیں ہونا چاہئے ...اس گھر کے اخراجات میں برداشت کرر ہا ہوں میری بیوی کو بھی پورا حق ہے اپنی مرضی سے جینے کا ... امید ہے آپ دونوں کو سمجھ آ گئی ہوگی ...وہ مریم کی بات پر طیش میں آگیا تھا مگر بہت تسلی سے اس نے ماں بہن کو جواب دیا تھا ...

مریم کچھ بولنے ہی والی تھی جب عارفہ بی بی نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا ...وہ بیٹے کے غصے سے بہت اچھے سے واقف تھی ...

شاہ میر کہہ کر گھر سے باہر چلا گیا تھا ...امی کیوں روکا آپ نے دیکھا کیسے مینا کا طوطا بنا ہوا ہے ...مجھے بولنے دیتیں آپ ... مریم کا دل بہت برا ہوا تھا. پگلی جب کماں بیٹے منہ زور ہو جایں تو کبھی کبھی خاموش ہونا پڑتا ہے ...عارفہ بی بی چالاکی سے بولی. ..

تو کیا حبا کا غلام بنا دیکھتے رہیں اسکو ...مریم کے لہجے میں حبا کے لئے نفرت تھی ...

نہیں بلکل نہیں شاہ میر کی لگام کسی اور طریقے سے کھینچنی ہوگی ...عارفہ بی بی پر سوچ لہجے میں بولی....

اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوتے ہی گہرے سیاہ بادلوں نے اسکا استقبال کیا تھا..

وہ جیسے جیسے اسلام آباد کی سڑکوں پر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا ویسے ویسے اسکے اندر ایک عجیب سی بے کلی طاری ہو رہی تھی ...

مجتبیٰ کو اسلام آباد پوہنچتے پہنچتے شام ہو گئی تھی ...وہ سیدھا رومان کے آفس ہی گیا تھا...

السلام وعلیکم ...رومان اسے دیکھتے ہی بڑی گرم جوشی سے گلے لگا کر ملا تھا ...

وعلیکم سلام ... کیسے ہو وکیل صاحب ... مجتبیٰ نے بھی اتنی ہی گرم جوشی سے جواب دیا تھا ...

رومان مجتبیٰ سے کوئی 5 سال بڑا تھا مگر دونوں میں خوب یارانہ تھا ..وہ دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے پکے دوست تھے... رومان نے فوراً ہی چائے منگوائی تھی ...اور سنا کیسا جا رہا تمہارا بزنس ...سنا ہے خوب ترقی ہو رہی آج کل... رومان نے خوش دلی سے کہا ...بس یار دعا ہے تمہاری ...اور تم سناؤ کالت کیسی جا رہی پچھلے دنوں رمیز کا کیس جس طرح تم نے ہینڈل کیا ...امیزنگ یار مزہ آ گیا ... مجتبیٰ نے آفس بوائے سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا ...

بس دیکھ لو مجتبیٰ جمال ایک تمہیں ہی اپنے کزن کی قدر نہیں ...رومان نے مصنوئی فخر سے اپنا کالر اونچا کیا تھا ...

ہاہا کیا خوب کہا ڈیئر کزن قدر نا ہوتی تو ہر مہینے آپکے دیدار کو نا آتے آپکے پاس ...وہ رومان کی بات سے خوب محظوظ ہوا تھا ...واہ کمال کے ایکٹر ہو تم ... چلو پھر باقی باتیں گھر چل کے کرتے ہیں ماما تمہارا ویٹ کر رہی ہیں ...رومان نے

اپنی فائلز سمیٹتے ہوئے کہا ...یار گھر بھی چلیں گے پہلے تم میرے ساتھ چلو گے .... مجتبیٰ بھی ٹیبل پے پڑا اپنا سیل فون اور گاڑی کی چابی اٹھا کے کھڑا ہوگیا.. کدھر چلنا ہے ...رومان بے مشکوک نظروں سے مجتبیٰ .. کو دیکھا ...

تم جانتے ہو رومان ...اب کی بار مجتبیٰ ..نے سنجیدگی سے جواب دیا

ناٹ اگین مجتبیٰ .. ....رومان نے خفگی سے مجتبیٰ .. کو دیکھا ...

جتنا کہا اتنا کرو ... گاڑی میں نیچے پارکنگ میں کھڑی کر رہا ہوں تمہاری گاڑی پے چلیں گے ...میں نیچے انتظار کر رہا ہوں جلدی آ .. مجتبیٰ .. کہ کے یہ جاوہ جا ہوگیا ...اور رومان سر ہلا کر اسکے پیچھے چل پڑا ..یہ نہیں سدھر سکتا ...وہ بس سوچ کے رہ گیا آفس سے نکلتے ہی بارش شروع ہوگئی تھی ....رومان سنجیدگی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا اور مجتبیٰ .. فرنٹ سیٹ پر رومان کی سیٹ کی بیک پے بازو ٹکائے بیٹھا تھا ...

مجتبیٰ .. آخر کب تک اس کو ڈھونڈو گے 2 ...سال میں اسکا کچھ پتا نہیں چلا اب کیسے چلے گا ...

امید پے دنیا قائم ہے ... مجتبیٰ ...نے مختصر جواب دیا تھا ...

تم جس موڑ پر اسکو تنہا چھوڑ کر گئے تب اسے تمہاری ضرورت تھی ....جب ایسے دیوانوں کی طرح اسکو ڈھونڈنا تھا تو چھوڑا کیوں؟ رومان بری طرح الجھا ہوا تھا ..رومان پلیز اس وقت کچھ مت پوچھو پلیز ... مجتبیٰ نے زبان اور آنکھوں دونوں سے ریکویسٹ کی تھی

اور رومان اسکو بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا..

بارش جوں جوں تیز ہو رہی تھی ...وہ مخصوص ایریا میں داخل ہو گئے تھے ...

بارش کا پانی پانی چھم چھم برس رہا تھا ...

اسلام آباد کی سڑکیں کچھ بارش کے پانی اور کچھ سٹریٹ لائٹس کی مدھم روشنی سے چمک رہی تھیں .. سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا ... وہ ہر چیز کو دیکھ رہا تھا اور بہت غور سے دیکھ رہا تھا ... اس کے اندر عجیب گھٹن کا احساس جاگا تھا... جیسے ہی اس نے ونڈو کا شیشہ نیچے کیا اسے لگا سرد ہوا کے جھونکے کے ساتھ اسکی خوشبو بھی اسکے اندر بکھر گئی ہو ...

سنو تمہیں سردی نہیں لگتی ....وہ دونوں ہاتھ ملتا ہوا اس کے پیچھے چل رہا تھا ...

لگتی ہے ....وہ مسکرا کے اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی ...... تو تمہیں کہا بھی تھا کے گاڑی میں بیٹھ کر بات کر لیا کرو... مگر تمہیں ہی اتنی سردی میں مٹرگشت کرنے کا شوق ہے ...وہ چڑ کر بولا تھا.

مجھے تمہارے ساتھ چلنا اچھا لگتا ہے ...وہ مسکرا کے پھر چلنے لگی تھی ...

اچھا ... کیوں اچھا لگتا ہے ... وہ بھی اسکے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ... اب وہ اسے کرید رہا تھا ... اسلئے کے جب میں نہیں ہوں گی تو یہ سردی ... یہ رات ... یہ ہوا ... یہ رستے تمہیں میری یاد دلائیں گے ... تم جب بھی سرد راتوں میں یہاں سے گزرو گے تو مجھے یاد کرو گے ... وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی بول رہی تھی ... مجتبیٰ .. اسکو مبہوت سا دیکھ رہا تھا ... کتنی چمک تھی اسکی آنکھوں میں ...

یکدم گاڑی کی بریک لگنے پر وہ ہوش میں آیا ... رومان نے گویا اسکو ہوش میں لانے کے لئے ہی اشارے پر زوردار قسم کی بریک لگائی تھی ۔ وہ کن انکھیوں سے مجتبیٰ ...... کو دیکھ رہا تھا ... تو تم نے یہ بات بھی ٹھیک کہی تھی ... تم مجھے یاد آ رہی ہو ۔ تم یہاں نا ہو کر بھی مجھے محسوس ہو رہی ہو ... بارش کی شدت میں اضافہ ہوا تھا ...

راہ یار تیری بارشیں

مجھے یوں

ستا رہی ہیں

کہ رہیں ہیں

تیرا یار تجھ سے

خفا خفا

تیری عادتوں سے

جدا جدا

تجھے دیکھنا نہیں چاہتا

تجھے موڑنا نہیں چاہتا

دل اپنا ایک بار کو پھر

وہ توڑنا نہیں چاہتا ...

میرے یار تیرے فراق میں

میری جان نکل رہی ہے

میرے یار تیری تلاش میں

میری زیست تڑپ رہی ہے

آواز دے کے ہم کو

وہ پھر بلا رہی ہیں

راہ یار تیری بارشیں

مجھکو ستا رہی ہیں...

وہ ایک بار پھر اس کے گھر کے باہر کھڑا تھا ..... سیاہ سرد برستی رات میں....

☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆

.وہ مجتبی کی پسند کی چانپیں روسٹ کر کے بریانی کو دم دے چکی تھی ..وائٹ سوس پاستا پہلے ہی تیار تھا.. سلاد رائتہ گل بی بنا رہی تھی ...اور نوال براونیز چیک کر رہی تھی جو اس نے ٹھنڈی ہونے کے لئے رکھی تھیں ...وہ مسکرا کے اپنے بنائے ہوئے کھانے کو دیکھ رہی تھی... نوال بی بی ایک بات کہوں ..... گل بی نے نوال کو مسکراتے دیکھ کر کہا ...

ہم بولو نا ... نوال بہت خوبصورتی سے براونیز کے اوپر میلٹ چاکلیٹ سے ڈیزائن بنا رہی تھی ... آج اسکا انگ انگ مسرور تھا ... نقش نقش مسکرا رہا تھا ... گل بی نے دل ہی دل میں اسکی نظر اتاری تھی

بی بی تم مجتبی بابا سے بچپن سے محبت کرتا ہے تو اسکو بتا تا کیوں نہیں ؟؟؟

نوال کا نفاست سے چلتا ہاتھ لمحے بھر کو رکا اور پھر وہ مسکرا کے گل بی کو دیکھنے لگی ... وہ گل بی کے ہاتھوں میں بڑی ہوئی وہ نہتی پٹھان عورت تھی ساری زندگی ان کی خدمت میں گزاری کوئی آگے پیچھے نہیں.. شوہر کے انتقال کے بعد سے ان کے پاس ہی مستقل رہ رہی تھی۔ دور کے رشتہ داران سے بھی کبھی کبھار ہی ملتی تھی ...

وہ نوال کی رازداں تھیں ... نوال چاہ کر بھی ان سے کچھ چھپا نہیں سکتی تھی ...

گل بی کون ہوگا جو خود کو محبوب کے فراق میں تڑپانا چاہے گا .. کون ہوگا جو برسوں اپنے یار کی دید کو ترسنا چاہے گا ...

میں تو کب سے ان کی دید کو ترس رہی ہوں ... انکی ایک نظر الفت کی منتظر ہوں ... تم اظہار کی بات کرتی ہو وہ تو میرے سامنے اتنی دیر بھی کبھی نہیں ٹھہرے کے مجھے نظر بھر کے دیکھ لیں ...مجھے نا سہی خود کو تو دیکھنے دیں ... کچھ انکی شخصیت میں وہ رعب ہے کے کبھی ان کے سامنے ٹھہرنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا ... اور اب جب محبت کی مہربانی سے حوصلہ آیا ہی ہے تو وہ ہی موقع نہیں دیتے .. نا خود کو دیکھنے کا نا سننے کا نا محسوس کرنے کا اور نا بولنے کا ... پھر اپنا آپ کیسے عیاں کروں تم ہی بتا.. نوال کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں. گل بی نے نوال کو غور سے دیکھا ..عام سے نقش اور صاف رنگت ..آج کچھ زیادہ ہی چمک رہی تھی ... وہ بہت زیادہ حسین وجمیل تو نہیں تھی مگر اسکی ذہانت کے ہر جگہ چرچے تھے ...وہ

دل کی حساس تھی .. لوگوں کہ غم بانٹنے والی تھی ... لیکن تھی تو انسان جو ایک انسان سے محبت کر بیٹھی تھی .... گل بی چل کے اسکے پاس آئیں ... جذبوں میں صداقت ہو تو پتھر سے پتھر دل بھی پگھل جاتا ہیں... تم دیکھنا جب تم اظہار کرے گا تو مجتبیٰ بابا کیسے موم کی طرح پگھلے گا ... سچی محبت کی حرارت اپنے آگے کسی کو کھڑا نہیں رہنے دیتی ...

گل بی نے نوال کو گلے لگا لیا ...

اچھا گل بی زیادہ اموشنل مت کرو...... میں کپڑے چینج کر کے ٹیرس پے جا رہی ہوں تم اب باقی کام دیکھ لینا ...

نوال خوشی سے گل بی کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر بولی .. آنکھوں کی نمی میں گویا ستارے جگمگا رہے تھے ... سچ ہے آنکھوں میں نمی اور لبوں پر سچی مسکان سجائے لڑکیاں اور بھی پیاری لگتی ہیں ...

ٹھیک ہے ماڑا ٹھیک ہے...... دھیان سے جانا خوشی سے گرنا پڑنا...... گل بی نے ہنس کے محبت سے پر لہجے میں کہا اور کچن سمیٹنے لگی

☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆

آپ کو کس نے کہا تھا آپ میری وجہ سے اپنے گھر والوں سے جھگڑا مول لیں ... وہ دن کا نکلا شام کو گھر آیا تھا.. حبا اسکا کھانا کمرے میں ہی لے آئی تھی ... خاموشی سے کھانا کھانے کے بعد وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا جب حبا بیڈ کے پاس پڑی کرسی پے بیٹھتے ہی بولی ...

وہ گھر والے ہیں تو تم گھر والی ہو ... شاہ میر نے لفظوں پے زور دے کر اسے باور کرایا تھا.. نظریں ہنوز ٹی وی پر تھیں

☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆.........☆

وہ بات ٹھیک ہے ... مگر اس طرح گھر کا ماحول کشیدہ ہوتا ہے ... یہ وہی جانتی تھی شاہ میر کے چلے جانے کے بعد اسے کیسے کیسے لفظوں اور طنز کے تیروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا ...

اس گھر میں کب کشیدگی نہیں ہوئی حبا.. تم ہی بتا سچ میں مجھ سے اب یہ روز روز کی کھچ کھچ برداشت نہیں ہوتی وہ بھی بلاوجہ .... اب وہ ٹی وی کا والیوم سلو کر کے اسکی طرف متوجہ ہوا تھا ....

یہ میں نہیں جانتی ... عادت ڈال لیں آپ بھی ... وہ دھلے کپڑوں کے ڈھیر کو طے لگانے لگی ...

عادت ڈال لوں اور تمہیں روتا دیکھتا رہوں ...

تمھارے ساتھ زیادتی ہونے دوں؟؟ یہ چاہتی ہو تم؟ وہ حبا کی برداشت پے چونکا تھا...

میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی ... آپ بھی یہ سوچنا چھوڑ دیں اور اپنی ماں بہنوں کے ساتھ ٹھیک رہیں انکا کون ہے آپ کے علاوہ ... حبا کے چہرے پے کوئی تاثر نہیں تھا وہ تیزی سے کپڑوں کو طے لگا رہی تھی ...

حبا تمہارا کون ہے میرے علاوہ ..؟؟؟ اس کے سوال پر حبا خاموش ہی رہی. وہ ریموٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کے اس کے پاس آن کھڑا ہوا تھا...... میں ان سب سے محبت کرتا ہوں عزت کرتا ہوں خیال کرتا ہوں ... لیکن سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں اپنی ذات تک ... تمہیں کوئی بھی کچھ کہے یہ برداشت نہیں ... تمہاری ان آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا ... سمجھی ... اس کے لئے میں ہر اس انسان سے ٹکراں گا جو تمھے دکھ دے گا ... وہ حبا کا بازوں پکڑے اپنے طرف اسکا رخ موڑے کھڑا تھا ...

حبا خاموشی سے اسکو یک ٹک دیکھ رہی تھی ... گندمی رنگت اور کھڑے نقوش والا شاہ میر ہمیشہ ہی اس کے لئے پروٹیکٹر ثابت ہوا تھا ... وہ سچ بول رہا تھا ... حبا کا دل اسکی سچائی کی گواہی دے رہا تھا ...

میں کپڑے طے کرلوں عشا کی اذان ہوگئی نماز بھی پڑھنی ہے ... وہ گھبرا کر اپنا بازو چھڑا گئی تھی ...

شاہ میر اس کے گھبرانے پے مسکرا کر رہ گیا تھا... گویا ساری جذباتیت بہ گئی تھی ... وہ ہمیشہ اس لڑکی کے کسی ایک چھوٹے سے ردعمل کے آگے بھی بیبس ہو جاتا تھا ... وہ کچھ نا کر کے بھی بہت کچھ کر جاتی تھی ... دن کا خراب موڈ فٹ سے خوشگوار ہوگیا تھا ... وہ کچھ دیر بیڈ پر بیٹھ کر حبا کو دیکھتا رہا ... جو نفاست سے طے شدہ کپڑوں کو الماری میں رکھ رہی تھی

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

وہ دراز قد ایک مکمل لڑکی تھی خدا نے اسے بہت خوبصورت بنایا تھا ... وہ مسلسل اسکو دیکھ رہا تھا .. آپ نے نماز پڑھنے نہیں جانا ... وہ کپڑے رکھ کر اس سے مخاطب ہوئی . اور شاہ میر کھڑا ہوگیا..

او کے میں بھی مسجد جا رہا ہوں واپسی پے تمہارا فیورٹ سوپ لیتا آوں گا ... کھانا مت کھانا ورنہ کہو گی بھوک نہیں ہے ... وہ کہ کر چلا گیا...........

حبا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی ... وہ واقعی دلجوئی کرنا جانتا تھا ... وہ اپنے فرائض نبھانا جانتا تھا .. زندگی کے تپتی دھوپ میں وہ اپنوں کا سایہ بننا جانتا تھا ... ایک عورت مرد سے چاہتی بھی کیا ہے؟؟ صرف اتنا کے وہ اسکو زمانے کی گرم لو .. چبھتی دھوپ ... تند و تیز نظروں سے بچا سکے ... اور شاہ میر حبا عظیم کی ہمیشہ ڈھال بنا تھا ... ہمیشہ ... محبت نا سہی ... وفا تو تم سے ہمیشہ کروں گی شاہ میر یہ میرا خود سے عہد ہے ... وہ سوچ کر نماز ادا کرنے چلی گئی ...

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

مجتبی آج بھی کچھ حاصل نہیں ہونے والا ... گیٹ کو لاک ہے ... رومان اسلام آباد کی کسی نئی سوسائٹی میں بنے 5 مرلے کے جدید طرز سے تعمیر کیے گئے گھر کے سامنے گاڑی روکے کھڑا تھا ... گھر چھوٹا لیکن خوبصورت تھا لیکن

اندھیرے میں ڈوبا ہوا ... سٹریٹ لائٹس کی وجہ سے زیادہ اندھیرا محسوس نہیں ہو رہا تھا..
تم یہیں رکو میں پوچھ کے آتا ہوں ... مجتبی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر باہر نکلنے لگا جب رومان نے اسے روک لیا ...
مجتبی باہر بارش تیز ہے پلیز بیٹھے رہو ... رومان نے سختی سے روکا تھا ...
مجتبی نے باہر دیکھا بارش نے بھی جیسے آج کھل کے برسنے اور نا رکنے کی قسم کھا رکھی تھی... وہ بےبسی سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ...
رومان کو اسکی اس حالت پر تکلیف ہوئی تھی ...اس نے مجتبی کا شانہ تھپتھپایا ...
ہمت کرو مجتبی ... وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا وہ جانتا تھا پچھلے دو سالوں میں ملک مجتبی کیسے اسے دیوانہ وار ڈھونڈ رہا تھا... کیسے اسکے شہر اسکی گلیوں کے چکر کاٹ رہا تھا ... رومان جانتا تھا کے اسکا دوبارہ ملنا آسان نہیں مگر وہ اپنے یار کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا ......وہ جانتا تھا کے دوسروں کو توڑنے والے جب خود ٹوٹتے ہیں تو سنبھل نہیں پاتے اور وہ نہیں چاہتا تھا کے مجتبی ٹوٹے ... اسلئے وہ مجتبی کے ساتھ تھا..
بارش تیز تھی ... ونڈ سکرین وائپرز کی آواز گاڑی میں ایک عجیب سا شور پیدا کر رہی تھی ... اتنے میں مجتبی کی طرف کا شیشہ ناک ہوا تو وہ دونوں ہی چونک گئے ... شناسا سا چہرہ دیکھ کر مجتبی نے شیشہ نیچے کیا ..
سلام وعلیکم ... کیسا ہے 45 ... سالہ مضبوط قد کاٹھ کا بندہ ہاتھ میں چھتری پکڑے اور چادر لپیٹے کھڑا تھا ...
وعلیکم سلام ... کیسے ہو گلاب خان ... مجتبی نے خوش دلی سے جواب دیا تھا ..
ام ٹھیک ہے ... آو اندر آجا ... گاڑی ادھر سائیڈ پے کھڑا کر دو ... گلاب خان نے سائیڈ پے گاڑی کھڑی کرنے کا اشارہ کیا... ارے نہیں ہم ... رومان انکار کرنے والا تھا جب مجتبی نے اسکا بازو زور سے دبایا ... ہم آرہے ہیں گلاب خان ... مجتبی نے کہا .. آجا آجا ... گلاب خان کہہ کر سائیڈ پے ہو گیا آیا وہ گاڑی پارک کر لیں ...
کیا ضرورت ہے اب ادھر جانے کی ... رومان کا موڈ آف ہوا تھا
یار بس 5 دس منٹ کی بات ہے ... چلو .... ..
وہ گلاب خان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے.. گلاب خان دونوں کو گرما گرم قہوہ پیش کر کے انکے پاس نیچے بچھے تخت پر بیٹھ گیا .. پچھلے دو سالوں میں مجتبی اور گلاب خان کی اچھی سلام دعا ہو گئی تھی .. اس سے پہلے بھی وہ گلاب خان کا ذکر سن چکا تھا دیکھ چکا تھا مگر ملتے ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا ..
آج پھر تم اس کو ڈھونڈنے آیا ہو گا ... کمرے کی خاموشی گلاب خان نے ہی توڑی تھی ...

ہممم ہاں ... مجتبیٰ نے مختصر سا جواب دیا ...
پھر وہ ملاتم کو ... گلاب خان نے جانتے بوجھتے عجیب سوال پوچھا تھا ..
نہیں ... مجتبیٰ بھی مختصر سے جوابات دے رہا تھا جیسے وہ ان سوالوں کا عادی ہو ...
رومان کیوں کے پہلی بار شامل ملاقات تھا لہذا وہ انکی باتیں حیرانگی سے سن رہا تھا دونوں کی عمر میں اچھا خاصا فرق تھا لیکن گفتگو سے بلکل بھی ایسا محسوس نہیں ہو رہا تھا ... مجتبیٰ کئی بار پہلے بھی گلاب خان سے ون ٹو ون ملاقات کر چکا تھا رومان گاڑی میں ہی بیٹھتا تھا.
ناامید ہوگیا ہے ؟؟؟ گلاب خان نے پھر سوال کیا
نہیں ابھی تک تو نہیں ہوا لیکن بہت جلد ہو جاں گا ... مجتبیٰ قہوہ بھی ساتھ ساتھ پی رہا تھا ...
ناامیدی کفر ہے ..رب سے دعا کرتا ہے تم ؟؟؟ گلاب خان استفسار کر رہا تھا ..
کبھی کبھی ... مجتبیٰ کے جوابات رومان کو الجھا رہے تھے ... وہ الجھ کے گلاب خان کو دیکھ رہا تھا .. گلاب خان نے رومان کی الجھن کو دیکھتے ہوئے اسے تسلی رکھنے کا اشارہ کیا.
جس کو تم ڈھونڈ رہا ہے نا وہ بہت اللہ والا ہے ..اس وقت اگر اسکا مضبوط رابطہ کسی کے ساتھ ہے تو وہ خدا ہے ... تم اسکے ظاہر کو جان سکے تھے اسکے باطن کو نہیں ..وہ دنیا داری ضرور نبھا رہا تھا ... دنیا میں دل بھی لگا بیٹھا تھا مگر خدا سے آگے کسی کو نہیں رکھا اس نے ..اگر اسکی چاہت ہے تو خدا سے مانگو اسے ...اور صدق دل سے مانگو ..وہ تمہاری ضرور سنے گا.
گلاب خان عجیب سے لہجے میں بول رہا تھا ...رومان نے اسکے چہرے کو دیکھا ابھی بھی اسکا رنگ شہد کی طرح تھا چہرے پے سجی داڑھی اسکو اور خوبصورت بنا رہی تھی پیشانی پے سجا محراب روشن تھا ...اسکی باتوں میں اثر تھا.. شخصیت میں روحانیت تھی .
مجتبیٰ نے ایک نظر اٹھا کر گلاب خان کو دیکھا
گلاب خان تم سے بھی رابطہ نہیں کیا اس نے...وہ تڑپ کے پوچھ رہا تھا
میرا اسکا رابطہ تو دعا کا ہے وہ ہماری دعا میں ہمیشہ رہتا ہے ... گلاب خان مسکرایا تھا
کوئی گھر بھی نہیں آیا...؟ مجتبیٰ نے پھر سوال کیا ...
نہیں کوئی بھی نہیں 2 سال ہونے کو آئے کوئی مڑ کر نہیں آیا ...

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

او کے اب اجازت ...جب بھی کوئی خبر آئے مجھے بتانا گلاب خان ... مجتبیٰ کھڑا ہو گیا تھا اس کے پیچھے رومان بھی کھڑا ہوا تھا ...

ٹھیک ہے بے غم رہو... گلاب خان نے اس کے شانے پر تھپڑ رسید کیا ...

او کے برخوردار خوش رہو ...اس نے رومان سے بھی مصافحہ کیا ...

وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر واپسی کے لئے روانہ ہو چکے تھے ...بارش قدرے تھم چکی تھی ...

مجتبیٰ آج پھر بے مراداں گلیوں سے لوٹ رہا تھا ... اسکا دل تھا کہ ڈوب رہا تھا ...وہ دن با دن بکھر رہا تھا ...

اب گھر چلیں ... رومان نے گاڑی میں فاسٹ میوزک چلا دیا تا کہ مجتبیٰ کا موڈ چینج ہو ...

ہاں بس جاتے ہوئے کسی مسجد کے باہر 10 منٹ رکنا .. مجتبیٰ مسلسل ونڈو سے باہر دیکھ رہا تھا ..

مجتبیٰ یہ تم کس طرف جا رہے ہو ... رومان کو شدید کوفت ہوئی تھی ...

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے بار بار مجتبیٰ کو دیکھ رہا تھا ...

جس طرف بہت پہلے جانا چاہئے تھا مجتبیٰ کہہ کے باہر دیکھنے لگا ...

اور رومان غصے سے ہنڈل پے زور سے ہاتھ مار کہ رہ گیا damn it (باقی آئندہ شمارے میں)

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

ایک دن ڈسکہ کا ایک شاعر اُسامہ زاہروی

لہو میں زہر کیوں ہم نے اتارا — چلے اُس راہ جس پہ تھا خسارا
زمانے بھر میں چرچا ہے ہمارا — کہ چھوڑ آئے کنارے پہ کنارا
نہیں جب پاس کوئی شخص میرے — بنے گا کون اب میرا سہارا
بچھڑ جاؤ بچھڑنا ہے جو تم کو — محبت سے ہے مجھکو درد پیارا
منانے کا نیا انداز دیکھو — کسی نے پھول میرے منہ پہ مارا
اسے مردہ نہیں زندہ سمجھنا — جسے ہے عشق نے بے موت مارا
اسے ہارا ہوا ہرگز نہ کہنا — یہ بازی عشق کی جو شخص ہارا
میرے بن تم جی سکتی نہیں ہو — میرا بھی کب ہوگا تم بن گزارا
خبر ہے تم نہ آؤ گے پلٹ کر — اُسامہ کیوں تکے رستہ تمہارا

......آخراس خاموشی کو مریم نے توڑا......کچھ بولو نا......!

مجھے تمہارے بنا کچھ اچھا نہیں لگتا مریم ......فیضان کے لہجے میں اداسی تھی......میں ہوں نا تمہارے ساتھ پھر کیا ٹینشن ہے......مریم دھیرے سے بولی

لیکن تمہارے بنا میرا دل نہیں لگتا......یہ دنیا والے بھی دو پیار کرنے والوں کو کبھی ایک ساتھ نہیں دیکھ سکتے فیضان دور آسمان پر دیکھتا ہوا بولا......

تمہارے بابا اور بھائی نے میرے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا ہے......فیضان نے مریم کی ٹانگ کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری

......یہ جھوٹ ہے......مریم جھٹ بولی

تو کیا میں غلط تھا......نہیں......میرے بابا کی غلطی ہے مریم سمجھانے والے انداز میں بولی......میرے بابا بیٹی کے باپ تھے ......انہیں کچھ تو سوچنا چاہیے تھا......لیکن وہ تو الٹا سب سے الجھ گئے......

ٹھیک ہے فیضان سر ہلاتے ہوئے بولا......تم تو اپنوں کی سائیڈ ہی لوگی نا......!

یہ میں ان کی سائیڈ لے رہی ہوں......اور نہیں کیا......؟تم مجھ سے لڑنے آئے ہو کیا......؟

اب تم سے کیا لڑوں گا میں......فیضان بولا......

ہاں البتہ تمہارے لیے دنیا والوں سے ضرور لڑوں گا۔ میں ایک دن......دیکھتا ہو کہ تمہیں مجھ سے کیسے جدا کرتے ہیں

......خدا نہ کرے کہ ہم جدا ہوں......مریم تڑپ کر بولی......اگر ایسا ہوا تو خدا کی قسم میں اپنی جان دے دوں گی......

کچھ دیر وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے کچھ سوچتے رہے......آخراس خاموشی کو مریم نے توڑا......تم چاچو سے کہو ......کہ وہ داداجان کو منالیں......وہ چھوٹے ہیں انہیں پہل کرنی چاہیے

دادا جان کو خود چاچو کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تمہیں کیسے معلوم ...... فیضان نے چونک کر مریم کو دیکھا معلوم ہے مجھے ......مریم نے بتایا...... کہ وہ کئی دفعہ باتوں باتوں میں اظہار کر چکے ہیں ......

کہ جب سے شفیق گیا ہے...... سب کچھ الٹ پلٹ ہو رہا ہے...... ایک دن وہ میرے بابا پر بھی غصہ ہو رہے تھے کہ یہ سب ان کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ سن کر فیضان ایک دم خوش ہو گیا...... اچھا...... ہاں مریم بولی تم اپنے بابا سے بات کرو نا کہ وہ دادا جان سے بات کریں......

تو ہم پھر پہلے کی طرح ایک ساتھ رہنے لگیں گے...... مریم حسرتوں کے ساتھ بولی...... ٹھیک ہے میں صبح ہی بابا سے بات کروں گا فیضان خوش ہو رہا تھا......

تم فکر مت کرو میرا دل کہہ رہا ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا...... انشاء اللہ مریم اطمینان بھرے لہجے میں بولی......

اور پھر وہ دونوں صبح کے چار بجے تک اسی طرح آپس میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اپنی باتیں اپنی جدائی کے دکھڑے اور ہمیشہ کے لیے ایک بندھن میں بندھ جانے کے پروگرام بتاتے رہے ہائے اللہ! چار بج گئے...... چار بج گئے...... کب؟ فیضان چونک گیا۔

ابھی ابھی...... تم نے گھڑیال کی آواز نہیں سنی شاید نہیں تو...... اچھا...... فیضان افسردگی سے بولا...... اچھا اب میں چلتی ہوں تم بھی جاؤ امی فجر کی نماز پڑھنے کے لیے بس اٹھنے ہی والی ہوں گی۔ وہ نماز سے کچھ دیر پہلے اٹھ کر نفل پڑھتی ہیں پھر میرا کیا ہوگا...... فیضان جیسے رو کر بولا جب کہ مریم نے بڑے درد کے ساتھ کہا...... اور میرا کیا ہوگا...... کبھی تم نے یہ سوچا ......

تمہاری سوچوں سے فرصت ملے گی تو کچھ اور سوچوں گا...... اچھا ٹھیک ہے بابا......

کہاں...... فیضان بے بسی سے کراہ کر بولا...... اپنے گھر جانے کی سوچو...... وہاں جانے کے لیے اٹھو...... جلدی کرو ......کوئی اُٹھ گیا تو ہنگامہ ہو جائے گا۔ اچھا...... خود ہی بلاتی ہو اور خود ہی جانے کے لیے کہتی ہو...... تمہارا ابھی جواب نہیں...... فیضان تھکے تھکے انداز میں اٹھا اور باہر کی طرف مڑا تو وہ بھی اس کے ساتھ اٹھی اور ٹیرس کے دروازے کو لاک کرنے لگی...... پھر وہ زینے سے نیچے اترنے لگے...... فیضان نے مریم کا ہاتھ تھام رکھا تھا دونوں کا دل چاہ رہا تھا ...... کہ وہ زندگی بھر یہاں سے نہ جائیں...... وقت تھم جائے...... دونوں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے...... نیچے آ کر فیضان بھرائی آواز میں بولا...... اب کب آؤں...... روز روز نہیں...... مریم بولی...... سب کو شک ہو جائے گا...... اور وہ جھٹ سے بول پڑا...... پھر......؟ اوکے اب جاؤ میں تمہیں Call کر کے بتا دوں گی...... مریم بولی اس کی آواز

بھی بھرا رہی تھی ......لیکن تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اپنے بابا سے بات ضرور کرو گے......تم اپنے بابا اور دادا جان کے درمیان غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش ضرور کرو گے۔ اگر تم لوگ پھر سے یہاں آ جاؤ تو کتنا اچھا ہوگا...... ہاں وہ جیسے بڑی مشکل سے بولا ہو......اور پھر وہ ایک دوسرے سے اپنے اپنے سینے پہ پتھر کی بھاری سل رکھ کر الگ ہو گئے ...... فیضان نے مریم کا ہاتھ تھام رکھا تھا دونوں لڑکھڑاتے قدموں سے ایک دوسرے سے دور جا رہے تھے......مریم کا ہاتھ آہستہ آہستہ فیضان کے ہاتھ سے پھسل رہا تھا...... فیضان کی حالت مریم سے اور مریم کی حالت فیضان سے زیادہ غیر تھی۔

مجھے اپنی ذات کے اندر آنے تو دو
بوجھل پلکوں کا کچھ بوجھ تو ہلکا کرنے دو
یہ جو آپ چھلک جاتی ہیں۔
ان آنکھوں میں
محبت کی تاثیر تو بھرنے دو
مجھے اپنی ذات کے اندر
اترنے تو دو......

مریم کے بڑے بھائی حسن علی نے حقارت اور غصہ سے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا...... مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی ہو......تو اس بذات فیضان سے اب بھی ملتی ہے نا......

مریم جو سر جھکائے بیٹھی تھی...... یکدم سے بول پڑی یہ تم سے کس نے کہا ہے......؟ تمہیں ضرور کسی نے میرے خلاف بڑکھایا ہے......

میں خدا کی قسم بہت بُرا آدمی ہوں...... حسن علی غصے سے تیز آواز میں بولا کاٹ کر پھینک دوں گا میں تجھے کتوں کے آگے ...... اتنے میں حمید صاحب اور ان کی اہلیہ آسیہ بھی وہاں آ گئیں...... بھائی مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔ امی جی آپ انہیں سمجھا لو...... یہ ہر دم میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں......ان دونوں کو دیکھتے ہی مریم ایک جھٹکے سے اٹھی اور ماں کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی......اور روتے ہوئے بولی بھائی کو سمجھا لیں بابا ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی۔ بات کیا ہے ......؟ حمید صاحب بیٹے سے مخاطب ہوئے......

یہ اب بھی اس کمینے سے ملتی ہے بابا......اور مریم بھپر گئی...... یہ تم سے کس نے کہا ہے کہ میں اس سے ملتی ہوں......وہ

صاف مکر گئی اور اپنے باپ کے شانے سے سر لگا کر رونے لگی...... روتے روتے بولی...... بھائی کو آپ سمجھا لو بابا یہ 24 گھنٹے میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں...... جب دیکھو پوچھ گچھ...... ڈانٹ پھٹکار...... یہ میں برداشت نہیں کر سکتی میرا سانس لینا دوبھر کر دیا ہے اس نے غصے سے بھائی کو دیکھا......

حمید اپنی بیٹی کا سر تھپکتے ہوئے حسن علیکی طرف متوجہ ہوئے...... کیوں صاحبزادے! کیا یہ سچ ہے...... یہ ہماری عزت نیلام کروائے گی بابا...... حسن علینفرت اور غصے سے بولا...... اور آپ بھی کمال کرتے ہو...... بابا آپ کے لاڈ پیار نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے یہ اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آتی ہے......

لیکن تم کون ہوتے ہو اسے روک ٹوک کرنے والے حسن علی سے یہ سن کر ایک پل کے لیے کچھ بولا ہی نہیں گیا حسن علی کی ماں نے اپنے شوہر کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے گرج کر کہا...... ایک بھائی سے پوچھتے ہو کہ تم کون ہوتے ہو...... یہ تمہاری لاڈلی اپنی عزت کی پرواہ نہیں کرے گی تو کیا بھائی چپ رہے گا...... پھر وہ مریم کی طرف گھومی اور غصے سے بولیں...... تو نصیبوں جلی تو ایسے کام ہی ایسی کیوں کرتی ہے۔ کہ کسی کو بولنا پڑے تو حرکتیں ہی ایسی کرتی ہے...... کہ تیرے اوپر شک جاتا ہے...... نہ تو کوئی ایسا موقع آنے دے نہ تجھے باتیں سننے کو ملیں...... اس روز اتنا بڑا جھگڑا تیری ہی وجہ سے تو ہوا تھا...... سارے خاندان والے تھوتھو کر رہے تھے ہم پر...... وہ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی مریم کی طرف کرتے ہوئے غصے سے بولیں خبردار جو اب تو اس منحوس فیضان سے ملی...... اگر مجھے پتہ لگ گیا تو میں خود تیری بوٹی بوٹی کروں گی ایسا کچھ بھی نہیں ہے...... مریم دل ہی دل میں ڈرتے ہوئے بے خوفی سے بولی......

میں اسے ملنے نہیں گئی تھی......

بیٹا جی تمہیں ان باتوں کا دھیان رکھنا چاہیے...... اس کے بابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا...... اسی لیے تو دھیان رکھنے کو کہہ رہا ہوں بابا...... حسن علی بے اختیار بولا...... یہ ہم لوگوں کی عزت ہے...... اچھا ٹھیک ہے...... پر ہر دم اس کے پیچھے نہ پڑا کر آخر یہ تیری بہن ہے......

بڑا آیا میری عزت کا رکھوالا بن کر مریم دھیرے سے بڑبڑائی...... پھر غصے سے بولی...... ہاں...... ہاں جیسے مجھے خود اپنی عزت کا خیال نہیں...... ہاں بیٹی...... حمید صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو خود سمجھدار ہے...... بیٹی تمہیں اپنی عزت کا خود دھیان رکھنا ہے......

اور پھر وہ حسن علی کی طرف متوجہ ہوئے...... تم جاؤ ورنہ دیر ہو جائے گی تمہیں...... اور حسن علی بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

مریم اپنی کزن صدف کے ساتھ قریبی پارک میں واک کر رہی تھی...... یہ پارک ان کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر تھا ......اکثر شام کو وہ اپنی کزنز کے ساتھ وہاں آجایا کرتی تھی...... ننگے پاؤں گھاس پر چلنا اسے ہمیشہ سے پسند تھا......آج بھی وہ دھیرے دھیرے گنگناتی واک کر رہی تھی ارد گرد خوبصورت موسمی پھول کھلے ہوئے تھے وہ پھولوں کو ہاتھ سے چھوتی ان کی خوشبو کو گہرے سانس کے ساتھ اپنے اندر اتارتی چلی جا رہی تھی...... چند ایک پھول توڑ کر اس نے ڈوپٹے کے پلو میں رکھے ہوئے تھے......مریم ایک بات پوچھوں......سچ بتاؤ گی...... اس کے کزن صدف بولی اسکے کے لہجے میں شرارت تھی بول کیا پوچھنا ہے تجھے......؟

کبھی آتا ہے وہ......؟

کون......؟ مریم حیرانگی سے بولی......وہی صدف نے وہی پر زور دیا......

وہی کون......؟ مریم نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا......

تیرے دل کا قرار......صدف مسکرا کر بولی......

تمہیں بڑی فکر ہے اس کی...... مریم پھولوں کی مہک اپنی سانسوں میں بساتے ہوئے بولی......ہو گی نہیں کیا؟ صدف مسکرائی......تیری آنکھوں کا کاجل ہے ناوہ......

پھر......؟ پھر یہ کہ ملاقات تو ہوتی ہے نا...... تجھے بہت فکر ہے ہماری...... مریم چڑ کر بولی......تو کیا نہیں ہونی چاہیے......آخر تو میری بہن ہے اور وہ تیرا دیوانہ......

ہاں......مریم شرماتے ہوئے بولی......

کیا ہاں؟ صدف نے مڑ کر دیکھا......ملاقات ہوتی ہے......

اور یہ سن کر صدف کے ہاتھ سے سارے پھول چھوٹ کر نیچے گر پڑے......وہ ہکلاتے ہوئے بولی......ملتی ہو تم اس سے پر کہاں......؟

خوابوں میں......مریم مزے سے بولی......

اور یہ سن کر صدف کے دل کو جیسے سکون مل گیا......ایک گہرے سانس لے کر وہ بولی......میں خوابوں کی بات نہیں کر رہی......اب تو خوابوں کی باتیں رہ گئیں ہیں......مریم اداسی سے بولی......اور صدف کا دل چاہا کہ وہ ایک بار کہہ دے کہ اچھا ہوا......لیکن وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے سنبھل کر بولی......

مجھے تم سے ہمدردی ہے مریم......!

حالانکہ اسے اپنی کزن مریم سے اس سلسلے میں کوئی ہمدردی اس لیے نہیں تھی...... کہ وہ دل ہی دل میں خود فیضان سے پیار کرتی تھی...... یہ اور بات ہے کہ فیضان اس کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا...... اور اسے اس بات سے حسد محسوس ہوتا تھا کہ فیضان مریم سے پیار کرتا ہے......

چلتے چلتے ایک جگہ رک کر صدف نے پھر مریم سے پوچھا...... یاد تو وہ تمہیں آتا ہوگا......

یاد آئے یا نہ آئے...... مریم ڈالی سے ٹوٹی کلیاں اکٹھی کرتے ہوئے بولی...... اب اس بات سے کیا فائدہ...... مریم کو بھی اپنی اس کزن کے دل کا چور معلوم تھا...... اس لیے وہ کبھی کھل کر اپنے دل کی بات اس سے نہیں کرتی تھی...... وہ جانتی تھی صدف فیضان کے معاملے میں کبھی اس کے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتی......

لہٰذا صدف کو یہ مختصر سا اُکھڑا اُکھڑا سا جواب دے کر مریم پھر پھولوں کی طرف متوجہ ہو گئی...... اتنے میں پارک کی انتظامیہ میں سے ایک نوجوان وہاں آ گیا...... وہ پارک میں سے پھول توڑنے پر وہاں موجود لوگوں کو روک رہا تھا...... اس نے مریم کو دیکھا تو ڈانٹا...... اے لڑکی......

اور مریم اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی وہ خود بھی ایک جوان لڑکا تھا...... اور اپنے پہلو میں ایک دھڑکتا دل رکھتا تھا...... اس خوبصورت البیلی لڑکی کو دیکھتا رہ گیا...... اور "اے لڑکی" کے بعد وہ سارے ڈانٹ ڈپٹ کے جملے بھول گیا...... وہ مریم سے مرعوب ہو چکا تھا......

مریم بیزاری سے بولی...... بولو...... کیا کہنا ہے آپکو اب یہ کچھ نہیں بولے گا...... صدف دھیرے سے بولی اسکی بولتی تجھے دیکھ کر بند ہو گئی ہے۔

مریم نے غصے سے صدف کو دیکھا...... اس دوران وہ اپنے ہوش و حواس پر قابو پا چکا تھا...... پارک میں پھول توڑنا منع ہیں...... وہ نرم لہجے میں بولا اور اگر ہم توڑ لیں تو......؟

اس بات پر وہ اور زیادہ بوکھلا کر بولا پارک میں پھول توڑنے پر جرمانہ ہے۔

اور کس کس چیز پر جرمانہ ہے...... مریم بولی...... سب ایک ساتھ ہی بتا دو!

اس پر وہ سنبھل کر اپنا ڈنڈا بجاتے ہوئے بولا زیادہ بک بک کرو گی تو اندر بند کر دوں گا...... ہاں یہ دھمکی تو تم انہیں دو جو تیری دھمکیوں سے ڈرتے ہیں...... مریم بے خوفی سے بولی تمہیں ڈر نہیں لگتا وہ بے ساختہ بولا......؟

مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے...... وہاں آرام سے کھانا تو روز ملا کرے گا یہ روٹی ہی تو ہے جو تمہیں ڈنڈا بجانے پر مجبور کر رہی ہے...... مریم بڑے اطمینان سے بولی...... بڑی سمجھدار ہو تم......

اچھا چلو جو پھول توڑ لیے ہیں۔ لے کر جلدی جلدی یہاں سے چلی جاؤ...... ورنہ صاحب لوگ مجھ پر خفا ہوں گے......

ان بڑے صاحبوں نے ہی تو اس ملک پر اتنی بڑی گڑ بڑ مچا رکھی ہے...... مریم نے کہا اور پھر بڑے انہماک سے پھول اکھٹے کرنے لگی......

اور وہ اسے غور سے دیکھتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ پھولوں کا گل دستہ بنا کر جیسے ہی وہ واپسی کے لیے مڑی...... تو یاسر ایک دم اس کے سامنے آ گیا یاسر اس کی پھپھو کا بیٹا تھا...... اور ان کے گھر کے قریب ہی اس کا گھر تھا...... ایک نمبر کا آوارہ اور مغرور...... وہ مریم کے سامنے اکڑ کر کھڑا ہو گیا اس کے خوبصورت چہرے کو تکتے ہوئے بولا تم نے میرا سکون چھین لیا ہے مریم...... مریم نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا...... اور حیرانگی سے بولی...... میں نے تمہارا سکون چھین لیا ہے وہ کیسے......؟ دل چیر کر دکھاؤں......؟

اور یاسر کے منہ سے یہ لفظ سن کر وہ حیران رہ گئی...... بوکھلا کر بولی......

تمہارا دماغ خراب ہے کیا......

دماغ تو تم نے ایک عرصے سے خراب کر دیا ہے میرا تیرے رنگ روپ کا نشہ چھایا ہے مجھ پر...... مریم اسے قہر آلود نظروں سے دیکھ کر بولی تم ہوش میں تو ہو......

نہیں...... وہ شرارتاً مسکراتے ہوئے بولا...... ہوش تو تمہیں دیکھتے ہی گم جاتے ہیں

اے...... وہ تڑپ کر پلٹی...... میرا نام مریم ہے۔

مجھے معلوم ہے...... وہ لاپروائی سے بولا...... بہت پیار کرتا ہوں تم سے......

ارے جا...... جا بڑا آیا مجھ سے پیار کرنے والا...... صورت دیکھی ہے کبھی آئینے میں...... مریم کا پارہ ہائی ہو گیا...... باز آ جاء اپنی حرکتوں سے ورنہ ایسا مزہ چھکاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ یاسر نے سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر اسے دور پھینکتے ہوئے شرارتاً مسکرایا...... اور بولا

ایک دفعہ مزہ چھکا دے نا!...... اس مزے کے خواب تو میں کب سے دیکھ رہا ہوں...... مجھے بھی مزہ آ جائے گا اور تجھے بھی...... میں خدا کی قسم کسی سے کم نہیں ہوں...... میری جان......!

اور مریم اس کی اس حد سے زیادہ بڑھتی ہوئی بکواس پر تڑپ کر رہ گئی...... دکھ اور غصے کے آنسو اس کی آنکھوں میں چھلک آئے...... وہ آنسوؤں کی آمیزش لیے ہوئے لہجے میں بولی...... میں ابھی جا کر بابا سے یہ سب باتیں کہتی ہوں۔

آنسو اس کے گالوں پہ بہہ نکلے...... اور وہ اس کے آنسو دیکھ کر وہاں سے کھسک گیا...... اس کی ساری سہیلیاں واک ختم

کر کے تھکاوٹ دور کرنے کے لیے اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں......

اب مجھے سمجھ آ رہا ہے...... کہ اس نے میرے فیضان کو یہاں سے کیوں نکلوایا ہے...... اس کی اپنی نیت خراب ہے...... وہ ایک ہاتھ سے گالوں پر آئے آنسو صاف کرتے ہوئے بڑبڑائی...... میں دیکھ لوں گی تمہیں...... اور پھر وہ جلدی جلدی اپنی سہلیوں کی طرف چل دی......

پلکوں پہ رکھے تھے

جو خوشیوں کے لیے

خواب بھیگنے لگے ہیں۔

آنکھوں کی بارش میں......

فیضان اپنے بابا کو تنہا بیٹھے دیکھ کر ان کے قریب بیٹھ گیا...... کچھ دیر خاموشی سے اپنے بابا کا جائزہ لیتا رہا...... وہ بالوں میں انگلیاں چلاتے کچھ سوچ رہے تھے۔

رف سا حلیہ، بکھرے بال...... پریشانی ان کے انداز سے چھلک رہی تھی فیضان نے کھانس کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا...... پھر بولا...... ایک بات کہوں بابا...... ہوں! کیا بات ہے بابا نے اسی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے دھیرے سے کہا......

یہاں اس جگہ اس گھر میں وہ سکون وہ اپنا نیت نہیں ہے نا! بابا جو اُدھر اپنے گھر میں تھی...... جانتا ہوں بیٹے...... مجھے احساس ہے، پھر جو کچھ بھی ہو...... ہمیں اب یہیں رہنا ہے...... ہم اپنے گھر واپس چلے جائیں تو...... وہاں اب گھسنے کون دے گا ہمیں......

بابا...... آپ ایک بار دادا جان سے ملو تو سہی فیضان نے بے قراری سے بابا کا ہاتھ تھام کر بات کی...... مجھے یقین ہے وہ ہمیں معاف کر دیں گے...... وہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ پاشا وہ ہمیں وہاں آنے نہیں دے گا...... اب تک تو وہ ابا جان کو میرے خلاف بھڑکا چکا ہوگا......

دادا جان آج بھی آپ کو یاد کرتے ہیں...... تجھے کیسے پتہ چلا...... شفیق صاحب نے بے اختیار بیٹے کو دیکھا۔ کیا تم پھر ادھر گئے تھے؟ نہیں بابا...... اس نے جواب دیا...... وہ میرا دوست ہے نا! احمد اس نے کہا تھا مجھے...... کہ دادا جان شفیق چاچو کو بہت یاد کرتے ہیں۔ وہ ایک پل کو سوچ میں پڑ گئے...... فیضان دونوں ہاتھ کانوں کو لگا کر بولا نہیں بابا...... قسم لے لو...... جواب کوئی بات ہو فیضان نے بے اختیار دونوں کان پکڑ لیے......

پہلے ہی سب نے مجھ پر غلط الزام لگائے تھے......؟ اچھا...... کل میں ادھر ضرور جاؤں گا...... شفیق نے اس کے کندھے

پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا اور مسکرا کر بولے......اور فیضان کو ایسا لگا جیسے یہ لفظ ادا کر کے اس کے باپ نے اسے سب کچھ دے دیا ہو...... بابا اٹھ کر باہر چلے گئے اور وہ مریم کے خوش کن خیالوں میں کھو گیا...... نہ جانے وہ کتنی دیر بیٹھا مریم کے تصور سے باتیں کرتا رہا...... کہ اتنے میں اس کی بہن حنا اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی...... کیا سوچ رہے ہو بھائی! اور وہ چونک گیا اپنے قریب بیٹھی حنا کو بڑے غور سے دیکھا...... پھر ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولا! کچھ نہیں حنا یہ کیسے ہو سکتا ہے...... کچھ نہ کچھ تو سوچ رہے تھے...... ہاں وہ مسکرایا سوچ تو رہا ہوں...... وہ شرارت سے مسکرایا کیا......؟ حنا بے تابی سے بولی......سوچ رہا ہوں اب تم بڑی ہو گئی ہو......اس نے رک کر شرارت سے ایک نظر حنا پر ڈالی اور بولا......تمہارے لیے ایک پیارا سا دولہا ڈھونڈنا پڑے گا...... پھر تمہاری شادی ہو جائے گی......

اور یہ سن کر حنا کے گال شرم سے سرخ ہو گئے......اور اس نے سر جھکا لیا......وہ اس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھ کر بولا

کیوں شرما گئی کیا......

بھائی آپ بھی نا بس......وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اندر بھاگ گئی......

پاگل......!

اور ایک بار پھر وہ مریم کے خیالوں میں گم ہو گیا۔

ہم تمہیں یاد کرتے ہیں......

تیری باتوں سے اس دل کو شاد کرتے ہیں۔

کبھی دل کے آئینے میں تمہیں سجاتے ہیں۔

کبھی پلکوں کی چھاؤں میں تمہیں بیٹھاتے ہیں

کبھی خوابیدہ شاموں میں

کبھی بارش کی راتوں میں......

تمہارے پیار سے اس دل کو بہلاتے ہیں۔

ہم تمہیں یاد کرتے ہیں......

آج کی رات عبداللہ خان کے گھر والوں کے لیے بڑی مسرت اور شادمانیوں کی رات تھی بات دراصل یہ تھی...... کہ دادا جان اپنے بیٹے حمید......بیٹی انیسہ اور ان کی فیملی کو رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں بلایا تھا......

ساتھ ہی دادا جان نے اپنے بھائی کے بیٹے اور پوتے کو بھی انوائیٹ کیا تھا...... جو اسی کالونی میں رہتے تھی......

آج کی محفل میں یہ مسئلہ زیر بحث آنے والا تھا کہ فیضان کے والد شفیق کو واپس بلا لیا جائے کہ نہیں، شفیق نے اپنے والد کو پیغام بھجوایا تھا کہ وہ انتہائی شرمندہ ہیں اور واپس آنا چاہیے ہیں دادا جان کی بھی یہی خواہش تھی کی شفیق واپس آ جائے شفیق ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھے اسی لیے وہ ان کے دل کے زیادہ قریب تھے......

لیکن چند ایک وجوہات کی بنا پر وہ ان سے خفا تھے...... اور شفیق بھی اسے اپنی بے عزتی تصور کرتے ہوئے شدت جذبات میں گھر چھوڑ چکے تھے...... لیکن جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو احساس ہوا کہ ان سے بہت بڑی غلطی ہو چکی ہے۔......

سو اپنی فیملی کے ساتھ ایک کرایہ کا گھر لے کر رہنے لگے...... شفیق کے پہل کرنے پر کہ وہ گھر واپس آنا چاہتے ہیں۔ جب کہ دادا جان بھی دل سے چاہتے تھے کہ شفیق خوشی واپس گھر آ جائے...... دراصل دادا جان شفیق سے بہت پیار کرتے تھے ......اور ان کے جانے کے بعد دادا جان بیمار ہو گئے تھے...... انہیں ہر پل شفیق کی یاد ستاتی تھی...... اسی لیے وہ دل سے چاہتے تھے کہ دونوں بیٹوں کے درمیان غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور وہ گھر واپس آ جائیں......

جب کہ یاسر جو دادا جان کا نواسہ تھا...... ان کے گھر کے قریب ہی ان کا گھر تھا مگر وہ سارا دن اپنے نانا کے گھر میں ہی رہتا تھا...... وہ نہیں چاہتا تھا کہ فیضان واپس اس گھر میں لوٹ کر آئے...... وہ اپنے اور مریم کے درمیان فیضان کو ایک کانٹا سمجھتا تھا......اور مریم کے والدین وہ بھی یہ دل سے نہیں چاہتے تھے کہ شفیق کی فیملی واپس آئے...... کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ فیضان ان کی بیٹی کو واپس آ کر پھر اپنی محبت کے جال میں پھانسنا شروع کر دے گا...... اس لیے وہ فیضان کا مریم سے دور رہنا ہی پسند کرتے تھے......

اور تیسرا فرد پاشا...... جو نہیں چاہتا تھا کہ شفیق چاچو اپنے خاندان کے سمیت واپس آ جائیں...... پاشا دادا جان کے بھائی کا پوتا تھا...... جو ان کے گھر سے کچھ دور ہی رہتا تھا...... اور اس کی رال بھی مریم پر ٹپک رہی تھی...... اور وہ فیضان اور مریم کا ایک جگہ رہنا پسند نہیں کرتا تھا...... گویا کہ کبھی شفیق چاچو کے واپس آنے سے خوش نہیں تھے......

لیکن مشکل یہ تھی...... کہ وہ دادا جان کے آگے بول بھی نہیں سکتے تھے...... وہ سب کے سب مجبور تھے...... اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے دادا جان کا رُعب ان سب پر تھا...... اور وہ دادا جان کے سامنے دم نہیں مار سکتے تھے...... دادا جان کے کمرے میں سب لوگ جمع تھے...... انہوں نے ایک نظر سب کی طرف ڈالی...... اور بولے میں نے آپ سب لوگوں کو جس مقصد کے لیے ادھر جمع کیا ہے وہ یہ کہ شفیق واپس آنا چاہتا ہے......

اس کا جرم اتنا بڑا بھی نہیں کہ اسے معاف نہ کیا جائے لڑائی کس گھر میں نہیں ہوتی...... مگر خدا نہ کرے اس نے کوئی قتل تو

نہیں کیا...... بھائیوں کے درمیان اختلاف ہیں...... وہ مل بیٹھ کر ختم بھی ہو سکتے ہیں...... میں اپنی مرضی سے اسے واپس آنے کی اجازت دے دیتا...... پر جیسا تم لوگوں کو پتہ ہے میں سب کی رائے لیئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا...... اسی لیے تم سب کو بلایا ہے...... اس کے بعد دادا جان سب کی طرف ان نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اگر کسی نے شفیق کو یہاں بلانے کی مخالفت کی تو میں سب کے سر توڑ ڈالوں گا...... جان سے ماردوں گا میں تم سبھوں کو......

اب تم لوگ آزادی سے اپنی رائے دو...... کہ ہم شفیق کو اجازت دیں یا نہیں......

خدا کی قسم کسی پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہے۔ کسی کی خوشامد نہیں کروں گا...... اور نہ کسی کو آزادی سے بولنے اور رائے دینے سے منع کروں گا...... اور نہ کسی پر زور ہے کہ جو میں کہوں وہ کرو...... تم لوگ خود فیصلہ کرو...... کہ شفیق کو یہاں آنا چاہیے یا نہیں...... انہوں نے کسی کے بولنے سے پہلے سب کی طرف دیکھ کر کہا......

اچانک ایک طرف سے آواز آئی...... وہ یہاں نہیں آسکتے...... دادا جان نے غصے سے یاسر کی طرف دیکھا...... جو بڑے اطمینان سے بیٹھا ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا......

کیا بک رہے ہو تم......! دادا جان نے غصے سے یاسر کو دیکھا...... مگر یاسر اپنے نانا جان کی اس گھن گرج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑے اطمینان سے بولا...... غصہ کیوں کر رہے ہیں آپ آزادی سے بولنے کا حق تو آپ نے خود دیا ہے

......

نواسے کے منہ سے یہ جواب سن کر دادا جان کے غصے کا پارہ اور چڑھ گیا...... گرج کر بولے...... تمہیں بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا...... میرے آگے بولتے ہو...... بدذات...... وہ غصے سے لرزتے ہوئے لڑکھڑائے تو بڑے بیٹے حمید نے بڑھ کر انہیں تھام لیا...... سہارا دے کر قریب رکھے صوفے پر بیٹھایا اور بولے...... اب جانے بھی دیں ابا جی آپ بس وہی کریں جو آپ کا دل کہتا ہے۔ ہم سب آپ کے فیصلے کے ساتھ ہیں...... ہاں...... ہاں...... کئی آوازیں آئیں ہم آپ کے فیصلہ کا احترام کریں گے......

ہمیں آپ کی ہر بات منظور ہے دادا جان کا غصہ یہ سب سن کر ٹھنڈا ہو گیا...... پھر بڑے اطمینان سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ انیسہ سے مخاطب ہوئے! لگتا ہے تمہارے گھر شیطان نے جنم لیا ہے...... کبھی کبھی کسی برے انسان کے گھر نیک اور کبھی کسی نیک انسان کے گھر شیطان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ دادا جان نے ترچھی نظروں سے یاسر کا جائزہ لیا اور دھیرے سے بڑبڑاتے...... نالائق...... گدھا...... مریم کے والد حمید ڈرتے ڈرتے بولے ایک بات ہے ابا جی! کہو کیا کہنا چاہتے ہو...... شفیق کے بیٹے فیضان کا میں اپنی بیٹی مریم سے ملنا جلنا بالکل پسند نہیں کرتا......

حمید دھیرے سے بولے...... ہوں...... ! دادا جان نے ٹھنڈی سانس لی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے...... ہاں یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... خیر میں شفیق کو سمجھا دوں گا...... کہ وہ اپنے بیٹے پر نظر رکھے...... انشاءاللہ وہ کبھی مریم کو تنگ نہیں کرے گا......

اور پھر دادا جان نے پاشا سے جو بڑا بیزار بیزار سا بیٹھا تھا پوچھا...... !تم کیوں چپ چپ سے بیٹھے ہو...... کچھ تو بولو...... پاشا جو کہ 35-30 سال کا ایک سانولا سا مرد تھا...... ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا...... ہمیں آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے دادا جان پر شفیق چاچو کا بیٹا ہے نا فیضان وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا...... اور میں آپ کو بتا دوں کہ ہم عزت دار لوگ ہیں...... دوسروں کی عزت کرتے بھی ہیں۔ اور کروانا بھی جانتے ہیں...... ہم سب سچے اور شریف لوگ ہیں...... اور یہ فیضان بڑا کمینہ ہے...... وہ اپنی کمینگی ضرور دکھائے گا اور محلے والے پھر سے شکایت لے کر آجائیں گے۔ کہ فیضان لڑکیوں کو تاکتا جھانکتا ہے...... نہیں نہیں پاشا بھائی...... شفیق چاچو کا دوست جوان کا پیغام لے کر آیا تھا...... گھبرا کر بولا ......اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی...... اگر فیضان کی طرف سے پھر کوئی شکایت ہوئی تو جو سزا دو گے مجھے منظور ہوگی......

ہاں دادا جان بولے اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی...... اور پھر یہ معاملہ طے ہو گیا...... کہ کل صبح شفیق کو لے آئیں گے ......یہ فریضہ دادا جان نے اپنے بڑے بیٹے حمید کو سونپ دیا......

اگلی صبح شفیق واپس آگئے...... ایک بار پھر گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہ ایک سال کے بعد آئے تھے...... سب سے گلے ملے...... مگر دل کی پیاس پھر بھی نہیں بجھی...... ایک ایک سے کئی بار ملتے...... اور پھر خود ہی شرمندہ ہو جاتے...... کچن سے خوشبودار کھانوں کی مہک پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی سب خوش گپیوں میں مصروف تھے بڑے ایک جگہ بیٹھے حالات حاضرہ اور مہنگائی پر باتیں کر رہے تھے...... جبکہ نوجوان پارٹی الگ اپنے اپنے مسائل کو حل کرنے اور نوک جھوک میں مصروف تھی۔ بچے کھیل کود میں مصروف تھے......

یاسر البتہ کسی محفل میں شریک نہیں ہوا...... وہ لاؤنج کے ایک کونے میں بیٹھا سب کی طرف دیکھ رہا تھا...... اور مریم خوشی اس کے انگ انگ سے چھلک رہی تھی...... اس کے دل کی سب سے بڑی مراد پوری ہو گئی تھی...... وہ کل رات سے اس خوشی میں کہ اس کا فیضان پھر سے اس گھر میں لوٹ آئے گا...... سو نہیں سکی تھی وہ رات بھر اپنے فیضان کے تصورات میں کھوئی رہی اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا......

اے پچھلے پہر کے تارو
جب تمہیں میں دیکھتی ہوں

تو بے ساختہ
میری آنکھیں
میرے آنسو
تمہیں پکارنے لگتے ہیں......
اور سر سجدے میں جھک جاتا ہے......
کیونکہ میں نے سنا ہے......
پچھلے پہر مانگی ہوئی دعا
شرف قبولیت پاتی ہے......

شفیق چاچو کے واپس آنے کی تین ہستیوں کو بے حد خوشی تھی...... شفیق کے والد یعنی دادا جان دوسری مریم اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس کا محبوب واپس آ گیا تھا...... اسے فیضان کے بغیر زندگی میں کچھ اچھا نہیں لگتا تھا...... اور تیسری صدف خوش تھی...... محض اس خیال سے کہ فیضان اگر اسے لفٹ نہیں کرواتا تو کیا ہوا...... کم از کم وہ اپنے پیار کا روز دیدار تو کر لیا کرے گی...... اور اپنے لیے وہ یہی بہت سمجھتی تھی......

شفیق صاحب نے واپس آنے سے پہلے اپنے بیٹے فیضان سے بات کی تھی انہوں نے فیضان سے کہا تھا...... دیکھو بیٹا......! ہمیں واپس آنے کی اجازت تو مل گئی ہے لیکن بابا جان کی ایک شرط ہے...... اور فیضان خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے بے خیالی میں بولا...... کیسی شرط بابا......!

شرط یہ ہے کہ تم وہاں کسی کو تنگ نہیں کرو گے اور خاص طور پر مریم کو...... تجھے اس سے زیادہ بات چیت کرنے یا ملنے کی کوئی ضرورت نہیں...... میں نے بابا جان سے وعدہ کیا ہے...... کہ تو مریم سے کوئی رابطہ نہیں رکھے گا......

ٹھیک ہے بابا...... فیضان بے بسی سے بولا...... کیا ٹھیک ہے...... شفیق نے حیرانگی سے پوچھا میں ادھر کسی لڑکی سے بات نہیں کروں گا۔ کسی لڑکی سے نہیں، بیٹا جی...... خاص طور پر مریم سے بالکل بھی بات نہیں کرنی......

سمجھ گیا بابا...... کیا سمجھا......؟
میں مریم سے نہیں ملوں گا......

ہاں اس بات کا دھیان رکھنا...... ورنہ بڑی بدنامی ہو گی...... شفیق نے بیٹے کا اداس چہرہ دیکھ کر دھیرے سے اس کے کندھے کو چھو کر کہا......

ان کی تجربے کار آنکھیں فیضان اور مریم کے بے لوث پیار کو سمجھتی تھیں......لیکن وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے......
ان کے بڑے بھائی یعنی مریم کے والد اس رشتے کے خلاف تھے......

اس رات دادا جان اپنے بیٹے شفیق سے رات دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے......آخر سب آہستہ آہستہ اپنے کمروں میں آرام کرنے چلے گئے......تو دادا جان بھی انہیں سو جانے کا کہہ کر اٹھ گئے......

اگلی صبح فیضان سب سے پہلے اٹھ گیا......وہ صبح سویرے اس لیے اٹھا تھا......کہ اگر مریم بھی اتنی جلدی سو کر اٹھ گئی تو وہ اس سے اگر ممکن ہوا تو دو چار باتیں ہی کر لے گا......

کل سے وہ صرف دور ہی سے مریم کو دیکھ سکا تھا......بابا کی نظریں مسلسل فیضان پر تھیں......جیسے یہ وہ مریم کو پکارنے یا اس کی طرف اٹھ کر جانے کی کوشش کرتا......بابا کھانس کر اسے ٹوک دیتے اور وہ بے بسی سے سر جھکا کر بیٹھ جاتا......

فیضان جیسے ہی اپنی آنکھیں ملتا ہوا کمرے سے باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ آسمان پر تارے ابھی جھلملا رہے ہیں......
اور مریم اس کے بیڈروم کی کھڑکی کے سامنے لان میں کچھ ہی دور درخت سے ٹیک لگائے کھڑی ہے......

جب رات کی رانی مہکتی ہے
رگ رگ میں پیار اُمڈتا ہے
جب چاند کی چاندنی چھلکتی ہے
سب جذبوں پر چھا جاتے ہو......
تم یاد بہت آتے ہو......

مریم کو اس طرح اپنے انتظار میں کھڑا دیکھ کر فیضان خوشی سے دیوانہ ہو گیا......مریم بھی اس سے پہلے اٹھ گئی اور اب اس کے انتظار میں اس کے روم کے باہر کھڑی تھی......فیضان سوچنے لگا......کہ مریم اُس سے بھی زیادہ اس سے پیار کرتی ہے......پیار میں اُس کا رتبہ کتنا اونچا ہے......اس سے بھی اونچا وہ مریم کو جتنا چاہتا ہے مریم اس سے بھی کہیں زیادہ اسے پیار کرتی ہے......جبھی تو لڑکی ہوتے ہوئے بھی محبت میں پہل کرتے ہوئے اس کے انتظار میں اتنی صبح سے آ کر کھڑی ہو گئی ہے۔

وہ بے قراری سے مریم کی طرف لپکا......اس وقت وہ اپنے باپ سے کیا ہوا وعدہ بھی بھول چکا تھا......وہ اپنے دل میں پیار کا طوفان لیے ہوئے مریم کے بالکل قریب جا کر سامنے کھڑا ہو گیا......اب کھلی تمہاری آنکھ......؟ مریم دھیرے سے بولی......ہاں وہ اس کی طرف پیار سے دیکھ کر بولا......گھوڑے گدھے بیچ کر سوئے تھے کیا......؟

☆......☆......☆

(باقی اگلے شمارے میں)

رات کے اس پہر میں چاند کی بکھری چاندنی میں ہر چیز اپنے اندر سحر زرہ خاموش اداسی لیے ہوئی تھی جیسے چاند دور آسمان پر ہزاروں ستاروں کے درمیان بھی اداس اور منفرد نظر آتا ہے۔اُسی طرح چاند ہر چیز پر اپنی چاندنی بکھیر کر اُسے اپنی اداسی کا حصہ بنالیتی ہے اس وقت پورے حسین ہاؤس میں خاموش اور اندھیرے کا راج تھا اور باہر لان چاندکی چاندنی سے روشن تھا۔لان کے ایک حصے میں ایک ٹیبل اور کچھ کرسیاں رکھی ہوئی تھی۔

آف وائٹ کلر میں نیٹ کی کلیوں والی فراک جس کے بین کالر گلے پر نہایت نفیس کام بنا ہوا تھا۔ساتھ ہی اُسی رنگ کا چوری دار پجامہ پہنے ہوئے وہ چاند کا ہی ایک حصہ لگ رہی تھی۔۔۔نگاہیں آسمان پر روشن چاند پر ہی مرکوز کیے وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔نا جانے وہ چہرہ اداس تھا یا اداس چاندکی روشنی نے اُس کے چہرے کو جفا بخشی تھی آنکھوں کے گیسوں چاندکی اُداسی پہ نم تھے یا اپنے نصیب پر۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا۔اور شازل کی بلیک ہونڈا احسن ہاؤس میں داخل ہوئی گاڑی رکی سوکین نے شازل کو گاڑی سے باہر نکلتے دیکھ لیا تھا اور جلدی سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

اس سے پہلے شازل کو دکت ہوتی سوکین کو تلاش کرنے میں وہ اُسے اپنے بائیں جانب ہی کرسی پر بیٹھی نظر آئی اُس نے وہ فاصلہ چند قدموں میں پار کرلیا تھا چند لمحوں تک وہ سوکین کو گہری نظروں سے دیکھتا رہا جو نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

شازل اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سوکین نے پلکوں کی جھالر اُٹھا کر اُسے دیکھا آنکھوں میں چھائی اداسی اور سطح نم۔۔۔شازل کا دل ڈوبا تھا وہ جتنا ہو سکے کوشش کرتا تھا۔۔ سامنے بیٹھی اُس لڑکی کو خوش رکھنے کی پر وہ ہر بار ناکام ہو جاتا تھا کتنا بے بس ہوں میں کہ چاہ کر بھی تمہاری ان آنکھوں کی اُداسی کو ختم نہیں کر پاتا وہ سوچ کر رہ گیا ہر بولا کچھ نہیں۔

وہ اب ٹیبل پر نظریں جمائے ہوئے تھی جب اُس نے دھیرے دھیرے بولنا شروع کیا۔

"میں نے مثال کو دیکھا"۔شازل تم جاننا چاہتے تھے نا میرے انکار کی اصل وجہ؟ وہ جملہ مکمل کر کے رکی اس کا جواب سننے کے لئے۔۔۔شازل کا دل زور سے دھڑکا تھا۔اُس نے کہا ہاں "مثال سے میری پہلی بار ملاقات دس سال پہلے ہوئی تھی ان دنوں میں میٹرک سے فارغ ہو جانے کے بعد شوقیا کمپیوٹر سیکھ رہی تھی اُسے میں نے پہلے کبھی وہاں نہیں دیکھا تھا وہ یقین اُس کا پہلا ہی دن تھا۔

وہ بہت خوبصورت ہے شازل اُس جیسا نا اُس سے پہلے کبھی دیکھا نا نہ اس کے بعد۔۔۔اُس سے میری دو ملاقاتیں ہی ہو پائیں تھیں۔

ان دو ملاقاتوں کے بعد آج میں نے اسے دیکھا۔۔۔ بینا کی سالگرہ میں۔

وہ چند سیکنڈ کے لئے خاموش ہونے کے بعد پھر سے بولی۔

"اُسے کھو دینے کے بعد میں نے اُسے کبھی اللہ سے نہیں مانگا کہ نا جانے وہ کہاں کھو گیا تھا۔اور وہ مجھے کیسے ملے گا لیکن ہاں اُس کے نا ہونے پر اک ادراک ہوا تھا مجھ پر اُس کی محبت کا۔

"میں ہمیشہ سوچتی تھی کیا میری زندگی میں محبت کی بارش اتنی سی لکھی گئی تھی۔

"اک رات میرا دل میں نا جانے کیا خیال آیا کہ میں اُسے اللہ سے مانگ لوں کیا پتہ وہ میری دعا قبول کر لے اور پھر میں نے اُس رات رو کر اُسے اپنے رب اسے مانگا۔اُس رات کے بعد میرے دل میں نا جانے کیسا یقین پیدا ہو گیا تھا کہ وہ جہاں بھی ہے میرا ہے وہ اک روز مجھے مل جائے گا۔۔۔

شازل جانتے ہو وہ یقین کیسا تھا۔۔۔؟ کامل تھا اپنے رب کی ذات پر اُس کی خدائی پر اُس کی قدرت پر کہ اُس کے آگے کچھ نہیں لیکن صوبیہ کہتی تھی ایسا کچھ نہیں ہوتا یہ میں نہیں مانتی تھی اور میری اسی ضد اور ہٹ دھرمی نے مجھ سے بابا اور مما کو چھین لیا۔۔۔

وہ خاموش ہوئی تو اس کی انکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔

شاہد حسین کی تین بیٹیاں تھی سب سے بڑی نائدہ تھی جو دو سال پہلے پیا دیس گھر جا چکی تھی موموں کے بڑے بیٹے ارسلان کے ہمراہ اُس کے بعد سوکین تھی جو NCA سے آرٹ میں ماسٹر کر رہی تھی سب سے چھوٹی ہادیہ تھی جو ابھی تھرڈ ایئر میں تھی نائدہ نے ابھی بی کام مکمل ہی کیا تھا کہ اُس کی شادی طے پا گئی۔

شاہد حسین کا شمار کامیاب بزنس مینوں میں ہوتا تھا جو اپنے کام اور ایمانداری کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔

شاہد حسین کو اپنی تینوں بیٹیوں سے بے حد محبت تھی اُن کا کوئی وارث نہیں تھا جس کا انہیں کبھی دکھ نہیں ہوا ان کے لئے اُن

کی بیٹیاں ہی اُن کی کل وراثت تھیں۔
شاہد کے برعکس نور جہاں کے دل میں بیٹے کی آرزو ہمیشہ رہتی اگر ایک حادثے میں شازل کے والدین خالق حقیقی سے نا جا ملے ہوتے۔اور یوں ایک اداس شام وہ شاہد حسین کا ہاتھ تھامے حسین ہاؤس کا حصہ بن گیا تھا۔
"پورے کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا"
دیوار پر لگی گھڑیال کے سوئی کی ٹک ٹک کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔
وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے اُس سحر ذرہ پل کو سوچ رہی تھی جس نے اس کی زندگی کو ہمیشہ کیلئے اپنے حصار میں قید کر لیا تھا وہ پل جو اُسے بھلائے نہیں بھلاتا تھا۔
جولائی کی 25 تاریخ دل کے کورے کاغذ پر سنہری لفظوں سے درج کر دی تھی شام کے سرمائی اُجالے میں جب میں نے اُس کو دیکھا تھا۔
یار میرے ساتھ چلو....." سوکین جو ابھی کلاس میں داخل ہی ہوئی تھی کہ ثانیہ نے اُسے جا لیا۔
کہاں ---؟---ابھی تو آئی ہوں اور چلنے کو کہہ رہی ہو" سوکین نے اپنے ٹیبل پر کمپیوٹر ایکسلز کی ٹک رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔
فیس (Free) جمع کروانی ہے جلدی کرو کلاس شروع ہو جائے گی ثانیہ نے اُس کو ہاتھ سے کھینچتے ہوئے کہا۔کلاس شروع ہونے میں ابھی کچھ ٹائم تھا سو میں اُس کے ساتھ ہوئی یہ گھر کی طرز کا بنا ہوا سینٹر تھا۔ ہماری کمپیوٹر کی کلاس میں سے ہوتا ہوا دوسری کلاس کا راستہ تھا۔
جہاں سے باہر ریسپشن کو جاتی ایک گیلری نما گلی بنتی تھی اُس گلی سے ہوتے ہوئے بائیں ہاتھ کی جانب ریسپشن آتا تھا اور گلی کا اختتام دوسری کلاس پر ہوتا تھا۔
شکر ہے آج موسم اچھا ہونے کی وجہ سے ہوائیں چل رہی ہیں---ثانیہ نے ہوا کے جھونکے سے اپنے پلو کو سمبھالتے ہوئے کہا۔ ہاں--تم بیگ میں کچھ وزنی شے ڈال کر لائی ہو؟ سوکین نے اپنی بے ساختہ آئی ہنسی کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے ثانیہ کے کمزور سے وجود پر چوٹ کی--اوے اب ایسا بھی نہیں ہے اچھا--ثانیہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا اشارہ کس جانب ہے--دونوں ہنستی ہوئی اس گلی میں داخل ہوئیں---بے خیالی میں سوکین نے سامنے دیکھا تھا نگاہیں اٹھی تھی۔اور واپس پلٹنا بھول گئیں تھی۔
اٹھتے قدم تھم گئے تھے--

آسمان سے محبت کی سورۃ مجھ پر پھونکے جانے کا حکم ہوا تھا تب ہی شاہد وقت تھم سا گیا تھا۔
نہیں شاید میرے قدموں نے میرے ذہن کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا۔۔
ثانیہ کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔کیا؟۔۔۔یاد نہیں۔۔
ہاں شاید رو کنے کی وجہ دریافت کر رہی ہوگی۔
وہ غائب ہوگئی تھی۔۔۔کہاں۔۔؟
یاد نہیں۔۔۔ہاں یاد ہے تو صرف اتنا یاد ہے۔۔
وہ کالے رنگ کا لباس زیب تن کئے اپنی بھرپور وجاہت کے ساتھ کھڑا تھا۔۔۔اُسے دیکھ کر لگا مانو یہ رنگ بنا ہی اسی کیلیئے تھا۔۔۔
اس کے چاند سے روشن چہرے پر ہلکی ہلکی ڈاڑھی اس کی خوبصورتی کو بڑھا رہی تھی۔۔۔اسے بنا کر اللہ کی ذات نے حسن کی مثال قائم کر دی تھی۔۔۔اُسے دیکھ کا مثل یوسف کا احساس ہوا تھا میں اُسے یوں دیکھے جا رہی تھی جیسے چاند کو دیکھتا چکور ہے"
میری آنکھوں کی لو دیتی تپش نے اس کے چہرے کو چھوا تھا"۔کہ تب ہی اس نے رک کر آنکھوں میں حیرانگی لیے مجھے دیکھا تھا۔۔
"سوکین" چلو ثانیہ مجھے ہاتھ پکڑ کر کلاس میں لے گئی۔۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی سر کلاس میں داخل ہو چکے تھے۔جس پر میں نے دل میں شکر ادا کیا کیوں کہ میرے پاس اس کے کسی سول کا جواب نہیں تھا۔۔۔
"یا اللہ یہ مجھے کیا ہوگیا تھا۔۔؟ کیا کوئی دیوانہ کر دینے کی حد تک حسین ہوسکتا ہے۔۔
وہ چھت پر بیٹھی کافی دیر سے اسی کو سوچے جا رہی تھی۔۔کہ گھر آ کر بھی اس کے سحر کا زور ختم نہیں ہو پا رہا تھا۔۔اور دل کی ایسی کیفیت کے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔۔محبت نام وہ دینا نہیں چاہتی تھی کہ ایسے بھی کبھی محبت ہوتی ہے بھلا۔۔۔؟اس نے دور آسمان پر چاند کو دیکھا۔۔۔جس کا حسن آج اسے پھیکا لگا۔۔۔اُس مثل یوسف کے آگے۔۔۔
کیسے ہو ؟اور پیپرز کیئے گئے تمھارے ؟میں کل ہی اپنے اف اس سی۔کے فائنل پیپرز سے فری ہوا تھا۔اور آج میں اپنے دوست سلمان سے ملنے اس کے کمپیوٹر سینٹر چلا آیا۔۔سلمان مجھ سے پانچ سال بڑا تھا۔لیکن پھر بھی ہم دونوں بہت اچھے دوست تھے ہم دونوں کا بچپن صادق آباد کی گلیوں میں ایک ساتھ گزرا تھا۔تین سال پہلے سلمان کی فیملی کراچی آ بسی تھی۔۔۔پیپرز کے دوران بندہ کیسا ہوسکتا ہے۔۔؟ پھر بھی اچھا ہوں اور پیپرز تو بہت اچھے ہوئے۔۔۔تو سنا اپنے اور

اپنے سینٹر کے بارے میں۔۔اس نے سلمان سے بغل گیر ہوئے جواباً کہتے ہوئے اس سے اس کی بابت پوچھا۔۔۔
"اللہ کا شکر ہے"
اور کراچی کب تک ہو؟۔۔وہ اب آفس میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔۔
بس یار ایک دو دن میں فلائٹ بک کرواؤں گا۔۔تجھے پتہ تو ہے اماں کا۔۔اباں کی خواہش تھی صرف اس لیئے دل پر پتھر رکھ کر مجھے کراچی سے تعلیم دلوانے پر مجبور ہیں۔
تو سب ٹھیک ہے پھر یہ دو دن تم میرے ساتھ گزار رہے ہو۔۔
خوب گھومے گے۔۔؟ سلمان چہکا
میرا بھی ایسا ہی ارادہ تھا۔
اچھا میں ایسا کرتا ہوں ابھی چلتا ہوں ہاسٹل کے کچھ ڈیوز باقی ہیں وہ کلیئر کر کے سامان پیک کر کے پہنچتا ہوں پھر تیرے اپارٹمنٹ۔۔مثال کرسی پیچھے کو دھکیل کر کھڑا ہوا۔۔چل ٹھیک ہے پھر ملاقات ہوتی ہے۔۔۔سلمان اسے اٹھتے دیکھ کھڑا ہوا۔اور مصافحہ کرتے ہوئے اس سے بولا وہ بھی خدا حافظ کرتے باہر آگے کو بڑھا تھا کہ اچانک رک گیا۔
سامنے سیدھی گلی سے دو لڑکیاں کسی بات پر مسکراتے ہوئے آرہی تھیں۔ان میں سے ایک لڑکی کے بڑتے قدم رکے تھے نگاہیں مجھ پر اٹھنے کے بعد۔۔ایسا نہیں تھا کہ مجھے رک رک کر ہر آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھنے کا شوق تھا۔لیکن میرے بڑتے قدم رکنے کی وجہ اُس لڑکی کا مجھے حیرانگی سے دیکھنا تھی۔جیسے وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔
اور دوسری وجہ اس کی وہ کانچ کی جھیل سی آنکھیں تھی کہ جس کو جی بھر کر دیکھنے کو دل چاہے۔۔کے نا چاہتے ہوئے بھی میں قدم رکے اسی کو دیکھے جا رہا تھا۔۔"سوکین چلو یوں بُت بنی کیوں کھڑی ہو۔پھر اس کی دوست اسے پکارتے ہوئے لے گئی۔
میں آج جلدی سینٹر چلی گئی تھی۔۔وہاں پہنچنے کے بعد بار بار نظریں اسے ڈھونڈتے ہوئے بے چینی سے اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔کمپیوٹر لیب ابھی خالی تھی۔اپنی اس دلی کیفیت کو ملامت کرتے ہوئے میں نے کمپیوٹر ON کیا ہی تھا کہ کسی کے سلام کرنے کی آواز پر اس نے گھوم کر دیکھا۔وہ اس کے قریب دو قدم کے فاصلے پر کھڑا سینے پر ہاتھ باندھے نظریں اس پر جمائے ہوئے تھا۔۔اسے سامنے پا کر سوکین کا دل زور سے ڈھڑکہ اور وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔
"میرا نام مثال ہے" اور آپ کا سوکین؟ اچھا نام ہے کیا اس کا مطلب میں جان سکتا ہوں۔دلوں کا سکون۔۔
اس نے پلکوں کی جھکی جھالر کو اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے جواباً کہا۔۔وہ آج کل سے بھی زیادہ پیارا لگ رہا تھا۔دونوں کی

نگاہیں ملیں۔
دونوں ایک دوسرے میں کھو سے گئے۔۔آپ کی آنکھیں بہت حسین ہیں۔جھیل کی طرح گہری۔۔۔مثال نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا
"اسلام علیکم" ثانیہ جو ابھی کلاس میں داخل ہوئی تو ان دونوں کو ساتھ کھڑے دیکھ کر پاس چلی آئی۔۔اچھا میں چلتا ہوں
۔۔۔۔
خیریت یہ وہ ہی تھا نہ جسے کل تم دیکھتے جا رہی تھی۔۔۔؟ مثال کے جانے کے بعد ثانیہ آنکھوں میں حیرانگی لیے سوکین سے پوچھ رہی تھی۔۔۔''ہاں میں کیوں دیکھوں گی کسی کو''سوکین نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کمپیوٹر پر نظرین مرکوز کرلیں۔۔۔''
اچھا''؟ ثانیہ نے محسوس کیا وہ اس سے کچھ چھپا رہی ہے پر اسے بتانا نہیں چاہ رہی سو اس نے اس کو مزید پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔۔۔اور خاموشی سے کمپیوٹر ON کر کے اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔۔۔
آج اس کے کمپیوٹر کی آخری کلاس تھی۔۔۔دل کچھ اداس بھی تھا۔۔۔کہ پھر اس سے کیسے ملاقات ہو سکے گی۔۔اور لہجا ایسی کہ وہ اس سے اس کا نمبر بھی نہیں مانگ سکتی تھی۔۔۔انہی سوچوں میں گری وہ کوچنگ پہنچی۔۔۔
کل کی طرح آج بھی وہ جلدی چلی آئی تھی۔۔۔اور نظریں اور دل پھر اس کا بے صبری سے انتظار کرنے لگے۔۔۔ایسا کروں گی آج اس سے پوچھوں گی۔۔۔کہ وہ کیا سیکھنے آتا ہے یہاں؟۔۔۔پھر میں بھی اسی کورس میں ایڈمیشن لے لوں گی۔۔۔؟ کافی دیر سوچنے کے بعد آخر کار اس نے مزید ملاقاتوں کا ذریعہ ڈھونڈ ہی لیا۔۔۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''اسلام وعلیکم'' ثانیہ نے سوکین کی کرسی کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے سلام کیا۔۔۔''
''سوکین نے ہاتھ پر بندھی ریسٹ واچ کو دیکھا جہاں پانچ بجنے میں پانچ منٹ کم تھے۔۔۔اور باقی بھی سارے اسٹوڈنٹس بھی آنا شروع ہو چکے تھے۔۔۔''وعلیکم السلام۔۔۔''
وہ ابھی تک نہیں آیا۔۔۔کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ آج نا آئے۔
پہلی بار اک عجیب سی درد کی لہر اس نے اپنے دل میں اٹھتی محسوس کی۔۔۔''کیا بات ہے دو تین دنوں سے تم کچھ کھوئی کھوئی سی لگتی ہو۔۔ثانیہ نے اس کے کھوئے سے انداز میں واعلیکم کہنے پر اس سے پوچھا۔۔۔
ہاں۔۔۔نہیں۔۔۔تو۔۔۔آج آخری دن ہے نا سینٹر میں تو۔۔۔خیر سر آچکے ہیں کمپیوٹر ON کرو ورنہ ڈانٹ پڑے گی۔۔۔سوکین نے کلاس میں داخل ہوئے سر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ثانیہ سے کہا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''وہ کیوں نہیں آیا۔۔۔ ہوسکتا ہے وہ کل آئے۔۔۔ میں پھر کل جاؤں گی۔۔۔ ایسا کروں گی سر سے کہوں گی ایکسل کے دو تین پوائنٹ سمجھ نہیں آئے وہ پھر سے سمجھا دیں۔۔۔'' پر میں یہ سب کیوں کر رہی ہوں کیا اسے دیکھنے کے لئے۔۔۔''

وہ اپنے کمرے کی بالکونی کی طرف کھلتی کھڑکی کے پاس کھڑی سوچ رہی تھی۔۔۔'

''کیا وہ مجھے اچھا لگنے لگا ہے۔۔۔؟ ہاں شاید وہ مجھے اچھا لگنے لگا ہے۔۔۔ دل چاہتا ہے اسے دیکھتی رہوں۔۔۔

اگر وہ کل بھی نا آیا تو۔۔۔؟ اک آواز اس کے دل نے سنی اللہ نا کرے۔۔۔ ایسا ہو۔۔۔

بس ایک بار وہ پھر سے آجائے میں اس سے ضرور ہمت کر کے پوچھ لوں گی۔۔۔؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں صادق آباد آگیا تھا۔۔ دل چاہ رہا تھا اک اور ملاقات کرنا اس سے پر میں نے دل کی نہیں سنی۔۔۔ لیکن یہاں پہنچ کر دل کی کیفیت کچھ اور بھی عجیب سے لگی۔۔۔ نگاہیں ہر لڑکی کی آنکھوں پر اٹھتی ویسی ہی دو کہری کینچی جیسی آنکھوں کو دیکھنے کی چاہ میں۔۔۔ اور کبھی ایسا لگتا ہے وہ دو آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں میرا پیچھا کر رہی ہیں'' عجیب سا عالم تھا عجیب سے کیفیت تھی۔۔۔' ایسا لگ رہا تھا ان دو آنکھوں نے مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیا ہے۔۔۔؟ اور میں جو لمبی چھٹیاں گزارنے آیا تھا۔۔۔ اب ایک پل بھی گزارنا دوبھر ہو گیا تھا۔۔۔ اماں میں کل واپس جا رہا ہوں'' ''ہیں کیا کہا؟۔۔۔

ابھی تو تمہارے پیپرز ختم ہوئے ہیں اور نئی کلاسز شروع ہونے میں کچھ مہینے ہیں۔۔۔

''جی اماں بس ایک ضروری کام نکل آیا ہے، اسے نبٹا کر واپس آجاؤں گا'' اس نے عزر تراشتے ہوئے کہا۔۔۔''

ٹھیک ہے خیریت سے جانا خیریت سے آنا۔۔ اللہ بخشے تمہارے ابا زندہ ہوتے تو انتی طف تعلیم کے ساتھ ساتھ سارے کام بھی تمہیں نہیں کرنے پڑتے۔۔۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دو ہفتوں کے بعد ہی کراچی واپس آگیا۔۔۔'' اور کراچی پہنچتے ہی اس نے سلمان کے کمپیوٹر سینٹر کا رخ کیا وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ وہ بیچ ختم ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے۔۔۔ اور اس کی جگہ اب نیو بیچ اسٹارٹ ہو چکا ہے۔۔۔

''اسے افسوس ہوا۔۔۔ خریت تو ہے نا۔۔۔؟ سلمان نے اسے پریشان سی صورت بنائے بیٹھے دیکھ کر وجہ دریافت کی۔۔۔

کہیں کسی لڑکی کا تو کوئی معاملہ تو نہیں۔۔۔؟

''یار پتہ نہیں محبت ہے یا سحر۔۔ پر اس کو دیکھنے کے لئے میں دوبارہ آیا۔۔۔ پر اب میں کبھی اسے نہیں دیکھ سکوں گا۔۔۔ اس نے سلمان کو اپنے اس سے ہوئی ملاقات کو بتاتے ہوئے مایوسی سے کہا۔۔۔''

اس پل اسے محسوس ہوا اسے محبت ہو گئی ہے۔۔۔ مایوسی کے اندھیرے چار سو پھیلنے لگے۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا منت مانگی؟'' سوکین نے نصرت کے ہاتھ میں پکڑی منت کی چوڑی دیکھ کر اس سے پوچھا؟

شازیہ کی شادی کے لئے منت اٹھائی ہے۔۔۔

''اور تم نے ''یقیناً'' اسی کے لئے منت اٹھائی ہو گی ہے نا۔۔۔؟

نصرت نے سوکین کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔۔۔

''ہاں'' سوکین نے اپنی مسکراہت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

''یار کیا معلوم ان کے صدقے ہی مجھے وہ مل جائے۔۔۔'

''انشاء اللہ'' نصرت نے اپنی اٹھائی ہوئی منت کی چوڑی کو نہایت عقیدت سے اپنے Cluch میں رکھتے ہوئے جواباً کہا تھا۔۔۔

اور اس نے اپنی منت کا چھلا اپنے سیدھے ہاتھ کی دوسری انگلی میں پہن لی۔۔۔ وہ دونوں امام بارگاہ سے باہر نکل آئیں۔ کہ باقی گھر کے سبھی افراد انہیں اندر نظر نہیں آئے کہ شاید وہ باہر جا چکے تھے جیسے ہی وہ دونوں باہر سبیل کے پاس پہنچی۔۔۔ سامنے ہی انہیں باقی سب نظر آئے۔۔۔ کب سے ہم سب تم دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔'' پر تم دونوں کی منتیں ختم ہی نہیں ہوتیں۔۔۔''

ناہدہ آپا نے انہیں جسے ہی آتے دیکھ کر فوراً شروع ہو گئی تھیں۔

''اپیا ہر سال آپ کی ایک ہی منت ہوتی ہے جو کبھی پوری تو ہوتی نہیں۔ کتنی منتیں اٹھائیں گی آپ...

یہ ہر سال سے ہوتا آرہا ہے جب بھی سوکین اور اس کی خالہ کی فیملی محرم میں امام بارگاہ جاتے... ہر سال وہ ایک ہی منت اٹھاتی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''وہ مسلسل صبح سے کلاسز بنک کئے جا رہی تھی کل سے اُس کا دل کہی بھی نہیں لگ رہا تھا..'' جب سے ہادیہ نے

اُسے اُس کے لئے آنے والے رشتے کے لئے بتالایا تھا۔۔ جب بھی اس کے لئے کوئی رشتہ آتا اس کی ایسی ہی حالت ہو جاتی تھی۔۔۔

''یار سوکین مزید کتنی دیر تک یوں بیٹھی رہوگی'' ہر لڑکی کا رشتہ آتا ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔صوبیہ نے اس کی جانب پانی کی بوتل کرتے ہوئے کہا۔

''یہ خوشی تم لے لو..ویسے بھی مجھے نہیں کرنی شادی'' سوکین نے صوبیہ سے بوتل لے کر زمین پر پٹخنے سے انداز میں رکھتے ہوئے کہا۔

صوبیہ کو اس کی یہ حالت دیکھ کر افسوس بھی ہو رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔

''کیوں نہیں کرنی شادی...؟محترمہ بتائیں گی آپ...؟ صوبیہ نے تحمل سے پوچھا....

جس کے لئے تم بیٹھی ہو نہ. تو بیٹھی ہی رہ جاؤ گی...دماغ خراب ہے تمہارا۔ پاگلوں والی باتیں ہے تمہاری...وہ تمہیں نہیں ملے گا۔دو ملاقتیں مل لینے سے تم خود سے دل میں یقین ڈال کر بیٹھ گئی ہو کہ شادی بھی اُسی سے ہوگی...یہ تمہارے دماغ کا خلل ہے۔کامل یقین۔۔۔صوبیہ سانس لینے کو رکی۔

''اللہ پر کامل یقین ہونے کو تم بیوقوفی کہہ رہی ہو؟'' اُسے صوبیہ کا اتنا کچھ کہہ جانا دل برداشتہ کر گیا۔

''ایک نام کے علاوہ اُس کے...اور تو تمہیں کچھ پتہ نہیں کے وہ کون تھا...کہاں سے آیا تھا...کہاں کو گیا۔ایک بندہ سامنے ہو تو میں مان بھی لوں۔کہ ہاں اُسی سے کرنا..ڈھونڈتی ہو نہیں تم اُس کو...اور دل میں کامل یقین پالے بیٹھی رہو۔کے وہ ایک دن خود چل کر آئے گا...اور کہے گا...مجھ سے شادی کروگی''صوبیہ نے اُسے اچھا خلاصہ جھاڑ دیا تھا۔

اُس نے سوکین کی طرف دیکھا جس کے لب خاموش اور آنکھیں نم تھی اُسے افسوس ہوا کے کہ شاید وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔

اچھا سوری یار...اگر تمہیں کامل یقین ہے تو یوں رشتے آنے پر پریشان کیوں ہو جاتی ہو۔؟

پریشان میں رشتوں کے آنے پر نہیں۔ جانتی ہوں کہ یہ تو امتحان ہے اللہ کی طرف سے جو میرے یقین پر لیا جا رہا ہے۔ جیسے میں نے دینا ہے۔ پریشان تو میں اس لیے ہوں کہ میرے بار بار کے انکار سے میرے اپنوں کی جو دل آزاری ہوتی ہے۔۔وہ مجھے تقلیف دیتی ہے خیر

لائبریری جا رہی ہوں بک اشو کروانی ہے۔چلو گی۔۔۔اُس نے اپنی کتاب اُٹھاتے ہوئے ان دونوں سے پوچھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آجاؤ اندر'' سوکین نے غصے سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''جہاں سے آواز آئی تھی ہادیہ نے ڈرتے ڈرتے تھوڑا سا دروازے کو کھولا سر کو اندر ڈالتے ہوئے پورے روم کا جائزہ لیا

...کمرے میں اندھیرا تھا... ہادیہ نے آنکھ گھماتے ہوئے کمرے میں اپیا کو تلاش کرنے کی کوشش کی...

''اب منہ سے پھوٹو گی بھی کچھ یا پھر دیکھتی ہی رہو گی؟ کیا کام ہے۔''

سوکین کی آواز پر ہادیہ اچھلی۔

''وہ آپی امی کہہ رہی تھی کہ جلدی سے تیار ہو جائیں آپ کو دیکھنے کچھ خاتون آئی ہے'' ہادیہ یہ بات کہتے ہی باہر کو بھاگی

...وہ جانتی تھی ورنہ اپیا نے رشتہ والوں کا غصہ اُس بیچاری پر اُتار دینا ہے جو رُکی تو سو بھاگ لینے میں آفیت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بس بہن بیٹیاں تو اللہ کی رحمت ہوتی ہیں۔

میں نے اپنی بیٹیوں کو تعلیم کے ساتھ سب ہی گھریلوں کاموں میں بھی طاق کیا ہے...

''ہادیہ بیٹا سوکین کو بلا کر لاؤ....'' نور جہاں کے پاس بیٹھی ہادیہ نے کہا...'' جی امی جان''

وہ سوکین کو بلانے اُس کے کمرے میں آئی تو اُسے سوچ میں ڈوبہ پایا۔

اپیا امی بلا رہی ہیں آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟

ہادیہ نے اُسے عجیب سے حلیے میں بیٹھے دیکھ حیرانی سے پوچھا؟ اچھی لگ رہی ہوں نہ چلو مہمانوں کو بے چینی سے میرا انتظار ہوگا سوکین نے پھٹی ہوئی چادر کو سر پر لیتے ہوئے پریشان کھڑی ہادیہ کی طرف دیکھا۔

اپیا یہ آپ کے چہرے کو کیا ہوا؟ آپ کا رنگ کیوں اتنا خراب ہو رہا ہے؟ ہادیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی

۔

خراب ہو گیا ہے میرا رنگ اب دماغ مت کھاؤ...

خراب ہوا نہیں کیا گیا ہے اپیا پلیز اپنا منہ صاف کر لو ورنہ امی آپ کو تو کچھ کہیں گی نہیں۔ آپ کا سارا غصہ مجھ پر اُتار دیں گی... ہادیہ نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''بول چکی'' اب چلو۔

''ہادیہ کے ساتھ وہ ڈائننگ میں داخل ہوئی تھی جہاں وہ خاتون اور نور جہاں آپس میں باتوں میں مگن تھیں... اُسے آتا دیکھ لیا تھا تب ہی وہ دونوں خاموش ہوئی تھیں۔ اُس کا حال دیکھ کر نور جہاں نے غصے سے ہادیہ کو گھورا تھا وہاں خاتون نے

بھی پہلو بولا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صوبیہ اور عائشہ نے اسے آرٹ ڈیپارٹمنٹ سے باہر آتے دیکھا تھا...'' جواب سوکین کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آ گئی جس کو اس نے بلکل بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی اور وہی ان دونوں کے ساتھ گھانس پر بیٹھ گئی ان دونوں کو اس وقت اس کی یہ مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی۔

'' اُف او ایسے کیوں گھور رہی ہو تم دونوں ۔'' اب بس بھی کرو۔'' تم ٹھیک نہیں کر رہی ہو۔ اپنے اور انکل آنٹی کے ساتھ اُس کے لئے جس کا تمہیں پتہ بھی نہیں کہ وہ کہاں ہے اور کہاں ملے گا صوبیہ نے سوکین کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔۔

عائشہ نے بھی صوبیہ کی بات سے اتفاق کیا۔

'' بس ٹھیک ہے جو کر رہی ہوں اپنے ساتھ کر رہی ہوں تم دونوں کو میرے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہی ہے

'' پلیز دیکھو اب اگر تم دونوں نے اس بارے میں بات کی تو میں کہی اور جا کر بیٹھ جاؤں گی''

جواب دونوں نے خاموش رہنا بہتر سمجھا کہ وہ جانتی تھی کہ اس کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

پھر جاتے سے ہی اُن کے آخری سیمز زسر پر سوار تھے۔ سو وہ تینوں ہر بات بھول بھال اس کی تیاریوں ں میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

'' کیسا رہا پیپر؟ سوکین کینٹین میں بیٹھی ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ دونوں بھی پیپر کر چکنے کے بعد اُسے ڈھوڈتی ہوئی کینٹین میں آ گئی تھیں۔'' بہت اچھا ہوا یار'' دونوں نے یک زبان ہو کر کہا'' اور تمہارا'' وہ دونوں بھی وہی اس کے پاس رکھی کرسیوں پر براجمان ہو گئیں۔

'' میرا بھی بہت اچھا''

شکر ہے کہ آخری سیمڑ کا آخری پیپر بھی اچھے سے ہو گیا۔ ویسے میں سوچ رہی ہوں یار اتنے تھکا دینے والے پیپر کے بعد ایک پکنک تو بنتی ہے۔ کیا خیال ہے پارٹی شارٹی ہو جائے'' صوبیہ نے ویڑ کو ہاتھ کے اشارے سے بلاتے ہوئے کہا

'' کیا کہتی ہو تم دونوں؟

'' تین کوک اور تین سموسے رول لا دیں

'' ہاں یار پھر ہم تینوں کو یوں مل بیٹھنے کا کبھی موقع ملے گا کہ نہیں''

عائشہ کو بھی صوبیہ کی بات پسند آئی تھی۔۔۔

پھر کیا پلان ہے؟ دونوں نے سوکیں کی طرف دیکھا۔۔۔

''ایسا کرتے ہیں سی ویو چلتے ہیں'' عائشہ نے چٹکی بجائی

''پلیز یار سمندر بھی کوئی جگہ ہے گھومنے کے لئے۔۔۔ مجھے نہیں پسند کوئی اور جگہ کا کرو'' سوکین نے اعتراض کیا۔ اس سے پہلے وہ دونوں ڈن کر دیتیں'' ایک تو تم سدا کی بورنگ ہو پھر خود ہی بتاؤ کہا کا کریں؟ ''صوبیہ نے اسٹرو کو منہ سے لگاتے ہوئے اس کا طرف دیکھا۔

یار مجھے اس طرح کے پروگرام پسند جانتی تو ہو تم دونوں

''ہاں ٹور پر جانے کو کہو مزا تو اس میں ہے نا۔۔۔ سوکین نے سموسے سے انصاف کرتے ہوئے کہا۔۔۔

''اُو بہن'' بس ہاں جیسے تم عجب ویسے تمہاری باتیں بھی عجیب ہی ہوتی ہیں۔۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید بولتی عائشہ سے اسے ٹوکا۔۔۔

بلکل ٹھیک کہا' صوبیہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔۔۔

تم دونون بہت بدتمیز ہو۔۔۔ دفعہ ہو جاؤ۔۔۔

یار ہمارے اماں ابا اتنے بھی آزاد خیال نہیں ہیں کہ یوں ہمیں اکیلی ٹوور پر جانے دیں، ورنہ مزہ تو بہت آتا ہے ٹورز میں ''خیر''۔۔۔

اچھا چلو پہلے کسی اچھے سے شوپنگ مال سے شوپنگ کرنے کے بعد اچھا سا ڈنر امبالا سے کریں گے۔۔۔ بس ڈن ٹھیک ہے نا سی ویو نہیں جانا پانی سے فوبیا ہے مجھے۔

''سوکین نے بل ویٹر کو دیتے ہوئے ان دونوں سے پوچھا۔

ہفتہ کا دن ٹھیک رہے گا۔۔۔؟

بلکل ٹھیک ہے اور اب بعد میں کوئی بہانے نہیں بنائے گا نا جانے کا۔۔۔ دنوں نے سوکین کو خطرناک نظروں سے گھورا کہ جانتی تھیں وہ پروگرام بنا تو لیتی ہے پر پھر عین وقت پر غائب بھی ہو جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆ (باقی آئندہ شمارے میں)

راہ فقر دا تد لدھیوسے ہتھ پھڑیوسے کاسہ ہو
تارک دنیا تداں تھیوسے فقر ملیوسے خاصہ ہو
دریا وحدت نوش کیتوسے اجاں بھی جی پیاسا ہو
راہ فقر رتروون باہولوکاں بھانے ہاسا ہو

11 اگست

آج میں نے پہلی بار ڈیڈی سے صاف کہہ دیا ہے کہ مجھے ماڈلنگ کرنی ہے۔ڈیڈی تو تحمل مزاجی سے کام لے گئے مگر ممی آگ بگولہ ہیں۔ مجھ سے بات یوں کر رہی ہیں جیسے کھا جائیں گی۔ ہمارے گھر میں سوشل لائف چلتی ہے۔ممی یونیورسٹی میں میتھ کی لیکچرار ہیں۔فیشن کے ساتھ چلتی ہیں جوان ہے اسے آن رکھتی ہیں جو آوٹ ہے اسے آف رکھتی ہیں۔ڈیڈی بھی معاشرے کے ساتھ چلتے ہیں۔سب سیٹ ہے لیکن ممی ماڈلنگ کے لیے نہیں مان رہیں۔ان کا کہنا تھا شوبز سے دور رہو۔

''میں ماڈلنگ ہر قیمت پر کروں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔'' میں نے بھی دوٹوک کہہ دیا تھا

اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے لندن پیرس گھوم آتیں ہیں اور میری خواہش پوری نہیں کریں گی تو میں ہنگامہ کر دوں گی۔میری بھی خواہش ہے میں ماڈل بنوں مشہور ہوں،شہرت کی بلندیوں پر جانا میری سب سے بڑی خواہش ہے۔ انسان سب کچھ چھوڑ سکتا ہے مگر پہلی خواہش نہیں۔میں نے بھی ٹھان لی میں ماڈلنگ کر کے ہی دم لوں گی۔حق بنتا ہے میرا میں اپنی خواہش پوری کروں۔آخر میری اپنی لائف ہے۔مجھے بھی اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے۔ممی کب تک نہیں مانتی دیکھتی ہوں میں بھی۔۔۔

ہمارے ڈیڈی جو ہیں ناں وہ بھی ممی کی بات نہیں ٹالتے ناں۔۔اب ٹالنا نہیں چاہتے یا ان کی ہمت ہی نہیں ہوتی یہ بات الگ ہے۔کاش میرا کوئی اور بہن بھائی ہوتا تو میں اسے آگے کر دیتی،وہ ممی کو منا لیتا۔اب کیا

کروں۔؟ چلیں دیکھتے ہیں ممی انا کی پکی ہیں یا میں۔۔۔انا کی جنگ پہلی بار اس گھر میں ہو گی اس سے پہلے یہاں نہیں ہوئی مگر اب ہو گی۔

اا اگست

بھابھی نے پھر تصویر لڑکی کی اٹھا لائی۔کتنی بار کہا ہے مجھے اپنے خوابوں جیسی لڑکی چاہیے مگر پتا نہیں انہیں سمجھ نہیں آتی۔آج تصویر لائی اور بولی۔

''باپ اس کا کینیڈا میں ہے،ماں بزنس کرتی ہیں اور خود اپنی تعلیم مکمل کر کے فارغ ہوئی ہے۔۔''میں نے سوچا چلیں تصویر دیکھ لیتے ہیں۔بالکل میرے خوابوں کے الٹ۔۔شکل سے چالاکو ماسی لگتی تھی۔مجھے تو بالکل اچھی نہیں لگی۔اسلیے بھابھی سے صاف کہہ دیا۔

''بھابھی مجھے ایسی لڑکی نہیں چاہیے۔۔''

''تو کیسی چاہیے۔؟''بھابھی بھی اکتا گئیں ہیں۔کیا کریں بے چاری لڑکیاں تلاش کر کر کے تھک گئی ہیں اور مجھے کوئی پسند ہی نہیں آتی۔

کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میرے خوابوں جیسی لڑکی ابھی تک خدا نے تخلیق ہی نہیں کی۔شکل معصوم ہو مگر زمانے کے ساتھ چلنے والی،حسن ایسا ہو کہ دیکھنے سے میلا ہوتا ہو،دنیا قدموں میں دل بچھانے کو تیار ہو مگر وہ سب کو رد کر دے،امیر ہو مگر غریبوں کی طرح رہنے والی،تکبر نہ ہو اسے نہ حسن پر نہ دولت پر۔گھریلو خیال رکھنے والی ہو مگر آجکل کی دنیا کے ساتھ چلے۔لیڈی ورکر ہو مگر میرا مکمل خیال رکھنے والی ہو۔ارے یہاں تو خیالوں کے سب الٹ چل رہا ہے،گھریلو ملتی ہے تو بس باورچن کی باورچن ہی اور اگر لیڈی ورکر تلاش کرتا ہوں تو گھر کے کاموں سے اسے ایسے چڑ چڑاہٹ ہے جیسے کرنٹ لگتا ہو۔

اب میں کیا کروں۔؟ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کس سے شادی کروں آخر گھریلو لائی تب بھی مشکل اور اگر کام کاج کرنے والی تب بھی رولا۔۔۔

۱۲ اگست

ممی اسلام آباد گئی ہیں وہاں ہی رک گئی دو دن کے لیے۔۔۔مجھے ماڈلنگ کا فیصلہ دینا تھا چلو دو دن کی ہی بات ہے۔ملازم بھی چھٹی پر ہے آج تو خوب اپنی پسند کی ڈشز بناؤں گی۔آہا بہت مزہ آئے گا۔ممی گھر ہوں تو کچن میں کام ہی نہیں کرنے دیتی کہتی ہیں تم اتنے بڑے گھر کی ہو کر کچن میں کام کرو گی۔؟ لو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔؟ یہی بات مجھے بہت اریٹیٹ کرتی ہے۔ہم امیر کیا ہو گئے ہم ذرہ اپنی شان سے ہٹ کر کام نہیں کر سکتے۔لو ہم اگر ذرہ سا نوکروں کا کام کر لیں تو ہماری ذات پر آنچ آنے لگتی ہے۔سچ کہوں تو مجھے اس ماں باپ کی دولت سے شدید نفرت سی ہو گئی۔اسی لیے تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اپنا کمانا چاہتی ہوں۔شہرت کی بلندیوں پر پہنچنا چاہتی ہوں مگر تکبر کو اپنے پاس نہیں آنے دوں گی۔ان لوگوں کا خیال رکھوں گی جو میرا خیال رکھتے ہیں۔انسانیت کا درد دل سے مٹنے نہیں دوں گی۔میں غرور کو نہیں اپناؤں گی ممی کی طرح۔۔۔ممی جس طرح اپنے ملازم پر ظلم کرتیں ہیں، نیچے کو قدموں تلے رکھتی ہیں ابھی کل ہی کی بات ہے ہمارے ملازم شینخو سے کپ ٹوٹ گیا ممی نے اسے سب رشتے داروں کے سامنے سزا دی حالانکہ ہمارے ہاتھ سے ٹوٹ جائیں تو ممی کہتی ہیں کوئی بات نہیں بیٹا نئے آجائیں گے۔ایسا کیوں کرتی ہیں ممی۔؟میں ایسا نہیں کروں گی ہرگز نہیں۔کل ہماری دور دراز کی رشتیدار شائستہ آنٹی گاؤں سے آ گئی ممی نے اسے جوتے کی نوک پر بھی نہ رکھا۔میں نے اسے خالہ پکار دیا تو ہنگامہ ہو گیا۔

''تم نے اس نیچ عورت کو میری بہن بنا ڈالا۔۔''ممی اس عورت کے سامنے شروع ہو گئیں تھیں۔میں تو مارے شرم کے سر بھی نہ اٹھا سکی۔وہ اتنے پیار سے ہمارے لیے دیسی گھی اور لسی لائی تھیں ممی نے اسے بھی ان کے منہ کر مار دیا۔میں ایسے نہیں جینا چاہتی ممی کچھ بھی کر لیں میں ماڈلنگ کروں گی اور اپنی لائف اپنی مرضی سے گزاروں گی۔اس طرح اپنی مرضی نہیں کرنے ہوتی ناں۔ممی ڈیڈی کے پیسے پر نہیں اترانا چاہتی ہاں مگر جہاں سچ ہوتا ہے کہہ دیتی ہوں انہیں کڑوا ضرور لگتا ہے مگر کیا کریں، سچ چیز ہی ایسی ہے جسکی کڑواہٹ کا اثر کئی دنوں تک رہتا ہے۔یہی حال ممی کا ہوتا ہے جب میں کسی بات پر اختلاف کرتی ہوں تو ممی کا منہ کئی دن تک سوجا رہتا ہے۔اب مجھے بہت بھوک لگی ہے چل کر کچھ بنا کر کھاتے ہیں شام کو ڈیڈی بھی آئیں انہیں بھی اپنے ہاتھ کا کھلاؤں گی بیگم کے ہاتھ کا تو انہوں نے کبھی نہیں کھایا مگر بیٹی کا ضرور کھائیں گے انشاءاللہ

۱۲ اگست

ارے ایک ہمارے بھائی صاحب ہیں کچھ سننے کو تیار نہیں۔صاف گوئی سے مجھے کہہ دیا ہے

''رومی اگر تم نے دو ہفتوں کے اندر جواب نہ دیا تو ہم اپنی مرضی سے کسی لڑکی کو تمہاری دلہن بنا لائیں گے۔'' ہم تو ہکے بکے ہی رہ گئے تھے

لو جی ہمیں تو الٹیمیٹم مل گیا۔اب گلی گلی خاک چھاننی پڑے گی شاید کہیں مل جائے۔ارے بھئی کہاں آخر اللہ پاک نے اسے چھپا رکھا ہے۔؟اے اللہ جی اب کوئی کرشمہ دکھا اور اسے ملا دے۔

میں کیسے رہوں گا اس لڑکی کے ساتھ جسے بھیا پسند کر لائیں گے۔وہیکر لیں شادی میں نہیں کرنے والا، ویسے بھی اسلام میں چار جائز ہیں۔بھابھی اسے دیورانی سمجھتی رہیں گی اور وہ اسے اسکی سوتن بنا لائیں۔بڑا پتا چلتا ہے آج کل کی عورتوں کو۔۔۔عورتیں تو اعتبار کی پکی ہوتی ہیں اگر انہیں اعتبار آ جائے تو۔۔۔

اعتبار سے یاد آیا مجھے جو لڑکی چاہیے وہ بھی اعتبار کرنے والی ہو۔شک سب کچھ ڈبو دیتا ہے اور مجھے تو شک سے سخت نفرت

ہے۔ شکی مزاج تو ہونی ہی نہیں چاہیے۔ رومی میاں تم خواب دیکھتے رہو اور ادھر بھیا کوئی ایسی ہی سڑئیل اٹھا لائیں گے جو مجھے پاگل کر دے گی، یہاں کیوں گئے تھے وہاں کیوں نہیں، وہ لال دوپٹے والی کون تھی، اس لڑکی کو تم نے مسکرا کر کیوں دیکھا تھا، وہ تمہیں ایسے کیوں دیکھ رہی تھی۔ اف کیا بنے گا میرا۔؟ بھیا ایسی ہی لے آئیں گے۔ کچھ کر رومی میاں کہیں سے اسے ڈھونڈ لا

۱۵ اگست

آج ممی سے میں نے صاف بات کر ہی ڈالی۔ صبح ناشتے کی ہی میز پر میں نے تذکرہ کیا جب ڈیڈی جا چکے تھے۔

''ممی میں ماڈلنگ کرنا چاہتی ہوں۔۔''

''میں نے تمہیں منع کیا تھا دوبارہ ذکر نہیں کرنا اس بکواس کا۔۔'' ممی نے کانٹا یوں سیب میں گسایا اسکے ایک ہی بار ٹکرے ٹکڑے ہو گئے میں تو ایک لمحے کو کانپ گئی کہ اب سیب جیسا میرا بھی حال ہونے والا ہے۔

''ممی یہ میری خواہش ہے اور میں اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے کسی حد تک بھی جا سکتی ہوں۔'' میں نے بھی دوٹوک کہہ دیا تھا۔ ممی کو بڑا غصہ آیا، آگ بگولہ ہو گئیں تھیں مگر میں نے بھی صاف کہہ دیا

''اگر آپ ضد کی پکی ہیں تو میں بھی آپ ہی کی بیٹی ہوں۔ میری بات کو لائٹ مت لیجیے گا میں جو کہہ رہی ہوں کر کے دکھاؤں گی۔''

لو ہم ممی سے تو کہہ دیا اب صرف پروڈیوسر سے رابطہ کرنا باقی ہے۔ ہفتہ پہلے آفر آئی تھی کہیں کوئی اور سیلیکٹ نہ کر لی ہو۔ ارے یار اس نے کر لی ہوئی تو کوئی اور تلاش کر لیں گے۔ کوئی بات نہیں جی۔۔۔

۱۵ اگست

آج تو بھیا نے آفس میں جا بٹھا دیا کہتے ہیں کام کرو گے تو آئے گا۔ اپنا بزنس بھی نہ ہو کسی کا کم از کم بے روزگاری کے بہانے بندہ گھر تو بیٹھا رہتا ہے۔ آفس میں سارا دن ہر لڑکی کو دیکھتا تو اس خوشی سے تھا کہ میرے سپنوں کی رانی ہو گی مگر اگلی ہی نظر میں امیدوں پر پانی پھر جاتا تھا اور نظریں فوراً نیچے۔ لڑکیاں سمجھتی تھی میں کتنا شریف ہوں نظریں جھکائے بیٹھا ہوں حالانکہ میں دیکھ بھال کے پھر جھکاتا تھا۔ مگر لیڈیز ورکر کا یہی مسلہ ہوتا ہے ناں انہیں خبر ہی نہیں رہتی کب انکی طرف نظر مخلصانہ اٹھی اور کب بے ایمانہ۔۔ ایک طرح سے ٹھیک بھی ہے اور نہیں بھی۔۔ ٹھیک اس لیے کہ خدشات اور لڑائیوں سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا اور نہیں ٹھیک اس لیے کیونکہ یہی نظریں اسے غلط قرار دے دیتی ہیں کہ وہ جان کر انجان بنی رہی ہے اسے سب خبر ہے اور یوں دل کی میل بڑھنے لگتی ہے۔ لڑکی ایسی ہونی چاہیے جس کی طرف نظر اٹھے اور اسے خبر ہو جائے مخلصانہ یا بے ایمانہ۔۔۔

آج آفس کا دن تو بس ٹھیک تھا لڑکیوں سے امید باندھتے اور ٹوٹتے وقت بیت گیا۔ مجھے لگتا ہے بھیا مجھے اسی لیے آفس میں لے گئے ہیں کہ شاید کوئی پسند آجائے۔ مگر بھیا نے جو پریاں اپنے آفس میں بٹھا رکھی ہیں وہ پرستان کے

ان شہزادوں کو ہی مبارک وہ انہی کے لیے بنی ہیں۔ مجھے تو کوئی اپنی سوچ رکھنے والی چاہیے۔

۲۴ اگست

میری ماڈلنگ خوب چل رہی ہے فل مستی میں دن رات گزرتے ہیں۔ ممی بھی بول بول کر چپ ہوگئی ہیں۔ آج مجھے چیک ملا تو میں کیش کروا کر دل سے اپنے ملازم شینخو کو دیے۔ اسکی بیٹی کی شادی ہے ناں پچھلے دنوں اس نے ممی سے ادھار مانگا تھا تو ممی نے اسے ڈانٹ دیا تھا کہا تھا کہ کام صحیح کرتے نہیں اور پیسے مانگنے لگتے ہیں اور ویسے بھی میں اس لیے کماتی ہوں کہ تم جیسے لالچیوں کو دے دوں، دفع ہو یہاں سے۔۔۔ ممی نے اسے اتنی سنائی میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ آج مجھے جب چیک ملا تو میں نے چپکے سے اسے پیسے دے دیے۔ اس نے مجھے اتنی دعائیں دی جو لکھی نہیں جا سکتی۔ مجبور اور غریب سے دعا لے کر دل کو جو راحت ملتی ہے وہ ہوٹلوں اور پارٹیوں میں جانے سے نہیں ملتی۔ مگر میں جب بھی ممی سے کہتی ہوں تو ممی سنتی ہی نہیں ہیں وہ کہتی ہیں غریب کو خدا نے غریب بنایا ہے ہم نے نہیں ہم کیوں اس کی مدد کریں۔ ان کے دماغ میں یہ بات ہی نہیں پڑتی کہ غریب امیروں کے لیے آزمائش ہے۔ پرسوں کی بات ہے میں اور ممی پارٹی سے آرہے تھے کہ ایک بوڑھی عورت آگے آگئی اور بولی میرے پوتے کی بہت طبیعت خراب ہے وہ مر جائیگا آپ اسے ہسپتال پہنچا دیں۔ ممی نے ڈرائیور سے کہا چلو اور اسے مڑ کر بھی نہ دیکھا میں کہتی رہی مجھے جانے دیں مگر ممی نے ڈرائیور کو رکنے ہی نہ دیا تھا۔ معلوم نہیں اس عورت کا کیا بنا ہوگا، کہیں نہ کہیں سے خدا نے اپنا بندہ بھیج دیا ہوگا۔ ہر کوئی ہم جیسا تھوڑا ہوتا ہے۔ میں ماڈلنگ کر کے بھی اس طرح آزاد نہیں ہوں جیسے ہونا چاہتی ہوں۔

۲۴ اگست

لو بھئی کل ہمیں دیا گیا الٹیمیٹم ختم ہو جائیگا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں۔ کاش خوابوں کا وجود نہ ہوتا۔ یہ دکھتے تو نہیں مگر دوسروں کو اندھا کر دیتے ہیں۔ باغ و بہار میں بیٹھے شخص کو تپتے صحرا میں لا کھڑا کر دیتے ہیں، خواہش کی پیاس کی اذیت سے گزارتے ہیں۔ منزل کا پانی مانگتے مانگتے عمر تمام ہونے کو آئے مگر یہ ترس نہ کھائیں۔ اگر خواب انسان ہوتے تو فرعون نمرود کا ذکر نہ ہوتا جتنے بھی ظالم گزرے ان کو کوئی یاد نہ کرتا، جب بھی مثال دینی ہوتی ظالم خوابوں کی دی جاتی۔

میرے خواب مجھے کس موڑ پر لے آئے ہیں۔ میں اب کیسے کہوں بھیا کو۔۔۔ کوئی دکھتا تو بھیا سے مزید درخواست کر لیتا۔ مگر اب کیا حاصل۔۔۔ مایوسی کے بادل دل پر بسیرا کر رہے ہیں۔ دل کو ہر چیز بری لگنے لگی ہے۔ خواب وہ شے دکھاتے ہیں جن کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

۲۵ اگست

آج جب میں ٹی وی شو میں گئی تو وہاں ایڈورٹائزنگ کمپنی کے لیے کچھ لوگ آئے ہوئے تھے۔ ایک صاحب تو جیسے مجھے پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو میں نے پوچھا

''او مسٹر میرے چہرے پر کچھ لکھا ہے تو پڑھ رہے ہو۔؟'' میری بات سن کر وہ مسکرا دیا اور بولا
''بہت گہری تحریر لکھی ہے آپ کے چہرے پر۔۔۔''
''کون سی تحریر۔؟'' میں نے پوچھا
''جب انسان امید کا دامن چھوڑ کر مایوسی کا آنچل تھامنے لگتا ہے تو اللہ منزل اس کے سامنے لا کھڑی کر دیتا ہے تا کہ میرا بندہ کفر نہ کرے'' وہ کہہ رہا تھا اور میں حیران تھی
''کون سی امید کون سا کفر۔؟'' مجھے غصہ آ رہا تھا
''آپ امید بھی ہیں اور کفر بھی۔۔۔'' میں اسکی بات سن کر بری طرح چونکی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ کہنا کیا چاہ رہا ہے، عجیب فلاسفر بندہ تھا
''فلاسفی نہ جھاڑیں صاف بات کریں۔۔''
اس سے پہلے وہ مجھے بتلاتا اسے میٹنگ کے لیے بلا لیا گیا۔ عجیب الجھن میں ڈال گیا وہ شخص۔۔۔ میں امید اور میں کفر کیسے ہوگئی۔؟ کیا اول فول کہہ رہا تھا۔؟
اچھا خاصا ہینڈسم لڑکا تھا پھر نہ جانے کیوں ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔ شاید کوئی نفسیاتی دباؤ ہو یا کوئی دماغی بیماری ہو۔ لیکن اگر دماغی مریض تھا تو اتنی بڑی کمپنی کا مالک۔؟ عجیب شخص تھا وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۲۵ اگست

وہ تو نہیں سمجھی مگر میں نے بھیا سے کچھ اور وقت مانگ لیا ہے اور ساتھ اشارہ بھی دے ڈالا کہ ہمیں جس کا انتظار تھا وہ ملنے والا ہے۔ پہلے ان دیکھے چہروں کو ذہن میں لا کر بے چین ہوتا تھا۔ اب تو چہرہ بھی مل گیا۔ کیا حسن تھا جیسے ملائی ہاتھ لگانے سے میلا ہونے والا، حسن شہرت تھی مگر غرور کہیں نہیں تھا، سادگی اس میں رچی بسی ہوئی تھی۔ کیا لڑکی تھی۔ وہی تو چاہیے تھی۔ دل مایوس کیوں ہو جاتا ہے اتنی جلدی حالانکہ اللہ اسی کے خواب دکھاتا ہے جو اس نے شے بنا رکھی ہوتی ہے۔ یہ کم بخت دل بھی ناں خود ہی سپنے دیکھتا اور پھر خود ہی مایوسی کی چادر اوڑھ کر کفر کی طرف نکل پڑتا ہے۔
اب سوال یہ ہے اس سے ملوں کیسے۔؟ کیا وہ مجھ سے ملے گی۔؟ کیا اسے مجھ سے محبت ہو جائے گی۔
مجھے تو اسے دیکھ کر یوں لگا جیسے میں کب سے اس چہرے کا عاشق تھا۔ کتنا ترسا اور تڑپا ہوا تھا۔ خواب دراصل محبت ہی کی ایک نسل کا نام ہے۔ جس سے محبت ہوگی اسی کے خواب دیکھتے ہیں۔ اس سے ملا کیسے جایا جائے۔ فیس بک پر تلاش کر لوں۔؟ نام کیا بتایا تھا اینکر نے۔۔۔ او مجھے بھول ہی گیا۔۔۔ ہاں یاد آیا۔۔۔ ''عیشل۔۔'' چلیں فیس بک پر ہی تلاش کر لیں۔۔۔ ''عیشل خان۔۔''

۲۶ اگست

فیس بک پر اسی فلاسفر کی ریکویسٹ آئی ہوئی ہے۔؟یوں تو ہر کسی کو اندھا دھن ایڈ کر لیتی ہوں مگر نجانے کیوں رومان علی پر نظر پڑی تو نام جانا سا لگا میں نے ڈی پی کھولی تو اسکی فلاسفی یاد آنے لگی۔ میں رک گئی تھی۔۔۔ مجھے تو خطرناک لگنے لگا ہے۔ میں ناٹ ناؤ کر دوں۔؟نہیں اگر میں نے ایسا کیا تو میں اس کی فلاسفی نہیں جان پاؤں گی۔ مجھے ان باتوں کا مقصد جاننا ہے کفر اور امید کا کیا چکر تھا آخر۔۔۔ یہ سب جاننے کے لیے میں اسکی ریکویسٹ ایکسپٹ کر رہی ہوں۔ زیادہ تنگ کیا تو بلاک کر دوں گی۔

☆☆☆☆☆

۳۰ اگست

میری ریکویسٹ ایکسپٹ کرنے کے بعد نہ جانے وہ کہاں چلی گئی۔فیس بک پر آتی ہی نہیں۔ میں ہر بار فیس بک اس امید سے کھولتا ہوں شاید اب اسکا رپلائی آیا ہو مگر ناکام لوٹتا ہوں۔ کیا ہو گیا اسے آخر جو آن لائن نہیں آتی۔ اتنی بزی ہو گئی کیا آجکل تو ہر میڈیا پرسن فیس بک استعمال کرتا ہے اور باقاعدہ کرتا ہے،اگر نہ کرے تو اس کے پرستار کم ہونے لگتے ہیں۔ پھر وہ کیوں نہیں آئی خدانخواستہ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اسکی۔۔ اللہ خیر کرے

۳۰ اگست

شینو کی بیٹی کے ساتھ جو ہوا وہ تو ناقابلِ بیان ہے۔ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں مجھے تو یقین نہیں آرہا،اسکی بیٹی کو اس لیے نکاح کے بعد طلاق دے دی گئی کیونکہ ماں باپ سونے کا زیور نہیں خرید سکے اور چاندی پہن رکھی تھی۔لوگ ایسے کیوں ہیں۔؟اس دن کے بعد کہیں جی ہی نہیں لگ رہا۔لوگ بے حس کیوں ہیں۔ شینو کی بیٹی خوبصورت اور گروالی ہے، شینو نے محنت مزدوری کر کے اسے بی اے کروایا۔ گھر داری کے خواب دیکھنے والی اسماء کا کیا قصور تھا۔؟اس کے ان خوابوں کا کیا قصور تھا جو پاکیزہ تھے اتنے صاف شفاف کہ جیسے موتی ہوں،اس نے جنہیں غربت کی بھٹی میں پکا کر تیار کیا تھا۔ایک ایک پل زندگی کا وقف کر کے اس نے جنہیں سجا کر تیار کیا تھا مگر خریداریوں نے اسے ٹھوکر مار کر چل دیے جیسے وہ بکاؤ ہی نہیں۔ ہاں وہ بکاؤ نہیں تھے خواب کبھی بکاؤ نہیں ہوتے اور خصوصاً وہ خواب جو ایمانداری اور خلوص سے تر ہوں۔ اسماء کے ساتھ جو ہوا وہ میرے لیے بھولنا بہت مشکل ہے۔ میں اس دن شینو کے گھر اس کے کہنے پر گئی تھی۔ اس نے مجھے خصوصی دعوت دی تو میں چلی گئی۔ تھوڑی لیٹ ہو گئی تھی میرے پہنچنے سے پہلے طلاق ہو چکی تھی۔ میں جب داخل ہوئی تو ماتم کا سماں تھا۔ اسماء کونے میں یوں بیٹھی تھی جیسے زندہ لاش۔۔۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا مگر آنکھیں پتھر بنی ہوئی تھی اور لب خاموش

اس دن کے بعد تین چار دن گزر گئے دل ہی نہیں کیا کہ کچھ کروں۔

۲ ستمبر

وہ جانتی نہیں شاید انتظار کتنا تکلیف دہ ہو رہا ہے۔انتظار انسان کا وجود لہولہان کر دیتا ہے، دل کرچیاں بن جاتا ہے، انتظار انسان کو خاموشی کے سمندر میں اتار دیتا ہے۔میری بھی یہی کیفیت ہے کچھ دنوں سے میں بھی اس قدر چپ ہو گیا ہوں کہ گھر والے سب پریشان ہو رہے ہیں۔بھیا بھابھی مسلسل سوالات کر رہے ہیں مگر میں کیا جواب دوں۔۔

۲ ستمبر

اب سوچ رہی ہوں کل سے کام کی طرف دوبارہ گامزن ہو جاؤں۔۔کب تلک اس دنیا کے دکھوں کا سوگ منائے بیٹھی رہوں گی۔اگر میں آج نہیں قدم اٹھاؤں گی تو میں بھی اس کی ذد میں آجاؤں گی۔میں نے تو دنیا کو راستہ دکھانا تھا اس طرح تو میں خود کو ہی ختم کر ڈالوں گی۔۔نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔میں دوبارہ لائف کی طرف آؤں گی یوں آؤں گی کہ کسی کو علم ہی نہ ہو سکے کہ میرے دل میں کیا چل رہا ہے۔مجھے دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے منافقت کا روپ اپنانا پڑے گا۔

۳ ستمبر

لمبے انتظار کے بعد بالآخر اس نے رپلائی کر ہی ڈالا میں بہت ہی زیادہ خوش ہوں۔آج کا دن مجھے عید کی مانند لگ رہا ہے۔مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے مجھے کھوئی ہوئی شے دوبارہ مل گئی ہو۔ہجر کے بعد وصل کا احساس یوں ہوتا ہے جیسے آپ نے عمر دوزخ میں گزاری اور جنت کا نام سنتے ہیں تپش کم لگنے لگتی ہے۔اس نے زیادہ بات تو نہیں کی۔سلام دعا ہوئی پھر پوچھنے لگی۔

''امید اور کفر کی فلاسفی کیا تھی جو میرے چہرے پر لکھی ہے۔۔''میں نے اس کا پیغام پڑا اور سوچ میں ڈوب گیا سچ بتلایا جائے یا نہیں۔پھر سوچا ابھی نہیں کچھ وقت اس سے دوسری باتیں کر لی جائیں

''یوں ہی۔۔آپ ٹینشن نہ لیں۔۔''میں نے رپلائی میں لکھا۔

''گہری باتیں یوں ہی نہیں ہو جایا کرتی ہیں۔۔''اس نے مسکراہٹ کے نشان کے ساتھ جواب بھیجا تھا

''کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو وقت پر ہی اچھی لگتی ہیں جب وقت آئے گا تو آپ کو بتا دوں گا۔''

''آپ وہ وقت بتا دیں جب میں پوچھنے آجاؤں، مجھے عجیب الجھا کر رکھا ہوا ہے آپکی فلاسفی نے۔''اس کا جواب پڑھ میں مزید سوچ کی کھائی میں اترتا گیا۔

''انشاءاللہ جلد بتاؤں گا اطیمنان رکھیے۔۔''میں نے پیغام سینڈ کیا اور اس نے واپسی میں پسند (لائک) کا نشان رپلائی کیا تھا۔

میں نے اس سے مزید بہت کچھ پوچھنا تھا مگر ہاتھ روک لیے۔سوچا رومی میاں اسی کو غنیمت سمجھ ایک ہی دن سب کچھ پوچھنے لگ گیا تو اگلے دن وہ گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔

۵ ستمبر

عجب لڑکا ہے وہ۔ نجانے کس دن کا انتظار کروار ہا ہے۔ بھلا ایک بات بتانے کے لیے بھی کوئی انتظار کرواتا ہے۔ بڑے بڑے عجیب لوگ دیکھے مگر اس سا نہیں۔ تین دن سے بات کر رہا ہے۔ ہیلو ہائے حال چال کے بعد چپ ہو جاتا ہے۔ کئی بار میں چاہ رہی ہوتی ہوں کوئی چیٹنگ کرے کیونکہ بور ہو رہی ہوتی ہوں مگر وہ نہیں کرتا۔ اس کا یوں ہاتھ کھینچ لینا کس طرف اشارہ ہے۔ چالاکی سے کام لے رہا ہے یا واقعی وہ کوئی اچھا انسان ہے۔ خیر مجھے کیا۔؟ میرا کیا لینا دینا اس سے۔؟ میں کیوں اسے اتنا سوچنے لگی۔ کبھی کبھی اپنی بے وقوفی پر میں خود ہی حیران ہوتی رہتی ہوں۔

۱۰ ستمبر

آج تو وہ کھل کر سامنے آ ہی گیا۔ میں تو پیغام دیکھ کر ہکی بکی رہ گئی۔

”ہیلو۔۔۔ میں آپ سے صاف کہہ دینا چاہتا ہوں میرے خوابوں میں آپ جانے کب سے تھیں۔۔ میں نے آپ کو دیکھا تو یوں لگا جیسے میں آپ کو جانے کب سے جانتا ہوں۔ اس سے قبل ایک رات میں شدید مایوسی کا شکار تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا شاید میرے خوابوں جیسی کوئی خدا تعالیٰ نے بنائی ہی نہیں۔۔۔ میں آپ سے کہہ دینا چاہتا ہوں جانے آپ برا منائیں گی یا آپ کا ری ایکشن کیا ہوگا مگر حقیقت یہی ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میری محبت کو ٹھکرانا آپ کا حق ہے مگر میری محبت پہ شک نہ کرنا، میری محبت پاکیزہ اور شفاف ہے بالکل موتی جیسی چمکتی ہوئی۔۔۔ آپ کہیں گی میں اپنے منہ مٹھو بن رہا ہوں مگر میں اپنی تعریف نہیں کر رہا آپ کے لیے پلنے والے اس احساس کی تعریف کر رہا ہوں جسے میں محبت کا نام دے رہا ہوں۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ مجھے ضرور بتائیے گا کیا آپ کو میری محبت قبول ہے۔؟ آپ امید اور کفر کا فلسفہ پوچھتی ہیں تو مجھے آپ کے ملنے کی امید ہے اور نہ ملی تو مایوسی جیسا کفر کر بیٹھوں گا“

میں اس کا پیغام پڑھتے ہی حواس باختہ ہو گئی تھی۔ سوشل میڈیا کو چھوڑ کر سوچوں کی دلدل میں یوں پھنس گئی کہ باہر ہی نہیں آیا جا رہا ہے۔ کیا جواب دوں۔؟ محبت کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔

۱۰ ستمبر

نجانے کیا جواب دے گی وہ۔۔ اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔؟ اس نے مجھے جواب بھی نہیں دیا سین کر کے چلی گئی تھی۔ شاید مجھے کتنا ہی برا تصور کر رہی ہو گی یا پھر ہو سکتا ہے اس کے لیے نئی بات ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کوئی مجھ سے زیادہ چاہنے والا اسکے پاس ہو۔ او اللہ اب نجانے کیا جواب دے گی۔ میرا تو دل کانپ رہا ہے۔ اگر اس نے نہ کر دی تو میں تو جیتے جی مر جاؤں گا۔ میرے سپنے چور چور ہو جائیں گے۔ نجانے اس کا کیا جواب ہو۔؟

۱۱ ستمبر

میں نے بہت سوچا مگر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسے نہ کر دی جائے۔ مجھے دنیا کے ہتھکنڈوں کے آگے نہیں آنا۔ دنیا جو چاہ

رہی ہے کہ میں اسی کی ہو کر رہ جاؤں اور کٹھ پتلی بن کر جیوں میں ایسا نہیں چاہتی اس لیے اس کو انکار کا میسج بھیج دیا مگر نجانے کیوں اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا خاموش رہا کوئی جواب نہ دیا۔ اسکا یہ عمل مجھے اندر اندر چبھے جا رہا ہے جیسے میں نے اس کے ساتھ کتنی ذیادتی کر دی ہو، یقیناً اس کا دل دکھا ہو گا۔ مجھے عجیب سی الجھن ہو رہی ہے کہ میرا چہرہ صبح سے اترا ہوا ہے۔ ممی ڈیڈی یوں تو اپنے کام میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ انہیں احساس نہیں ہوتا کوئی مر رہا یا جی رہا پھر بھی انہوں نے نوٹس لے لیا۔ ایسی بھی کیا بات ہے جو دل کو اتنا جھلائے جا رہی ہے۔ کہیں مجھے بھی اس سے محبت تو نہیں ہو گئی۔ نہیں نہیں۔۔۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔۔ مجھے ان لیلیٰ مجنوح، ہیر رانجھا والے قصوں میں نہیں پڑنا۔ لیکن میں سنگدل کیسے بن سکتی ہوں۔ میں ممی جیسی حرکت نہیں کروں گی۔

۱۲ ستمبر

میں نے فیس بک ڈی ایکٹیویٹ کر دی ہے بھلا کیا رکھ کرنا کر ایسے اکاؤنٹکو جہاں اسے بار بار دیکھ کر دل میں ہول اٹھیں۔ اس نے انکار کر کے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے۔ اس کا حق بنتا ہے کہ وہ کیسے بھی فیصلہ کرے اسکی اپنی زندگی ہے۔ اسے جینے کا حق ہے اور ویسے بھی مجھ میں ایسا کیا کہ وہ مجھے ہی منتخب کرے۔ کیوں کرے۔؟ مجھ میں تو کچھ نہیں ہے گر تو سارے اس میں ہیں۔ اسے بہت اچھا لڑکا چاہیے ہو گا، میں تو برا ہوں۔ اب تو خود سے شدید نفرت ہو رہی ہے۔ دل چاہتا ہے مر جاؤں۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو کب کا موت کو سینے لگا چکا ہوتا۔ مگر مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا ایک اللہ کی ذات ہے جو میرے ساتھ رہتی ہے۔ دنیا کی ساری محبتیں جھوٹی ہو سکتی ہیں اس ذات کی نہیں۔ اب میں اسی ذات سے ہی محبت کروں گا صرف اور صرف اسی سے۔۔۔ ہر محبت مٹ سکتی ہے مگر اللہ کی محبت نہیں مٹتی۔۔ ہر محبت کو زوال ہے مگر خدا تعالٰی کی محبت ہمیشہ عروج پر رہی۔ مجھے چلنا ہو گا اس راستے پر جہاں اللہ چاہتا ہے۔ میرے لیے اللہ کی محبت ہی سب کچھ ہو گی۔ ہاں میں ان خوابوں کو کسی کھنڈر میں دفنا آؤں گا جہاں سے کبھی گزر بھی نہ ہو۔ میرے پاس صرف اللہ کی محبت بسیرہ کرے گی۔ یہ سب پانے کے لیے، آگے بڑھنے کے لیے مجھے علم چاہیے ہو گا وہ علم جو میری روح کو تروتازہ کر دے۔ وہ علم جو میری روح کو سیراب کر دے۔۔۔ میں علم کی تلاش میں نکلوں گا ہاں میں اللہ سے محبت کروں گا۔ مجھے خوابوں والی محبت نہیں کرنی، مجھے حقیقی محبت کرنی ہے، جو سچی ہے، جہاں کوئی دھوکہ نہیں کوئی فریب نہیں ہے۔

۱۵ ستمبر

مجھے بیسٹ ماڈلز میں نومینیٹ کیا جا رہا ہے اور میں بہت خوش ہوں اتنی خوش ہوں کہ خوشی سنبھالی نہیں جا رہی۔ اب فینز کے ووٹس کی ضرورت ہے مجھے۔۔۔ میں نے سب سے پہلے یہ خبر اپنے ملازم شینخو کو دی وہ بہت خوش ہوا۔ کہتا ہے ''بی بی آپ بہت اچھی ہیں اسی لیے آپ کو کامیابی ملتی ہے۔'' بس سب اسی کی دعائیں ہیں۔ ممی ڈیڈی نے ''کنگریٹس'' کہہ کر بات ہی ختم کر دی۔ ماں باپ ایسے ہوتے ہیں گلے لگاتے ہیں اولاد کی خوشی میں خود کو رنگ لیتے ہیں مگر یہاں تو الٹی گنگا

بہتی ہے۔کوئی کسی کو پوچھتا نہیں۔کبھی کبھی حسرت سی ہوتی ہے اور میرا دل بار بار چلاتا ہے۔'' کاش میں غریب ہوتی ،میرے ماں باپ دووقت کی روکھی سوکھی کھا کر شکرادا کرنے والے ہوتے۔''
اس امیری میں کوئی اپنوں کونہیں پوچھتا تو اللہ کا شکر کون ادا کرنے لگا۔
۱۶ستمبر
آج ایک عالم صاحب مولانا طارق جمیل کی چھوٹی سی ویڈیو کلپ دیکھی جنکی باتوں نے مجھے لرزا کر رکھ دیا تھا کہتے تھے۔
'' اسے بلاؤ جو سوتا نہیں ،اسے بلاؤ جو اونگھتا نہیں ،اسے بلاؤ ڈرتا نہیں ،اسے بلاؤ جو دبتا نہیں ،اسے بلاؤ جو گھبراتا نہیں ،اسے بلاؤ جس کے لشکر ہی حد نہیں ،جسکی ذات کی حد نہیں ،جسکی طاقت کی حد نہیں ،جسکے خزانوں کی حد نہیں ،جس کی وقت کی حد نہیں ،جسکے ملک کی حد نہیں ،جسکی شاہی کی حد نہیں ،جسکی کبرائی کی حد نہیں ،جسکی عظمت کی حد نہیں ،جسکی ہیبت کی حد نہیں ،جسکے جاہ وجلال کو سوال نہیں ،جسکی ذات کو موت نہیں ،جسکی ذات کو حاجت ضرورت نہیں ،وہ کون ہے وہ اللہ ہے وہ کون ہے رحمن ہے وہ کون ہے وہ رحیم ہے وہ کون ہے وہ الملک القدوس ہے وہ کون ہے وہ السلام المومن المھیمن ہیوہ کون ہے العزیز الجبار المتکبر وہ کون ہے وہ وہ ہے جو تمہاری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔''میں دن بھر اس کلپ کو بار بار سنتا رہا ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ کو پہلی بار جان رہا ہوں
۱۹ستمبر
آج میرا موڈ سخت خراب ہے۔آج آتے ہوئے میں نے ایک ایسے بچے کو دیکھا جو ریسٹورینٹ کے باہر کھڑا روٹی کو ترس رہا تھا ،ہر استطاعت رکھنے والا ہنستا کھیلتا ،کھاتا پیتا اور چل دیتا کوئی اسے مڑ کر بھی نہ دیکھتا۔اس کا جی للچا رہا تھا ،ایک دو سے اس نے مانگا تو انہوں نے اس سے نفرت کرتے ہوئے جھڑ کا تو وہ سہم گیا تھا۔مجھے اس پر بہت ترس آیا میں نے اسے کھانا کھلایا اسے پیسے بھی دیے اور اسے گھر بھی چھوڑ دیا۔اس کے گھر جا کر مجھے پتا چلا وہ یتیم بچہ ہے اور ماں دوسروں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔اس کی ماں کو پتا چلا تو وہ اسی پر غصہ ہونے لگی تھی ،خودار تھی ناں ،مجھ سے معافیاں بھی مانگ رہی تھی۔میں نے اسے تسلی دی وہ خوش ہوئی اور میں آ گئی۔لیکن پھر بھی نجانے کیوں میرا دل سکون میں نہیں۔جانے کتنے ایسے بچے ہوں گے جنہیں ترسایا جاتا ہے اور ہمارے جیسے اٹے کٹے مڑ کر بھی انہیں دیکھتے۔پتھر دل رکھنے والے زلیل لوگ جن کے پاس رحمدلی جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔وہ انسان نہیں درحقیقت حیوان ہیں۔جو انسان اپنے اندر رحم نہیں رکھتا وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔
۱۹ستمبر
آج اسلام آباد جانے کا اتفاق ہوا وہاں ایک بزرگ ہستی سے ملاقات ہوگئی۔بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ماشاءاللہ ان کی ہستی ہی کمال کی ہے۔میرے دوست جرار کے قریبی ہیں۔میں نے جرار سے کہا کہ مجھے حقیقت کی پہچان چاہیے تو

وہ مجھے ان کے پاس لے گیا۔ وہ کمرے میں بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔
''اسلام وعلیکم!'' جرار کے تعارف کروانے کے بعد میں نے کہا
''واعلیکم اسلام بیٹا بیٹھ جاؤ۔۔'' انہوں نے مجھے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کو کہا
''بولو کیا پوچھنا ہے۔؟'' انہوں نے قدرے توقف کے بعد کہا
''بابا میں اللہ کی محبت میں ڈوبنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا
''اگر تیرا دل اس کے لیے دھڑک اٹھا تو تو محبت سے مالا مال ہو گیا۔''
''لیکن میں فنا ہونا چاہتا ہوں۔''
''محبت تک محدود رہ عشق نہ کر۔۔'' انہوں کی آنکھوں میں نمی تھی
''کیونکہ عشق تیرے بس کا کھیل نہیں ہے۔''
''کیوں بابا جی۔۔؟؟''
''کیونکہ عشق میں بڑی آزمائشیں ہیں، معشوق کا یہ کام آسان ہے اسے آزمایا نہیں جاتا عشق بار ہا کا آزمایا جاتا ہے۔ رابعہ بصری نے ایک بار کہا تھا کہ اللہ مجھے اپنا عاشق بنا لے تو آواز آئی تھی آسماں کی طرف دیکھ، رابعہ بصریہ نے جب اوپر آنکھ اٹھائی آسمان لہولہان تھا۔ بتایا گیا کہ عاشق کو عشق میں یوں لہولہان ہونا پڑتا ہے۔'' بابا جی نے بتایا
''اللہ بھی عاشق کی دوری نہیں سہتا گیا۔؟''
''ہاں۔۔''
''اسکا اجر بھی تو ہوتا ہوگا ناں۔۔''
''بہت بڑا اجر ہے یہ میں بیان نہیں کرسکتا اللہ ہی جانے اپنے عاشقوں کی منزلوں کو جانے لیکن عاشق جب پل صراط سے گزرے گا تو دوزخ کہے گی جلدی گزر کہیں میں ٹھنڈی نہ ہو جاؤ کہ میں گناہگاروں کو سزا نہ دے سکوں۔۔''
بابا جی کی باتیں مجھے اللہ کے اور نزدیک لے گئیں ہیں۔ کیا ہوگا اس عشق میں چھلنی ہی ہونا ہے تو ہونے دو، جان ویسے بھی اس کی دی ہوئی ہے اس کے لیے چلی گئی تو کیا ہو۔ پڑھوں گا میں اسکی کتاب کو جانوں گا وہ مجھ سے کیا کہتا ہے اس کے رسول ﷺ کی کتابوں کو انہوں نے کیا سکھلایا پھر جانوں گا ان عاشقوں کو جو فنا ہوئے اس کے لیے کیوں اور کیسے۔۔۔

۲۰ ستمبر

آج رات میں نے خواب دیکھا۔ ایسا خواب پہلے نہیں دیکھا کبھی بھی، میں نے دیکھا میں صالحین کی محفل میں بیٹھی ہوں اور وہ مجھے طرح طرح کے وظیفے بتا رہے ہیں کہ یہ پڑھا کرو یوں پڑھا کرو اس وقت پڑھا کرو۔ میں بہت خوش تھی۔ میرے چہرے پر نور ہی نور تھا۔ پھر میرا جانا خانہ کعبہ ہوا میں نے طواف کیا اور دعا کی۔ ''یا اللہ مجھے اپنا محبوب بندہ بنا

لے۔۔"

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے شوٹنگ کے وقت اپنے کیمرا مین سے ذکر کیا تو وہ کہنے لگا

"تمہارا دل اب شاید یہاں نہ لگے، کچھ عرصہ ہو یہاں چھوڑ دو تم سب۔۔" مجھے سمجھ نہیں آئی میں ایسا کیا کر رہی ہوں جو براہو۔ میں بدکرداری تھوڑی کر رہی ہوں پھر کیوں چھوڑوں گی یہ تو سوشل لائف ہے ناں۔

آج نجانے کیوں مجھے رومان بہت یاد آرہا ہے حالانکہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بھی وہ میرے ذہن پر چھایا سا ہے۔

۲۰ ستمبر

قرآن کلاسز لینے کے میں نے آج قدم بڑھایا ہے میں بہت خوش ہوں۔ میں جان سکوں اس علم کو جو خدا نے ہمیں دیا ہے مگر ہم غافل ہیں۔

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ

عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

قرآن میں کتنا چین ہے وہ چین جو روح روح تک ٹھنڈک پہنچا دیتا ہے۔ بابا جی نے اس دن مجھ سے کہا تھا

"جیسے جسم کی خوراک کھانا پینا ہے ایسے روح کی خوراک عبادت ہے اللہ کا ذکر ہے، یہ جب بھوکی ہوتی ہے تو یہ چلاتی ہے اور آج کا نوجوان احمق اسے کبھی شراب سے چپ کرواتا ہے اور کبھی موسیقی پر ناچ کر بھلا ایسے بھی کبھی روح سیراب ہوئی ہے۔"

قرآن میں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ اللہ پاک نے اپنے ذکر کو اتنی خوبصورتی سے بیاں کیا جو بیاں نہیں کیا جا سکتا۔ آج میں تفسیر اور تجوید کی کلاس لینے کے بعد سمندر کی طرف نکل پڑا۔ میری نظر سمندر میں موجود مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں پر پڑی تو میری زبان سے بے اختیار نکلا۔ الحمدللہ رب العالمین۔۔۔ بے شک تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ میری نگاہوں کے سامنے معلم کی تمام باتیں گھوم گئیں انہوں نے کہا تھا۔۔۔ "اللہ کے جہانوں کی تعداد ہم نہیں جانتے وہ لاتعداد ہیں، وہ اللہ بہتر جانتا ہے۔"

ہم آج تک یہی سمجھتے رہے ہم ہی ہیں سب کچھ بس۔۔۔ اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے لاتعداد عالم ہیں جو اسکی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

۲۱ ستمبر

میرے اندر ایک بے چینی سی کیوں ہے نجانے کیوں۔؟ ابھی پارٹی سے آرہی ہوں۔ خوب ہلہ گلہ گیا مگر اضطرابی سی کیوں ہے۔ جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے۔ موسیقی سننے کو بھی جی نہیں چاہ رہا جانے کیوں ایسا ہو رہا ہے۔؟ ایک ہلچل اندر ہی اندر مجھے

تنگ کیے جا رہی ہے۔ایک عجب سی کمی ہے۔کیا ہو رہا ہے حالانکہ پرسوں میرا ایوارڈ شو ہے مجھے پورا یقین ہے میں ہی جیتوں گی پھر بھی ایکسائٹ منٹ نہیں ہے۔میں کتنی خوش تھی جانے کیوں خوشی کے سارے آثار کہیں کھو گئے۔ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کچھ خاص ہی نہیں ہے۔میں نے ایک ماہ میں شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا اور پھر بھی میں مطمئن نہیں ہو رہی ایسا کیوں ہو رہا ہے۔یہ بے سبب الجھن کیوں ہے۔؟

۲۱ ستمبر

قرآن پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اللہ مجھ سے ہی باتیں کر رہا ہو میری بات کر رہا ہو۔مجھے افسوس ہے اس بات کا کہ میں نے اتنا عرصہ غفلت میں گزار دیا تھا۔ہم نے قرآن محض قسمیں اٹھانے کے لیے ہی رکھے ہوتے ہیں یا پھر پڑھ بھی لیے تو محض عبارت پڑھ لی ثواب کی نیت سے۔۔یہ ٹھیک ہے ثواب اللہ نے ایک ایک لفظ میں رکھا ہے مگر یہ بھی تو جاننا چاہیے

ناں کہ آخر اللہ کہنا کیا چاہتا ہے۔؟ کبھی ہم جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے اللہ کیا کہنا چاہتا ہے ہماری کوشش ہوتی ہے بس اللہ جان لے کہ ہم کیا چاہتا ہے۔

اللہ کہتا ہے ناں بے شک میں تمہارے لیے آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہوں پھر ہم کیوں غافل ہیں حالانکہ ہدایت قرآن میں ہی ہے۔میری آج ایک شخص سے ملاقات ہوئی ،چالیس کے لگ بھگ کا وہ آدمی تھا۔وہ سڑک کے کنارے بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔میں نے اسے دیکھا تو اس کے پاس پہنچ گیا۔

''ارے بھائی صاحب کیا ہو گیا آپ کو۔؟''میں نے پوچھا

''ارے بھائی صاحب اچھا بھلا تھا میں ایسے ہی کچھ ڈراؤنے سے خواب آنے لگے تھے تو میں ایک عامل کے پاس چل دیا اس نے پھونکیں مار مار کر میری ہڈیوں میں درد کر دیا ہے۔میں ڈاکٹر سے مرض لے کر آرہا ہوں۔۔''اس پر کپکپی طاری تھی

''کوئی اللہ والا تھا۔۔''

''میں کیا جانوں،،،بس مجھے بٹھا کر پھونکیں مارتا رہا اور میرے جوڑ جوڑ ٹوٹ گئے جیسے۔۔''

''جب جانتے نہیں ہیں تو پھر ایسے عاملوں کے پاس کیوں جاتے ہیں جو جنات کے زور سے آپکے وجود کو نہ صرف چھلنی کر دیتے ہیں بلکہ آپ کے عقیدے کو بھی کمزور بنا دیتے ہیں۔''میری باتیں سن کر اس کے ماتھے پر شکن پڑے تھے

''اب جو ہونا تھا کر دیا کچھ ایسا کرو میں ٹھیک ہو جاؤں۔۔''میں نے اس پر سورت فاتحہ پڑھ کر پھونکی اور وہ بہتر محسوس کرنے لگا۔

''کیا جادو کر ڈالا تم نے بھائی میں تو سوچ رہا تھا آج شاید زندگی کا آخری دن ہے۔''وہ حیران ہوا تھا

''سورت الفاتحہ وہ سورت ہے جسے ام القرآن بھی کہا جاتا ہے اور رقیہ بھی کہا جاتا ہے۔اسے پڑھ کر خود پر دم کیا جائے تو

اللہ پاک شفا دیتے ہیں۔ہم ہیں کہ کسی جعلی عامل کے پاس جا کر سب کچھ گنوا آئیں گے مگر اتنا نہیں کہ اللہ کو خود پکار لیں۔کہتے ہیں جب حضرت ابو سعیدؓ نے سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر اس کو دم کیا تو وہ اچھا ہو گیا تب حضورﷺ نے ان سے فرمایا"تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت ہے۔؟"میں نے کہا۔اس نے میرا بہت شکریہ ادا کیا اور دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا،

اس کے بعد وہ گھر چلا گیا اور میں بھی گھر کی طرف مڑ آیا۔

آج بھیا اور بھابھی نے میرے لیے لڑکی دیکھ لی ہے۔کل مجھے دیکھنے کے لیے جانا ہے۔میں نے کہا بھی جیسی بھی ہوئی کر لوں گا مگر بھیا اسلام بیچ میں لے آئے کہنے لگے۔اسلام ہی تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم اسے ایک نظر دیکھ لو۔میں ان کی بات سن کر چپ ہو گیا۔

۲۳ ستمبر

جانے کیوں اداسی بڑھتی ہی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔گھٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔آخر کیا ہوا جو میرے دل میں اک ارماں سا پلنے لگا ہے،حسرت سی محسوس ہونے لگی ہے جیسے میرے ہاتھ سے کچھ چھوٹ رہا ہے۔سانسوں میں اضطراب کا طوفان کیوں اٹھا ہوا ہے۔ایسا لگ رہا ہے جیسے برسوں سے کوئی میرے ساتھ رہا اور آخر میرا ساتھ چھوٹنے لگا ہے۔ایسا احساس پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ایسے تو میں پہلے کبھی چپ نہیں ہوئی۔آج تو شینو بھی بار بار پوچھ رہا تھا۔"بی بی جی آپ اتنی خاموش کیوں

ہیں۔؟"ممی ڈیڈی بھی بار بار یہی سوال کرتے ہیں اور میں مزید الجھ جاتی ہوں۔اس سوال کا کیا جواب دیا جائے جس جواب کو میں خود تلاش کر رہی ہوں۔بچپن سے لے کر آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔کل میرا ایوارڈ شو بھی ہے مجھے ہارنے کا ڈر ہے نہ جیتنے کی خوشی۔۔۔کیوں۔؟

سمجھ میں نہ آئے یہ کیا ماجرہ ہے
تجھے پا کے دل میں یہ خالی سا کیا ہے

۲۳ ستمبر

لو جی ہو گیا انکار۔۔۔میری جانب سے نہیں لڑکی والوں کی جانب سے۔۔۔میں جب ان کے گھر بھیا اور بھابھی کے ساتھ پہنچا تھا حالانکہ پینٹ شرٹ پہن کر گیا تا کہ یہ نہ کہیں بالکل ہی مولوی ہے پھر بھی سب مجھے چبھتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔گھر والوں نے جب یہ جانا کہ میں دین سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں تو انہوں نے منہ موڑ لیا۔لڑکی کو دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔

"ہمیں داڑھی والا داماد نہیں چاہیے۔۔۔ایسے لوگ عورتوں کو خوش نہیں رکھتے۔"لڑکی کی ماں اکھڑے ہوئے لہجے میں

بولی گئی۔

آجکل کے دور کے ہیں سوچ بھی ان کی آج کل ہی کی ہے۔ ہر داڑھی رکھنے والے کو مولوی تصور کر کے اسے دھتکار دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا دور ہے جہاں سنت پوری کرنا شیر کے منہ میں ہاتھ دینے کے برابر ہے۔ لوگ ایسے حقارت سے آپ کو دیکھتے ہیں جیسے آپ نے ان کے بھائی کو قتل کر دیا ہو۔ حالانکہ میں نے داڑھی حضور ﷺ کی محبت میں رکھی ان سے عقیدت رکھتے ہوئے رکھی، تاکہ میں کچھ تو حق ادا کر سکوں۔ لوگ ہنستے ہیں تو ہنستے رہیں مجھے اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے، مجھے صرف اتنی غرض رکھنی ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہے یا نہیں۔ باقی اللہ کے عاشقوں سے دنیا کب خوش ہوئی تھی۔ عشق سچا ہو تو دنیا کی پرواہ نہیں رہتی، منصور کی ایڑھیاں اس قدر پھٹ گئی تھیں کہ چڑیاں بچے نکال کر اڑا لے گئی تھیں اور اسے خبر نہ ہوئی تھی۔ وہ محو تھا اللہ کے ساتھ، اللہ کے عشق میں اس نے خود کو غرق کر رکھا تھا۔ اور جب سولی پر چڑھانے لگے تو قاضی نے کہا اسے اتنی آسانی سے موت نہیں دینی، پہلے بازو کاٹو۔ دایاں بازو کاٹا گیا تو اسے تکلیف نہ ہوئی پھر بایاں کاٹا گیا اس نے ذرہ ملال نہ کیا تو قاضی نے پوچھا۔ تمہیں تکلیف نہیں ہو رہی کیا تمہارے بازو کاٹ دیے گئے اور تم ذرہ تڑپے نہیں تو انہوں نے کہا زلیخا کی سہیلیوں نے یوسف کا حسن دیکھا تو انگلیاں کاٹ لیں تھیں تو انہیں احساس نہ ہوا تھا میں تو خدا کو دیکھ رہا ہوں مجھے تکلیف کیسے ہو۔ سچے عاشق کو کافر بنا دیا گیا تھا۔ وہ وہ کافر تھا جس کی توحید کی مثالیں زمانہ دیتا آیا اور دیتا رہے گا۔

بلھیا تو عاشق ہویا ایں رب دا ہوئی ملامت لاکھ
تینوں کافر کافر آکھدے تو آہوں آہوں آکھ

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

"عنز میں تمہیں کیا بتاں؟ ولید تو مجھ پر اک پل کا اعتبار نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں اگر تمہارا مجھ سے افیئر ہو سکتا تھا تو نجانے تمہارے شادی سے پہلے کس کس سے نا جائز تعلقات ہوں۔ کہیں آنے جانے پر پابندی ...تیار ہونے پر اعتراضات۔ آئے روز کسی معمولی سے معمولی بات پر پیٹ کر رکھ دیتے ہیں نہ بچوں کا خیال نہ میری پرواہ۔ ... ہر وقت کا شک اور مار پیٹ سے میں تنگ آ گئی ہوں......اچھا اب میں فون رکھتی ہوں دعاں میں یاد رکھنا" عالیہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

عالیہ کی باتوں کو سوچتے ہوئے ماضی کے لمحات اسکے ذہن میں نمودار ہوئے۔ "یار تم تو پرستان کی پری کشمیر کی شہزادی جیسی ہو. اتنی خوبصورت وحسین کہ تمہاری جھیل سے گہری آنکھیں کسی کو بھی تن من سے پاگل کر سکتی ہیں مجھے تو حیرانی ہوتی ہے کہ تمہیں آج تک کسی سے محبت نہ ہوئی ہو ... نہیں یار یہ تو ممکن لگتا ہی نہیں کہ کوئی تمہارے سامنے چاروں شانے چت نہ ہوا ہو"

"ہاں مدیحہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو اگر ہمیں اتنی خوبصورتی ملی ہوتی تو ہم یہ کیموفلاج جیسا عبایا کا تکلف نہ کرتے "۔ عالیہ نے اسکا زمین کو چھوتے عبایا کا مزاق اڑایا۔

"بلکل تمہیں ایم۔اے انگلش نہیں کسی مدرسے میں ملانی ہونا چاہیے تھا "۔ ماریہ کیوں پیچھے رہتی اس نے بھی مذاق اڑا کر گویا اپنا فرض ادا کیا۔

" کم از کم اپنے کیمپس میں تو تم چہرے سے اپنا یہ پردہ ہٹا سکتی ہو ناں۔۔۔ "مزید گوہر افشانی کی گئی۔۔

عنز نے چونک کر اپنی سہیلیوں کی طرف دیکھا۔اور ہمیشہ کی طرح نرمی سے گویا ہوئی۔

"دیکھو میری بہنوں ہم مسلمان لڑکیاں ہیں تو ہمیں صرف نام کی مسلمان نہیں ہونا چاہیئے ہماری ظاہریت ہماری باطنیت قول و افعال سے مسلمان ہونا بھی ضروری ہے اور اللہ نے ہمیں خوبصورتی ودیعت کی ہے تو وہ صرف ہمارے محرموں کے لیے ہے نہ کہ نمائش کے لیے ہے ... اور یار یہ کہاں لکھا ہے کہ آپ پردہ کرنے سے انگلش نہیں پڑھ سکتے ہم اور تم جانتی ہو جب پردہ کا حکم آیا تو صحابیات نے خود کو سر تا پا ڈھانپ لیا ... اور ہاں ماریہ تم ضرور بہ ضرور میرے لیے دعا کرو کہ اللہ پاک مجھے مدارس کے لیے قبول کرے میرا اشمار اپنے نیک و برگزیدہ بندوں میں کرے۔تم لوگوں کو بھی چاہیے ان فیکٹ ہر مسلمان مرد و عورت چاہے بوڑھے ہوں یا جوان سب کو دنیاوی فنون کے ساتھ دینی تعلیم سے ہی آگاہی ضرور حاصل کرنی چاہیے۔ دنیا ایک دن فنا ہو جائیگی جہاں ہم نے

ہمیشہ کیلئے رہنا ہے وہاں کی تیاری کیلئے ہمیں اپنی پوری کوشش کرنی چاہیے وہ تو ایسی دنیا ہوگی کہ جس میں نہ موت ہے نہ آزمائش بس بقا ہے ۔ میں تو صحابیات کی نقل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اس یقین کے ساتھ کہ میرا رب میرا خالق پوری امت کے ساتھ مجھے بھی حقیقی معنوں میں شریعت کا پابند بنا دے ... .
اور یہ جو تم کہہ رہی ہونا کہ میں اپنی خوبصورتی سے کسی کے دل پہ حکومت کرسکتی ہوں تو میری پیاری دوستو اللہ نے مجھے ہر کسی کے دل پہ حکومت اسلام کی سلطنت عطا کر کے دے دی ہے ۔ اور میری خوبصورتی صرف میرے محرم کے لیے ہے ۔ اور میں تو دعا کرتی ہوں کہ اللہ رب العزت اسلام کی ہر بیٹی کو باپردہ وباحیا بنائے ۔ آمین ..... اور ہاں رہی بات محبت کی تو وہ مجھے ہو چکی ہے "
عنز مسکراتے ہوئے ذرا سا رکی تو سب سہیلیوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔
"پتا ہے مجھے کس سے محبت ہوئی ہے ؟ مجھے میرے خالق سے محبت ہوگئی ہے جو میرے گناہوں کو نہیں دیکھتا میری خطاں کو نہیں گنتا مجھے بے حساب نوازتا ہے ۔ اور بس نوازتا ہے ۔ میں جب اس کی طرف ایک قدم اٹھاتی ہوں تو وہ بھاگ کے مجھے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے ۔ مجھے اپنا کیف عطا کر کے ہر سو مدد کرتا ہے ...... مجھے میرے اس مالک سے محبت ہوئی ہے جو اللہ ہے ۔ وہ صرف محبت ہے ۔ ازل تا ابد قائم و دائم ہے ۔ تم جانتی ہو جب میں دین اسلام جسے اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پسند کیا ۔ اسکی ایک شریعت پر عمل کرتی ہوں تو وہ مجھے اپنے کرم کی انتہا سے نوازتا ہے ۔ جس کے محبوب کی ایک سنت پر عمل کرتی ہوں تو وہ مجھے شہادت کے ثواب تک کا رتبہ عطا کرتا ہے" .....
"تم بھی کر کے دیکھو اس سے محبت وہ دکھ نہیں دیتا ۔ وہ تو ایسی محبت کرتا ہے جس میں نہ ہجر کا عذاب ہے نہ ہی تڑپ و دکھ کے آنسو ۔ وہ محبت جس میں ہر سانس کے ساتھ سکون ہے ... صرف سکون !!... وہ ذات تو قادر مطلق ہے محبت کی اصل حقدار ۔ میرا رب میرا پالنہار تو وہ ہے جو ہر چھوٹے بڑے اور گھناتے عیب پر بھی کشادہ دلی سے پردہ ڈال دیتا ہے ۔ وہ ہجر کی تپش میں نہیں تڑپاتا لیکن اسکی محبت کے بہانے قطرۂ شبنم کی مانند ضرور ہوتے ہیں ۔ وہ ابن آدم کی محبت کی طرح نہ بھسم کرتا ہے نہ آگ لگا کر راکھ کرتا ہے ۔ میرے مالک کی محبت نہ ہجر کا ماتم سونپتی ہے نہ رقابت کا جذبہ ۔ اسکی ذات سے محبت نہ راتوں کو تپتے صحرا کی گود میں دھکیلتی ہے نہ دن کو جبر کا قہر بنا کر گزارنے پر مجبور کرتی ہے ۔ اس ہستی کی محبت میں فانیت نہیں بلکہ باقیت کا عشق ہے لیکن ہم زمین زادے ..... اپنے جیسوں کی محبت میں پاگل ہو کر اپنے خالق حقیقی کو بھی بھول جاتے ہیں اور وہ خالق رب کتنا عظیم ہے بے نیاز کریم و رحیم ہے ... صرف ایک پکار پر کتنے لاڈ و پیار سے گناہوں میں لتھڑے بندے کو "لبیک یا عبدی " کی صدا سے نوازتا ہے ۔ لیکن یہی عبد اپنی ذات کے غرور کے نشے میں چور اپنے ہم نفسوں کو پاں کی دھول بنا کر راکھ کر دیتے ہیں ۔ ہمیں اپنے رب کی رحیمی و کریمی کو قبول کرتے ہوئے دار لبقا کی اتنی تو فکر کرنی چاہیے کہ جب موت کے بعد سوال ہو من ربک ؟؟ تو ہیہات کہنے کی بجائے اللہ ربی کہہ پائیں ۔ کل ہم سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ زندگی Thomas Hardy کے فلسفہ

حیات کے مطابق گزاری یا Thomas Stern Eliot کو Follow کرتے ہوئے بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ احکام الہی پر کتنا سر جھکایا . . یہ دنیاوی ڈگریاں دنیاوی فنون صرف دنیا تک ہیں . ہمیں اس علم سے آگاہی بھی تو حاصل کرنی چاہئے جو ہمیں ہمارے مالک حقیقی سے روشناس کروائے لیکن افسوس ہم انسان دنیا کے دھوکے میں اپنی بیوقوفیوں و جہالت کے باعث اس قدر غلطاں ہو چکے ہیں کہ محبوب حقیقی کو بھی بھول چکے ہیں مگر .... ہم انسان 'نفس کے ہاتھوں زلیل ہوا انسان 'خواہشوں کے پیچھے بھاگنے والا آدم زاد 'فنا کی تڑپ رکھنے والا اشرف المخلوقات 'ابوجہل کے انجام سے بے خبر ہو گیا . اور ایک غیر محرم کی چاہ کر کے لاحاصل کے پیچھے بھاگنا کہاں کی عقلمندی ہے؟؟ اگر ہم حقیقی محبت کو پہچان لینگے تو ہمیں مجازی محبت بھی پوری پاکی سے ودیعت ہوگی" .

"افففف یار ... اب اس دنیا میں آئے ہیں تو کیا انجوائے بھی نہ کریں؟؟ اور ولید کی محبت تو مجھ سے بہت سچی اور خالص ہے " .... عالیہ نے اک ادا سے اپنے چہرے پہ آتی بالوں کی لٹ کو پیچھے کی طرف کیا

"تم اتنے یقین سے کیسے کہ سکتی ہو؟؟ جبکہ اصل محبت تو پیدا کرنے والے کی محبت ہے . وہ خالق جس کا بخت بڑا 'شان لازوال 'نہ دھتکارتا ہے 'نہ توڑتا ہے .. ایک آنسو 'ایک پکار پر اپنی آغوش رحمت میں لے لیتا ہے . اسکی محبت میں کھوٹ نہیں ہے . اور جب ہم اسے پانے کی کوشس کرتے ہیں تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرتا دنیا کو جنت بنا دیتا ہے "" .... ماما جانی 'ماما جانی 'میں بابا کے ساتھ نماز ادا کرنے جا رہا ہوں "اس کا پانچ سالہ بیٹا اسے ماضی سے حال میں لوٹا گیا .

"جی ماما کی جان جا ! اللہ تمہیں نفس کے شر سے بچائے . صراط مستقیم پر چلائے . جا بیٹے اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے " . عنز نے اپنی جان کے ٹکڑے کے ماتھے پر بوسہ محبت دے کر دعاں کی چھاں میں رخصت کرتے ہوئے اپنے مجازی خدا کی طرف طمانیت سے مسکرا کر دیکھا اور

اپنے رب کے حضور سجدہ شکر ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی کہ مالک حقیقی نے اسے نفس کے شر سے محفوظ رکھا اور اسے اسکی ریاضتوں کا صلہ مخلص شوہر اور نیک اولاد کی صورت عطا کیا.

کوئی ضبط دے نہ جلال دے مجھے صرف اتنا کمال دے
مجھے اپنی راہ پہ ڈال دے کہ زمانہ میری مثال دے
تیری رحمتوں کا نزول ہو مجھے محنتوں کا صلہ ملے
مجھے مال وزر کی ہوس نہ ہو مجھے بس تو رزق حلال دے
میرے ذہن میں تیری فکر ہو میری سانس میں تیرا ذکر ہو
تیرا خوف میری نجات ہو سبھی خوف دل سے نکال دے
تیری بارگاہ میں اے خدا میری روز و شب ہے یہی دعا
تو رحیم ہے تو کریم ہے مجھے مشکلوں سے نکال دے

☆......☆......☆

شادی ایک خوبصورت بندھن ایک خوبصورت رشتہ، جو نا صرف دو لوگوں کے درمیان میں ہوتا بلکہ دو خاندانوں کے درمیان ہوتا ہے، جب لوگ آپس میں ملتے ہیں تو رشتوں کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے، لوگ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کے خاندان کو جاننے کا موقع ملتا ہے، پہلے وقتوں میں لوگ پیار محبت سے رشتے جوڑتے تھے اور پیار محبت کو ہی ترجیح دیتے تھے، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں دل سے شریک ہوتے تھے، ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھ کر مسئلوں کا حل تلاش کرتے تھے، بہت سے سکھ دکھ میں شریک ہو کر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور جب کسی بیٹی کی شادی ہوتی تو بیٹی کو ضرورت کی چند چیزیں دیتے اور با خوشی رخصت کرتے، اگر آج سے چودہ سو سال پہلے جائے تو آپ ﷺ نے بھی جہیز کے نام پر صرف اپنی ایک بیٹی کو ضرورت کی چند اشیا مثلاً جائے نماز، کھجور کے پتوں کا بستر، بان کی ایک چارپائی اور چکی کا سامان دیا تھا یہ سامان بھی آپ ﷺ نے خود کے پاس سے نہیں دیا بلکہ حضرت علی کے پیسوں سے لایا گیا سامان تھا یعنی حضرت علی نے اپنی بیوی کے لیے سامان خود بنایا تھا،، آپ ﷺ نے اپنی کسی بیٹی کو سامان نہیں دیا تھا،، اور تب کوئی جہیز کے نام پر سامان لیتا بھی نہیں تھا،، اور اگر آج کے وقت میں

دیکھا جائے تو جہیز تو ایک رواج بن گیا ہے، جب تک بیٹوں کے ماں باپ پاس جہیز کا پورا سامان تیار نہیں ہو جاتا وہ پریشان رہتے اور جہیز جمع کرنے کے لیے کسی حد تک بھی جا سکتے یہاں تک کہ اپنا گھر بار، زمین سب یاں تو گروئی رکھ دیتے یا پھر زمین کا کچھ حصہ بیچ دیتے یاں پھر کسی سے قرضہ لیتے پھر کہیں جا کر وہ بیٹی کی شادی کے بارے میں سوچتے تب تک چاہیے بیٹی کے بالوں میں چاندی اتر آئے اور یہ سب ماں باپ اس لیے کرتے تا کہ ان کی بیٹی کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ اپنے گھر میں سکھ رہے اس کے لئے چاہے کچھ بھی کر کے جہیز تیار کرنا ہے پھر چاہے باقی کی ساری زندگی وہ قرضہ اترنے میں لگ جائے،، بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا کہ سود پر قرضہ لے لیتے پھر وہ جھکتے جھکتے کمر دوہری ہو جاتی پر جہیز ضرور دینا ہے،، سوچا جائے تو اس میں ایک بیٹی کے والدین کا بھی کوئی قصور نہیں، اب تو رواج ہی بن گیا ہے کہ اگر ایک بندہ امیر ہے، پیسے والا ہے اور اس نے اپنی بیٹی کو زیادہ سامان دے دیا تو پھر لڑکے والوں کے منہ کھول جاتے ہیں اور وہ زیادہ سامان کی ڈمنڈ کرتے ہیں اب امیر بندہ تو ڈمنڈ پوری کر دیتا پر غریب بیچارا چکی میں پیس جاتا ہے، اب تو حالت ایسے پیدا ہو گے ہیں کہ لڑکے والے جہیز کا تقاضا خود کرتے ہیں۔ گاڑی

چاہیے، گھر چاہیے ایسے ایسے تقاضے کرتے کہ وہ چیزیں چاہیے لڑکی والوں کے گھر خود ہو نہ ہو پر لڑکے والوں کو وہ چاہیے سب،، کچھ لوگ تو خود بڑھ چڑھ کر جہیز دیتے وہ اس لیے کہ ہمارے فلحہ رشتیدار نے اتنا سامان دیا تو اب ہم کیوں پیچھے رہے، ہماری ناک کا مسئلہ ہے، ناک کٹ جائے گی، اس چکر میں اپنا گھر گروی رکھ دیتے اور بعد میں بہت سی مشکلات کا شکار ہوتے، ساری جمع پونجی خرچ کر دیتے ناک اونچی کرنے کے لیے جہیز ضرور دینا ہے،، غریب آدمی تو چکی میں آٹے کی طرح پیس جاتا ،، جیسے ہی بیٹی بڑی ہوتی باپ کو فکر لگ جاتی کہ جہیز کیسے جمع کروں بعض اوقات تو غریب کی بیٹی گھر بیٹھے ہی بوڑی ہو جاتی،،، خیر سے جب لڑکے والے رشتہ دیکھنے آتے تو وہ لڑکی کو کم دیکھتے لڑکی کے بارے میں کم پوچھتے،، گھر اور چھتوں کو ایسے دیکھ رہے ہوتے جیسے وہ اپنے لڑکے کا رشتہ دیکھنے نہیں بلکہ گھر دیکھنے آئے ہوں،،، امیر کو تو خیر زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اس کا گھر تو ٹھیک ٹھاک ہوتا پر غربت بیچارا یہاں بھی پریشان ہو جاتا اور تب ہی سمجھ جاتا کہ شاید یہاں ہماری بیٹی کی بات نہ بن پائے اور مایوسی کا شکار ہوتے،،، خیر سے کچھ لڑکیوں کی شادی تو جیسے تیسے ہو جاتی لیکن بعد میں لڑکے والوں کو خیال آتا کی جہیز کے نام پر تو بس لکڑی کا سامان ہی دیا تمھارے گھر والوں نے،،، ساس صاحبہ ایسی ایسی باتیں سونتی کہ میرے فلحہ رشتیدار کی بہو آئی 2 ٹرک سامان کے آئے،، فیرج، ٹی وی لائی ۔ میرے فلحہ رشتیدار کی بہو موٹر سائیکل گاڑی لائی تمھارے گھر والوں نے کیا دیا ہے تم کو، ساس تو ساس بعض اوقات شوہر صاحب بھی حد کرتے گاڑی، گھر تک کی فرمائش کرتے، اپنے دوستوں کا احولا دیتے کہ میرے دوست کی بیوی اتنا جہیز لیکر آئی تم کیا لائی ہو ساتھ،،؟

خدارا مت کروایسا، اپنے گھروں میں بیٹوں کو دیکھوں،، امیر لوگ زرہ کم سامان دے تا کہ یہ رسم ختم ہو اور کسی غریب کی بیٹی بیٹھی نہ رہ جائے،، آپ اپنے بچوں کو اس قابل بنائے کہ جہیز لینے کی ضرورت ہی نہ پڑے اور والدین اپنی بیٹوں کو پڑھا لکھا لیے تا کہ جہیز دینے کی نوبت ہی نہ آئے جہیز ایک لانت ہے خدارا اس رسم کو ختم کرے تا کہ اب کوئی بیٹی گھر بیٹھی نہ رہ جائے،، بیٹوں کو 2 ٹرک سامان کر کون سا خوشی مل جاتی خود بھی مشکلات میں پڑتے اور بیٹی کی زندگی پھر بھی عذاب کر دیتے سسرال والے،، اور اگر خدانخواستہ کسی بیٹی کو طلاق جیسے منحوص بات کا سامنا کرنا پڑتا تو ایسے میں یاں تو لڑکے والے سامان دیتے ہی نہیں یہ پھر سامان کی ایسی حالت کرتے کہ ایسا لگتا وہ سامان کباڑ سے خریدہ گیا ہو، تو پھر کیا فائدہ ایسے لوگوں کو بیٹیاں دینے کا اور ٹرک بھر کے جہیز دینے کا،،،، اس لانت کو آپ سب مل کر کنٹرول کریں، حکومت کو بھی چاہئے کہ ضرورت سے زیادہ سامان دینے پر پابندی لگائے تا کہ یہ رسم میرئے سے ہی ختم ہو۔ امید ہے آپ سب میری بات کو سمجھے ہونگے، کیوں کہ بیٹیاں تو آپ کے گھروں میں بھی ہیں

☆......☆☆......☆......☆☆......☆☆

دنیا میں خوش رہنا ہے تو

'اگر' 'مگر' اور 'کاش'

پہ سوچنا بند کر دیں

عدن ساحر سے کہہ رہی تھی اور ساحر کے گمان کا بت زمین بوس ہوتا جا رہا تھا۔ آج ساحر نے عدن سے کہا تھا کہ میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے شدید محبت ہے ۔ پر ساحر کو شدید جھٹکا لگا جب عدن نے جواباً تردید کرتے ہوئے کہا کہ نہیں۔۔ کچھ سانس لینے کی بعد وہ بولی کہ ساحر میں نے کہیں پڑھا تھا "ہر انسان کو کسی نہ کسی ایک ایسے انسان سے شدید محبت ہوتی ہے جس کا در حقیقت کوئی وجود نہیں ہوتا "ہاں ساحر مجھے آپ سے محبت نہیں ہے۔ ساحر اپ میری زندگی کا ایک سراب تھے جو حقیقت کہ آئینے میں کوئی عکس نہیں رکھتے، ساحر بولا۔ عدن یہ فضول فلسفہ مت بگارا کرو، پر عدن نے کہا کہ ساحر مجھے اپ سے سچ میں محبت نہیں ہے اور نہ اپکو مجھ سے محبت ہے۔ جسے مجھ سے محبت ہوگی وہ میرے ساتھ زندگی گزارے گا وقت نہیں میری روح میں اترے گا اسکا راستہ لمس ہوسکتا ہے پر منزل روح ہوگی۔ ساحر قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بولا عدن تم بھی نہ بلکل پاگل ہو وقت ہی تو ہے۔ زندگی جو ہم پل پل گزار رہے ہیں اور عدن جی اپ نے کہا تھا۔۔ !! کہ ساحر اپ میری روح کو چھو گئے ہو۔ ہاں کہا تھا پر جانتے ہو ساحر؟ سراب دور سے حقیت ہی لگتا جیسے ریت چمکنے پر پانی لگتی ہے اور پھر میں تو اپکی روح میں نہیں اتر پائی اور نہ ہی اتر سکتی ہوں۔ عدن بس کرو ایسی باتیں مت کیا کرو رات بہت ہوگئی ہے فون بند کرو اور سو جاو۔ ساحر کی لاپرواہی اور بے حسی اسے اندر تک توڑ رہی تھی ۔ عدن سسک کر رہ گئی ساحر کو تو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اسکی زندگی کا سراب ہے۔ پر یہ بات خود کو سمجھانا بہت مشکل ہوگیا تھا آنسو شدت سے اسکی آنکھوں سے بہنے لگے انہوں اشکوں سے وضو کرکے اس نے ذکر کرنا شروع کر دیا اسکے دل اور اسکے دماغ سے بوجھ ہٹنے لگا اور جانے کب اسکی آنکھ لگ گئی۔ کئی سالوں بعد اسکی ماں اسکے خواب میں آئی اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، انہوں نے اسکے بہتے آنسوں کو اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے سمجھانے لگیں . بیٹی سراب کے پیچھے نہیں بھاگتے . عدن میری بچی قسمت والے ہوتے ہیں جن کو وقت رہتے سراب اور حقیقت کے فرق سے آگہی عطا ہو جاتی ورنہ دنیا کی محبتوں کے جال صرف خودارادی سے کہاں ٹوٹتے ہیں . میری جان میں تیرے پاس نہیں تو کیا ہوا میری دعائیں ہمیشہ تیرے ساتھ ہیں . تم ڈگمگا تو سکتی ہو پر کبھی گروگی نہیں . پھر وہ بولیں اب میری بات غر سے سنو . . . .

"جو ہمیں دور سے پانی لگتا ہے نہ وہ پاس جانے پر ریت بھی ہو

سکتی اب یہ تم پر ہے کے اپنی زندگی کے اس سراب میں سے تم پانی چنتی ہو یا ریت "میرا مشورہ یہی ہے میری بیٹی پانی کو چنے اور ہتھیلیوں میں سمیٹ کر رب کے سپرد کر دے ۔ ریت چنو گی تو ذرا ذرا سی بے یقینی کی ہواوں کی زد میں رہو گی پھر میری دعائیں بھی تمھیں نہیں سمیٹ پائیں گی ۔ بس اب چپ ہو جا رو نہیں ۔ پتا ہے جو ٹوٹتے ہیں نہ وہ رب کے مقرب ہونے کے اہل ہو جاتے ہیں ۔ خود کو بکھرنے مت دو جڑ جا اس ذات پاک سے ۔ پھر کوئی سراب نہیں آئے گا صرف اور صرف محبت کا نور ہو گا اور میری عدن کی روح قرار پا جائے گی سب بت ٹوٹ جائیں گے اور دیارِ دل میں وہی رہ جائے گا جس کا یہ گھر ہے ۔ آنکھ کھلی تو عصر کا وقت ہو رہا تھا وہ کافی دیر سوتی رہی تھی پھر اٹھتے ہی اسے آنکھوں کی نمی کے ساتھ ساتھ ماں کے ہاتھوں کا لمس بھی اپنے چہرے پہ محسوس ہو رہا تھا ۔ اس کے دماغ ، دل ، روح اور آنکھوں میں سکون ہی سکون تھا اس نے آب کو چن لیا تھا اور سب سراب کہیں بہت پیچھے رہ گئے تھے ۔

☆......☆......☆......☆

دوست ہو یا پرندہ دونوں کو آزاد چھوڑ دو لوٹ آیا تو تمھارا نہ لوٹ کے آیا تو تمھارا کبھی تھا ہی نہیں ۔

افسانچہ

کربناک

تحریر: مسکان شیریں

ابو آپ اس سال بھی میری سالگرہ بھول گئے ".

چھ سالہ بیٹے نے شکوہ کیا.

کب سے بیوی بچوں کے ساتھ وقت نہیں گزارا، روزگار کے چکر میں گھن چکر بن بیٹھا ہوں.

یاسر نے یاسیت سے سوچا.

"ہیلو !

بیگم شام جلدی گھر آ جاوں گا .. کھانا اور تفریح کریں گے اپنے جگر گوشے کے ساتھ ".

"سونو !!..... تمہارے ابو کا فون تھا ... آج شام ہم گھومنے جائینگے ".

گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی.

انتظار کرتے شام سے رات ہو چلی تھی کہ

اچانک !!

دروازے کی دستک نے خوشی دیدنی کر دی.

" آہا ..... ابو آ گئے ".

لیکن !!! اگلے لمحے ایمبولینس کے سائرن نے فضا چیر کر رکھ دی ... ابو آ گئے تھے.. لیکن خاموش ..... پھر کبھی واپس نہ آنے کیلیے . ... ختم شد.

محبت کو اگر ایک بار دل میں پناہ دے دی جائے تو پھر وہ ساری عمر انسان کا پیچھا کرتی ہے -انسان قسطوں میں موت کا مزہ چکھتا ہے -محبت اگر حسین ہے تو اضطراب بھی بخشتی ہے 'اگر راحت ہے تو روح کو چھلنی بھی کرتی ہے-

آج مقدس نے ہر صورت میں اپنے نوٹس مکمل کرنے تھے اور گھر میں کوئی نا کوئی کم اسے گھیرے رکھتا تھا -لائبریری کے کھلتے ہی اس نے شکر ادا کیا اور یہ دیکھ کر زیادہ خوشی محسوس ہوئی کہ جن چار کتابوں کی اسے اشد ضرورت تھی وہ سامنے ہی موجود تھیں لیکن یہ سنتے ہی اس کے سر پر تو جیسے پہاڑ ہی ٹوٹ پڑا کہ ایک وقت میں ایک ساتھ چار کتابیں ایشو نہیں ہوتی ہیں-

" آپ ایسا مت کہیں پلیز اتنی مہنگی کتابیں میں مارکیٹ سے نہیں خرید سکتی ہوں " -مقدس کی آنکھوں میں یہ کہتے ہی آنسو آ گئے-

" کیا بات ہے مقدس؟ "مقدس کو اپنے عقب سے صارم کی آواز آئی-

" کچھ نہیں بس مجھے کتابوں کی ضرورت تھی خیر کوئی بات نہیں " -مقدس یہ کہنے کے بعد لائبریری سے باہر آ گئی لیکن جلدی میں اپنا لائبریری کارڈ وہیں بھول آئی -

"رکو مقدس "صارم یہ کہنے کے بعد اب مقدس کے سامنے موجود تھا "-یہ لیجیے مقدس آپ کی کتابیں دو آپ کے اور دو میرے کارڈ پر مل گئی ہیں "-صارم نے مقدس کا لائبریری کارڈ اور چاروں کتابیں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا-

"بہت شکریہ "مقدس یہ کہنے کے بعد ہمیشہ کی طرح بنا بات کو طویل کیے آگے بڑھ گئی-

صارم نام کا فرشتہ اس کی مشکلات کو اکثر دور کرنے لگا تھا مگر وہ ہی طبقاتی کشمکش درمیان میں حائل ہو جاتی ہے-جس کی بدولت بہت سی محبت کی داستانیں ہمیشہ کے لیے ادھوری رہ جاتی ہیں-

ان کہے الفاظ کا کرب انسان کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے-مقدس اب یہ ہی دعا کرتی تھی کہ جس عذاب سے وہ گزر رہی ہے اس کا سامنا کبھی بھی صارم کو نا کرنا پڑے -وہ ہمیشہ یوں ہی ہنستا مسکراتا رہے -غم اسے چھو کر بھی نا گزریں " -مقدس آپی آج آپ نے دیر کر دی آنے میں -کھانا تیار ہے کھا لیجیے "-مقدس کی چھوٹی بہن نے ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے اپنی آپی کا استقبال کیا تھا-

"تم کھا لو گڑیا -مجھے آج بھوک نہیں ہے "-مقدس نے کتابیں

ٹیبل پر رکھ دیں اور آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔
مقدس اور نورین دو بہنیں تھیں -والد کا قریب ہی ایک جنرل سٹور تھا -نورین پرائیویٹ بی اے کر رہی تھی جبکہ مقدس ایم۔ اے انگلش کے فائنل ایئر میں تھی۔
آج یونیورسٹی میں گہما گہمی تھی لاہور کے تفریحی مقامات کی سیر اور ٹرپ کی خوشی ہر کسی کے چہرے پر دیکھی جا سکتی تھی۔
"مقدس آپ نہیں جا رہی ہیں کیا؟ "صارم وہاں بھی پہنچ گیا تھا جہاں مقدس کو امید بھی نہیں تھی " -آپ یہاں سرائیکی ڈیپارٹمنٹ میں؟ "مقدس حیرانی کے عالم میں فقط اتنا ہی پوچھ سکی "-جی آپ انگلش ڈیپارٹمنٹ چھوڑ کر یہاں آ سکتی ہیں تو ہم بھی کہیں بھی جا سکتے ہیں محترمہ "-صارم نے اپنے چہرے پر اک دلفریب سی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔
"نہیں میں ٹرپ کے ساتھ نہیں جا رہی -مجھے گھومنا پھرنا پسند نہیں ہے "-مقدس نے مختصر سا جواب دے کر بات ختم کر دی۔
اتنا نا پڑھا کریں ٹاپ آپ ہی نے کرنا ہے "صارم نے پھر سے ایسی بات کی جس کی وجہ سے مقدس کو تفصیل دینی پڑے۔
"نہیں صارم اب کی بار ٹاپ آپ ہی کریں گے -انگلش کافی اچھی ہے آپ کی -آپ کو پڑھنا نہیں پڑتا ہے "-مقدس چاہتی تھی کہ صارم اس سے ایک قدم ہمیشہ آگے ہی رہے -
"شکریہ .....مقدس لیکن رزلٹ والے دن میں سی جی پی دیکھے بغیر ہی آپ کو مبارک باد دے دوں گا کیونکہ مجھے یقین ہے آپ کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی "-چلیں اب آپ پڑھائی کیجئے میں چلتا ہوں "-
صارم یہ کہنے کے بعد چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن دل میں بسنے والے خوشنما احساس کی مانند ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔
مقدس یار تم بھی چلتی تو اتنا مزہ آتا یار -پوری کلاس تھی سوائے تمہارے اور صارم کے "-زرمینہ کی اس بات سے مقدس چونک گئی۔
"مقدس ہمیں تو اس کی سمجھ نہیں آتی -آج کل فلاسفر بنا ہوا ہے۔ "زرمینہ مسکراتے ہوئے چلی گئی لیکن مقدس کی کشمکش بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔
آج مقدس دل چاہ رہا تھا کہ بیوجہ ہی خوش ہو کے دیکھ لیا جائے۔ زندگی اتنی بھی تلخ نہیں اور اب تو صارم کی آنکھوں میں بھی محبت کے دیپ جلتے ہوئے محسوس کیے جا سکتے تھے -شام کی مٹیالی رنگت بڑی دلفریب لگ رہی تھی -آج مقدس کے جتنے خوابیدہ خواب تھے ان کی زندگی کا رنگ شامل ہو گیا تھا -
آج الوداعی پارٹی تھی -بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں دوبارہ زندگی میں دیکھ پانا ممکن نا تھا لیکن صارم آج مقدس کو بتا دینا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں اس کا کیا مقام ہے لیکن آج پورے دس دن گزر چکے تھے مقدس کی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے؟ کیسی ہے؟ اس تنہائی پسند لڑکی کی تو کوئی قریبی دوست بھی نا تھی جس سے پوچھا جا سکتا کہ وہ ٹھیک ہے نا؟ کیوں چھوڑ دی یونیورسٹی؟ اس دوران رزلٹ بھی آ چکا تھا اور مقدس نے ٹاپ کیا تھا -کچھ لڑکیوں سے صارم نے مقدس کے بارے میں معلوم کیا انہوں نے یہ بتایا کے جب سے وہ آ نہیں رہی اس کا سیل نمبر بند ہے۔
لامحدود سی اداسی نے صارم کی ہنسی چھین لی تھی -وہ جیسے ہی اپنے گھر پہنچا تو سامنے اپنے انکل کی گاڑی کو کھڑا پایا -صارم کے چچا کی ایک ہی بیٹی تھی -صارم کی طرح ہی اکلوتی 'خوبصورت اور ذہین -

"صارم آپ کہاں تھے؟ ہم کب کے آ گئے لیکن آپ نے اتنی دیر کر دی آنے میں" یہ وہ پہلا جملہ تھا جو غزل نے صارم کو دیکھنے کے بعد کہا۔

" کیسی ہو غزل ۔انکل اور آنٹی کہاں ہیں؟ لگتا ہے آج دوبارہ ان کے بغیر ہی آ گئے ہو؟ " آج پہلی بار صارم کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔

"ہاں جی ... گھر میں بور ہو رہی تھی سوچا آپ کی طرف آ جائیں ۔یہ تو بتا اتنے اداس کیوں ہو؟

آج پارٹی تھی ۔خوب رونق ہو گی وہاں لیکن تمہارا چہرہ تو کچھ اور ہی بتا رہا ہے "-غزل اب سنجیدہ تھی " -غزل اک لڑکی تھی زندگی جیسی مگر شاید وہ اب میری زندگی میں کبھی واپس نہیں آ سکے گی ۔مجھ سے کھو گئی وہ کاش میں اسے بتا دیتا کہ کتنی محبت ہے مجھے اس سے ۔کاش اتنی دیر نا ہوتی "-صارم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی ۔آج پہلی بار غزل نے اسے اتنا بے بس دیکھا تھا ۔

"صارم وہ لڑکی بہت خوش قسمت ہے کہ اس نے تمھارے دل میں اپنی جگہ بنا لی ۔میں وعدہ کرتی ہوں تم سے کہ مجھ سے جتنا ہو سکا میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کروں گی " -غزل نے صارم کو احساس دلا دیا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کی ہر مشکل میں اس کے ساتھ رہے گی۔

"مما میں سوچ رہا ہوں میں اور آپ ڈیڈ کے پاس کینیڈا چلے جائیں مجھ سے اب پاکستان میں نہیں رہا جا رہا ۔میری گھٹن بڑھتی جا رہی تھی "-صارم نے آج وہ بات اپنی والدہ سے کر دی جو روز سوچا کرتا تھا۔

"بیٹا تم تو بہت خوش مزاج تھے اچانک کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ " -صارم کی والدہ بہت دنوں سے صارم کے لیے پریشان تھیں "

مما آپ کا بیٹا یہاں رہا نا تو مر جائے گا "-صارم اپنے آنسوں کو روک نہیں پایا ۔

"اللہ نا کرے بیٹا کیسی باتیں کر رہے ہو ۔تم میں تو میری جان بسی ہے ۔ایسا پھر کبھی مت کہنا "-صارم کی والدہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"سوری مما ......دوبارہ ایسا کچھ نہیں کہوں گا "-صارم اتنا کہنے کے بعد بجھے دل کے ساتھ ٹیرس کی جانب چل پڑا ۔گیٹ پر ایک خاتون کو گارڈ نے روکا ہوا تھا وہ اسے اندر نہیں آنے دے رہا تھا ۔صارم یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اور اب وہ گیٹ پر پہنچ چکا تھا یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا بات ہے کیوں وہ خاتون اندر آنا چاہتی ہے؟ " کیا بات ہے خالہ جی؟ "صارم نے بہت ادب سے سامنے کھڑی خاتون سے سوال کیا۔

"بیٹا سارا شہر جانتا ہے مجھے یہاں تک کہ کریانہ اسٹور کے اصغر صاحب بھی جانتے ہیں مجھے ۔آج پہلی بار آپ لوگوں کے بنگلے کی جانب آئی ہوں کڑھائی والی شال لے کر اور دیکھو تمہارا گارڈ مجھے اندر آنے سے روک رہا ہے "-اصغر نام سن کر صارم کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اسے بہت قیمتی خزانہ مل گیا ہے ۔یہ رومقدس کے والد کا ہی ذکر تھا ۔صارم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا ۔

"خالہ جی آپ اندر آ جائیں "-صارم اب اس خاتون کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا تھا۔

"جی تو اب آپ بتائیں کیا بتا رہی تھیں آپ اصغر صاحب کے بارے میں؟ "صارم آج سب کچھ جاننا چاہتا تھا کہ آخر ایسا بھی کیا ہوا تھا مقدس کے ساتھ کہ پھر وہ دوبارہ نظر ہی نہیں آئی " -

بیٹا بہت اچھے لوگ تھے وہ لیکن اچھا نہیں ہوا ان کے ساتھ ۔بچیوں کی نانی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ لوگ لاہور چلے گئے

وہاں جو ہوا اللہ کسی کے ساتھ نا کرے ایسا " ۔پھر وہ خاتون سوگوار لہجے کے ساتھ خاموش ہو گئیں۔

" کیوں کیا ہوا تھا؟ "صارم کی ہمت اب ختم ہوتی محسوس کی جا سکتی تھی۔

"وہیں لاہور میں ان کی بڑی بیٹی مقدس کا انتقال ہو گیا ۔ایک گاڑی سے ٹکرا گئی اور اسی وقت اللہ کو پیاری ہو گئی ۔بہت اچھی لڑکی تھی ۔وہیں لاہور میں دفنا دیا گیا تھا اسے " ۔صارم کو یوں لگا کہ جیسے اس کے پاں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔

اس خاتون کا سیل فون بج رہا تھا لیکن صارم اس سب سے بیخبر تھا ایک لمحے میں یوں لگا کہ جیسے دنیا اجڑ گئی ہے " ۔اچھا بیٹا میں چلتی ہوں بیٹی کی کال آ رہی تھی پھر کبھی آ جاں گی آپ کی طرف "۔یہ کہ کر وہ خاتون ڈرانگ روم سے باہر چلی گئی۔ صارم کئی گھنٹے خاموشی سے وہیں بیٹھا رہا ۔خود کو یہ سمجھانا آسان نہیں ہوتا ہے کہ جس سے انسان بیپناہ محبت کرتا ہو اور جو انسان ہماری کل کائنات ہو وہ اس دنیا سے ہی چلا جائے۔

"بیٹا میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھ سکتی ہوں میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں تم غزل سے شادی کر لو "۔صارم کی والدہ اپنے بیٹے کو یوں اذیت کے ہاتھوں سپرد نہیں کر سکتی تھیں " ۔ایسا نا کریں مما آپ ہاتھ جوڑ کر مجھے شرمندہ مت کیجئے ۔اگر اسی میں آپ کی خوشی ہے تو میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن شادی دھوم دھام سے نہیں سادگی سے ہو گی " ۔ٹھیک ہے بیٹا جیسے تم چاہو آج تم نے مجھے بہت بڑی خوشی دی ہے " ۔صارم کی والدہ کو وہ ملا جوان کے دل کی خواہش تھی جبکہ صارم نے وہ کھو دیا تھا جو اس کی اولین ضرورت تھی ۔

"یار کہاں ہوتے ہو آج کل؟ تم تو جانتے ہو میں بیحد مصروف ہوتا ہوں کلرک جو ہوں ۔نیے داخلے ہو رہے ہیں ۔میرٹ لسٹ دیکھنے جا رہا ہوں ۔بس تم آج آ رہے ہو میں کوئی اگر مگر نہیں سنوں گا "۔ صارم کے دوست نے آج کافی دنوں کے بعد اسے کال کی تھی ۔

آج یونیورسٹی کے سب ہی منظر اداس اور خاموش سے لگ رہے تھے ۔سب ہی کچھ تو ویسا ہی تھا ۔بس اس کی کمی تھی جواب کہیں نہیں تھی "مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا ۔میرا وجود تو پہلے ہی سینکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا ہے " ۔صارم نے خود سے ہمکلامی کی ۔صارم کے دوست ریحان نے اسے یہاں کیوں بلایا تھا یہ تو خود صارم بھی نہیں جانتا تھا ۔

"یار میم مقدس کتنا اچھا لیکچر دیتی ہیں نہ ۔بہت ذہین ہیں وہ "۔ صارم نے اپنے قریب سے گزرتی ہوئی دو لڑکیوں کو یہ کہتے سنا۔ اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کے جو اس نے سنا ہے اس میں مقدس کا ہی ذکر تھا ۔ریحان نا جانے کہاں تھا لیکن اب صارم پورے ڈیپارٹمنٹ میں دیوانہ وار چکر لگا رہا تھا اور آخر کار وہ چہرہ اسے نظر آ ہی گیا جسے دیکھ کر اس کے دل کو سکون ملتا تھا ۔جو تو روز کہنا چاہتا تھا کہ صارم ہمدان کو صرف اور صرف ایک ہی لڑکی سے مات ہوئی ہے اور وہ مقدس ہے ۔

"مقدس کہاں چلی گئی تھی تم؟ اس طرح سے کیوں سب کچھ چھوڑ دیا ۔صرف ایک بار جانے کی وجہ بتا دیتی تم تو مجھے شاید تھوڑا سا سکون مل جاتا اس قدر رنج ۔و ۔ملال تو نا ہوتا ۔میں آج بھی صرف تم سے محبت کرتا ہوں "۔صارم تو اپنی بات مکمل کر چکا تھا اور اب جواب کا منتظر تھا "۔

"صارم ایک حادثہ میری زندگی بدلنیکے لیے کافی تھا ۔کانچ کا میری آنکھوں میں چبھنا اور پھر میرا نابینا ہو جانا میرے لیے بہت

تکلیف دہ مرحلہ تھا - میں اپنی بینائی کھو چکی ہوں - میں نہیں چاہتی تھی میری زندگی کے اندھیرے کے تم بھی حصے دار بنو - یہ دکھ صرف میرا ہے - میں اس میں کسی اور کو شریک نہیں کر سکتی - تم بہت اچھے ہو - تمہیں بہت سی لڑکیاں مل جائیں گی "- مقدس نے یہ الفاظ بڑی مشکل سے ادا کئے -

" تمہیں کیا لگتا ہے مقدس تم جو بھی کہو گی میں مان لوں گا؟ محبت ہر صورت میں ساتھ نبھانا جانتی ہے میں صرف تمہارا ساتھ ہی نہیں چاہتا تمہارے ہر غم میں برابر کا حصہ دار بننا چاہتا ہوں " - صارم کو آج اس کی کھوئی ہوئی مسکراہٹ مل گئی تھی-

اتنے میں صارم کے دوست ریحان کی کال آ گئی " - صارم زرا باہر لان میں آنا ایک ضروری بات کرنی ہے " - صارم مقدس کو یہ ہدایت کرتے ہوئے باہر چلا گیا کہ وہ کہیں نہیں جائے گی یہیں رہے گی کچھ دیر - اگلے دو منٹ بعد صارم ڈیپارٹمنٹ کے باہر آ گیا تھا -

"صارم غزل کی کل کال آئی تھی میرے پاس - اس نے مجھے کہا کہ میں اس کا کام کر دوں - ایک خاتون کو بھیجا تھا اس نے تمہارے گھر جس نے مقدس کی موت کی جھوٹی خبر دی تھی تمہیں- یہ غزل کی چال تھی اور یہ سب اس نے تمہیں پانے کے لیے کیا- اب جب خود ہی اسے احساس ہو گیا ہے تو اس نے پاکستان چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے - وہ چاہتی تھی جانے سے پہلے تم دونوں کو ملوا دے - اب تک وہ کراچی پہنچ چکی ہو گی اور آج رات تک ملک بھی چھوڑ دے گی - بس وہ چاہتی تھی کہ تم اسے معاف کر دو "- ریحان نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جو اس نے غزل سے کیا تھا -

"واہ جی واہ آپ تو ابھی تک وہیں بیٹھی ہیں جہاں میں آپ کو چھوڑ کر گیا تھا " - صارم اب مقدس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا " - صارم اب مجھے سہاروں کی ضرورت ہوتی ہے ابھی بھی وقت ہے واپس پلٹ جا - ساری زندگی تمہاری خوشیوں کی دعا کرنے والی لڑکی تمہیں اپنا غم نہیں دے سکتی ہے " - مقدس کی بات سے صارم کی مسکراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا-

" چھوڑو لڑکی یہ ہجر - و - ملال کی باتیں - یہ بتا کہاں چلی گئی تھی؟ صارم مکمل حقیقت جاننا چاہتا تھا " - صارم میں لاہور چلی گئی تھی وہیں یہ حادثہ ہوا تھا - ممانی کے گھر میں ہر سہولت میسر تھی - ان کی دو بیٹیاں ہیں انہوں نے میرے والدین سے کہا کہ کچھ عرصہ کے لیے مجھے وہیں ان کے پاس رہنے دیں - ابھی یہاں ایک ہفتہ قبل واپس آئی ہوں - جاب تو سکالرشپ پر ملی ہے میں بس تھوڑی مصروفیت چاہتی تھی - یونیورسٹی والوں کی مہربانی ہے کہ میری اندھیری زندگی میں امید کی کرن کو بجھنے نہیں دیا اور مجھ پر بھروسہ کیا - مجھے لگا تمہاری شادی ہو گئی ہو گی-

"جی وہ تو اب ہو گی میم مقدس کے ساتھ " - آج اکیلا صارم ہی نہیں اس کے ساتھ مسکرانے والوں میں مقدس بھی شامل ہو چکی تھی - آج محبت کی ایک کہانی ہمیشہ کے لیے معدوم ہونے سے بچ گئی تھی - سچی محبت کے سامنے ہر اندھیرے کی مات ہو گئی تھی-

☆......☆......☆......☆

اُفق پہ ابھرتے سورج نے اس کی آنکھوں میں بھرے اندھیروں سے انجان کائنات ہر چیز کو اپنی روشنی بانٹنے کا آغاز کیا -وہ پھولوں کے خواب بنتی خوش رنگ تتلیوں کی سہیلی ہنستی گاتی لڑکی- ہر کسی کا خیال رکھتی پیار لٹاتی مبشرہ - مبشرہ نام کی ہی مبشرہ نہ تھی خوش مزاج , خوش شکل ہر کسی کے دل میں گھر کرنے والی خاندان بھر کی خوشی تھی -لقمان صاحب سنتے ہیں اسد کو میڈیکل میں داخلہ مل گیا ہے - مبشرہ کی ماں خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی مگر مبشرہ کے باپ کے چہرے سے پریشانی واضح محسوس کی جا سکتی تھی -ہمارا بیٹا بہت محنتی ہے ضرور ڈاکٹر بن جائے گا - مبشرہ کی ماں لقمان صاحب کی ہر پریشانی سے لاتعلق بیٹے کی خوشی پہ نہال ہوئے جارہی تھی-

تم اچھی طرح جانتی ہو میں اتنے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا کب تک مبشرہ ہمارا ساتھ نبھائے گی-اس کی اسکالرشپ پہ حاصل کی ساری تعلیم ہمارے کام آرہی ہے مگراس کی نوکری پہ اس کا بھی حق ہے ہمیں اس کی شادی کا سوچنا چاہیے -لقمان صاحب نے اپنی پریشانی خود ہی بیان کردی - کچھ نہیں ہوتا چند سال ہی کی تو بات ہے ہمارا بیٹا کچھ بن جائے گا تو سارے مسلے حل ہو جائیں گے - مبشرہ کی ماں بجائے تسلی دینے کے بیزاریت سے بولی - بیگم ہماری مبشرہ کی شادی کی عمر نکلی جارہی آپ صرف اپنے بیٹے کا سوچ رہی ہیں -چپ ہی رہیں آپ میرے اتنے اچھے موڈ کا ستیاناس کرنا آپ کا ہمیشہ سے پسندیدہ کام ہے -ہو جائے گی مبشرہ کی شادی بھی سو جائیں آپ مبشرہ کی ماں نے کروٹ بدل کے آنکھیں بند کرلی-

"شائید بیگم ٹھیک ہی کہہ رہی ہے- مبشرہ کی تنخواہ سے ہی تو اسد کی تعلیم اور گھر چل رہا ہے میری تنخواہ تو بل اور گھر کا کرایہ دے کے بچتی ہی کیا ہے - مبشرہ کی شادی کے اخراجات بھی تو کرنے ہوں گے شائید ابھی یہ سب یونہی چلتے رہنا بہتر ہے "-لقمان صاحب نے خود کو تسلی کی تھپکی دیتے ہوئے سلانے کی سوچی-

چند سال کیا مبشرہ کی زندگی کے یوں لگتا تھا جیسے کتنے ہی سال گزر گئے ہوں -ذہین سی لڑکی کے چلبلے سے چہرے پہ وقت نے سنجیدگی لکھ دی" -اسد میں آپ کو بتارہی ہوں یہ مبشرہ کا پہلا اور آخری رشتہ ہے میری مانیں کچھ مت سوچیں "-اسد کی بیوی کہہ رہی تھی - مبشرہ کی ماں نے اسد کے ڈاکٹر بنتے ہی اسد کی شادی کردی" - کیوں پہلا اور آخری کیوں "?اسد نے پوچھا -میں جب سے اس گھر میں آئی ہوں کیا اس کا کوئی رشتہ آیا "?اسد کی بیوی نے گود میں لیٹے عاصم کو تھپکتے ہوئے سوال کے جواب میں

سوال کر دیا "۔ میں بتا رہی ہوں عفت میری بہت اچھی دوست ہے میں تو انکار کے حق میں نہیں ہوں ۔ ویسے بھی آپ کی بہن کی جو عمر ہے اس میں ایسے ہی رشتے آئیں گے ۔ شکر کریں طلاق والا نہیں ہے بیوی فوت ہو چکی ہے بچے بھی چھوٹے نہیں کہ مبشرہ کو سنبھالنا پڑیں۔ آپ بس امی ابو کو راضی کریں "۔ اسد کی بیوی نے اپنا فیصلہ سنا دیا" ۔ ٹھیک ہے میں صبح امی ابو سے بات کرتا ہوں "۔ اسد نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

مبشرہ نے تو ساری عمر ہی فرمانبرداری میں گزاری تھی اب انکار کیسے کر دیتی ۔ ا"میرے دو ہی بیٹے ہیں مجھے دنیا جہان کی ہر دولت سے زیادہ عزیز اور اب آپ کو بھی ہر رشتے سے زیادہ ہمارے بیٹوں کو عزیز رکھنا ہوگا ۔ میرا چھوٹا بیٹا تو ابھی آٹھویں میں ہے اور بڑا ایف ایس سی فائنل میں ہے میری خواہش ہے میرا بیٹا آپ کے بھائی کی طرح ڈاکٹر بنے مگر میری مالی حیثیت اجازت نہیں دیتی کہ میں اپنی خواہش مکمل کر سکتا اس لیے میں آپ سے شادی پہ رضا مند ہوا کہ آپ میرے ساتھ مل کے ہمارے بچوں کی تعلیمی ذمہ داری بانٹ لیں ۔ عفت نے آپ کی بے پناہ تعریف کی ہے امید ہے آپ ہر تعریف پہ پورا اتریں گی۔ "مبشرہ نظریں جھکائے بے حس و حرکت احکام سنتی رہی " ۔ ایک بات مزید ہمارے لیے ہمارے دو بیٹے کافی ہیں اس لیے آپ کبھی اور بچے کی خواہش نہیں کریں گی "۔ پھر اس کے بعد رات کیسے کٹی مبشرہ کو خبر نہیں ۔ پہلو میں لیٹے پرسکون نیند سوئے وصی اللہ کی آواز کی گونج مبشرہ کی سماعتوں پہ مسلسل کرب برسا رہی تھی اور آنکھیں ماتم کرتی کرتی نئی زندگی کی نئی صبح سے بیزار تھکن سے چور رہی تھیں۔

نئی زندگی کی نئی صبح سے بیزار تھک کے چور ہو چکی تھیں۔

افسانچہ

زہر

افسانہ نگار عریشہ بخاری

Email: khushboodigest@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7190339

مجھے زہر چکھنا تھا اور یہ خواہش گھر سے جنم لے بیٹھی تھی، میں قسمت کے ساتھ لڑنا نہیں جانتی تھی، میں چھوٹی سی لڑکی تھی حالات سے لڑنے کا مجھے شعور ہی نہیں تھا، بس کسی مووی میں دیکھا تھا کہ زہر کھانے سے یا پینے سے انسان مرجاتا ہے۔ پھر وہ دن تھا اور زہر کی تلاش تھی۔ میں حساس تھی بچپن سے پاگل سی لڑکی جو اپنے آپ سے لڑتی ہواں سے جھگڑنے لگتی کبھی درختوں، کبھی پھولوں سے تو کبھی پانی سے شکایت کرتی ۔ برداشت اتنی کے پہاڑ سے گر کر بھی سنبھل جاتی، حساس اتنی کے آنکھوں کے شعلے جلا دیتے۔ اسی نوک جھونک میں زندگی نے زہر کو چکھنا لازم بنا دیا۔۔ پر میں نے زہر دیکھا بھی کب تھا؟ اس کی تلاش تھی اسی تلاش میں ایک زہر کے لئے میں زندگی کے ہزاروں زہر پی گئی. اس وقت زہر کا رنگ، نسل، شکل میرے لئے اہم تھے ۔ ذرا سی تکلیف میں وہی یاد رہتا کہ کاش زہر ہوتا ! بات زندگی کے ساتھ بڑھتی گئی، پھر وقت اور حالات نے رشتوں کے زہر کے ساتھ ساتھ دوستی کے زہر، زمانے کے زہر، مقصد کے زہر، خواہشات کے زہر، احساسات کے زہر، کھونے کا زہر، بچھڑنے کا زہر، اتنے زہر پلائے کہ اب میری رگوں میں زندگی نہیں زہر ہے۔ میرا دل اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اب کوئی خواہش شدت ہی نہیں لیتی۔ اب خوفزدہ ہوں کہ میرے اندر جو اتنا زہر جمع ہے اس سے کسی زندگی میں زہر نہ آئے، کیونکہ جتنا میں نے زہر پیا ہے اتنی میری عمر کی برداشت ہی نہیں تھی۔ ☆......☆......☆......☆

سفیان کی آنکھوں مین خوشی کے ڈھیروں جگنو جگمگا رہے تھے اور چہرا تمتمار ہا تھا . وہ پر جوش قدموں سے چلتا ہوا ماں کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا .

"السلام وعلیکم .. مما جان "... !

"وعلیکم السلام .... میرا بیٹا آ گیا ھے "....

یاسمین نے سفیان کے چہرے کو دونوں ھاتھوں سے تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا.

"آج بہوت خوش لگ رہے ہو؟ کیا بات ھے؟ "

"مما !... آج مین بہوت خوش ھوں . آج میری برسوں پرانی آرزو پوری ھوگئی .... مما آج میرا ایک ادھورا خواب پورا ھوگیا..؟ اس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا. یاسمین حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ کر بولی " کیا اب بھی تمہاری کوئی آرزو باقی تھی؟ اپنے شہید باپ کا خواب پورا کر لی نے کے بعد بھی؟"

"مما جان "...! سفیان نے اپنی ماں کے دونو ھاتھ تھام کر آنکھوں سے لگانے اور بولا "مما ... ! یہ بھی پاپا کا ھی خواب تا جو آج پورا ھوا ھے اللہ کی مہربانی سے ... اور اتنا ھم تھا جتنا پاپا کا وہ خواب کہ مین بھی ان کی طرح آرمی جوان کروں اور وطن کی خدمت کروں ".

"میرا بیٹا کچھ بتانے گا بھی کہ نہی ..؟ یاسمین مسکرا کر بولیں. سفیان نے سر جھکا لیا اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں .

"مما کی جان کیا ھوا..؟ "یاسمین بے چین ھوگئیں

"مما مین بہوت چھوٹا تھا جب پاپا کی شہادت ھوئی "... سفیان بھرائی ھوئی آواز مین بولا" مگر مجھے یاد ھے پاپا کی باتیں انکی شہادت ...اور آپ کی وہ سب مشکلیں، تکلیفیں جو آپ نے میری اور آپیا کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے لئے اٹھائیں ......اور مجے یہ بھی یاد ھے جب پاپا آپ کے لئے سونے کے کنگن لائے تھے تو آپ اور پاپا کتنا خوش تھے ..اور جب میری پڑھائی کے لئے آپکو پاپا کی لائی ھوئی نشانی بیچنی پڑی تو آپ ایک بار پھر ٹوٹ کر رو ی تھیں . مین نے اسی وقت خود سے عہد کیا تھا کہ آپ کے کنگن واپس لاں گا کیوں کہ آپ شہید کی بیوہ ھیں اور شہید کبھی مرتے نہیں ... مین پاپا کا کوئی خواب ادھورا نہیں رہنے دینا چاھتا تھا اس کے لئے مین نے دن رات محنت کی آرمی مین سلیکٹ ھوا. ان کی طرح آفیسر بنا اور اس دن سے پیسے جمع کر رھا ھوں جس دن سے خد سے عہد کیا تھا کہ آپ کے کنگن بلکل ویسے

ھی لاں گا جیسے پاپا لائے تھے ... اور آج .. ... آج مما جانی میرا یہ خواب بھی پورا ہوگیا "
سفیان نے بیگ سے کنگن کا ڈبہ نکالا اور کھول کے ماں کے سامنے رکھا .... یاسمین حیران رہ گیں بلکل اسی طرح کے جگمگاتے کنگن ان کی آنکھوں کے سامنے تھے جیسے شہید ابرار ان کے لئے لائے تھے
یاسمین نے ڈبڈباتی آنکھوں سے بیٹے کی طرف دیکھا تو کنگن سے زیادہ چمک بیٹے کی آنکھوں مین دیکھی.... تڑپ کر سفیان کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بولی "ان کی سب سے پیاری اور قیمتی نشانی تو تم ھو.... تم سلامت رہو میرے لئے بھ ھی سب کچھ ہے .... جیتے رہو اللہ ھر ماں کو تم جیسا بہادر اور محبت کرنے والا بیٹا دے.. آمین "
خوشی سے برستی آنکھوں اور لرزتے ھاتھوں سے سفیان ماں کو کنگن پہنانے لگا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

سو لفظی کہانی

جب وہ شخص میری زندگی میں نہیں رہا تو اب میں جی کر کیا کروں گی...."
اپنی کلائی کی رگیں کاٹتے اس کی آخری سوچ یہی تھی....
ہوش میں آنے پر وہ اپنے ماں باپ سے نظریں تک نہ ملا سکی...
ماں پوری رات مصلے پر سجدے میں پڑی رہی...
باپ اپنی عزت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نجانے کس کس کے سامنے اس کی عزت کی صفائیاں دیتا رہا....
اور بھائی نے اپنا خون دے کر اسے نئی زندگی دی....
آگہی کا در وا ہوا.....
اور کسی نامحرم کی نام نہاد محبت "ندامت" کے آنسوؤں میں بہہ گئی....

☆......☆......☆......☆

سید احمد شاہ دیہ (گاں) کے عزت اور مرتبے والے خاندان کے اکلوتے چشمِ چراغ تھے. جہاں دیہ کی زمین و جائیداد کے وارث تھے وہیں دین داری، دیانت داری، عزت، سیرت، خصلت، سخاوت، پیری مرشدی بھی انہیں اپنے آباو اجداد سے وراثت میں ملی. دیہ کی سب سے بڑی حویلی انہی کی تھی جسے اس کی شان و شوکت چار چاند لگاتے. صدیوں سے اس حویلی کے مکین اللہ عزوجل کے حکم و فضل سے ارادت مندوں کو فیضیاب کرتے آئے ہیں پیری مرشدی ان کی گھٹی میں پلائی گئی ہے. جبھی دیہ کے امیر کبیر ہونے کے باوجود سادگی ان کی زینت ہے، عاجزی ان کا شیوہ. دیہ کے ہر چھوٹے بڑے خاندان کی نظروں میں ان کیلئے عزت واحترام اور عقیدت عیاں تھی.

قریبا تین صدیاں قبل اس خاندان کے آباو اجداد دین خدا کو پھیلانے کے لیے یہاں ہجرت کر کے آئے اور یہیں رچ بس گئے، عاجزی کا پیکر جہاں خدا کا گھر دکھا وہیں رہ لیے پوری شب عبادت میں گزارتے دن میں سب کو اللہ تعالی کے دین کی دعوت دیتے کلام اللہ کے ذریعے سب تک ہدایت پہنچائی. ایک دور آیا جب بادشاہ ئے وقت نے انہیں زمینیں دیں جسے نسل در نسل اپنے گزر بسر کے کام لاتی رہیں اور اس حویلی کی بنیاد شاہ صاحب کے پردادا نے رکھی تھی اور اب سید احمد شاہ کے دور میں مزید اس کی مرمت کروائی گئی اور ساتھ ہی ایک کوٹھی اور تعمیر کروائی گئی دور حاضر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مرید و ارادت مندوں کے لئے آسانی ہو. اپنے آباواجداد کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے سید احمد ہر لحاظ سے ایک اچھے انسان اور باعمل مسلمان تھے. ان کی زندگی خدا کی نعمتوں رحمتوں کے سائے میں گزر رہی تھی ہر لحظہ شکرِ خدا لب پہ رہتا اپنی اولاد کو بھی یہی تعلیمات دیں انہیں روحانی تربیت اور دنیاوی تعلیم سے روشناس کیا. ان کا خاندان ہر لحاظ سے ایک قابلِ داد خاندان تھا.

اشرف المخلوقات کے ساتھ ساتھ رِجال الغیب بھی اس خاندان کے عقیدت مندوں میں شامل تھے.

حویلی کا ایک حصہ جو کہ حویلی سے ویرینہ تھا وہاں اللہ لوکی مکین تھے اس سید خاندان کے مرید کئی سالوں سے.

ایک دن کا منظر تھا آسمان پر سیاہ بادلوں کی ناکابندی تھی دن میں بھی گویا رات کا سماں، وقتاً فوقتاً کی گرج چمک بادلوں کا منظر نمایاں کر رہی تھی، اس حکم سے بادلوں نے اپنے اندرونی سمندر کو زمین پر بہایا کہ گویا ابھی سمندر ادھر سے ہی بہہ چلے گا، ابرِ رحمت ابرِ زحمت بننے کو تھے اتنے میں ایک زوردار دھماکے نے حویلی کے

پچھلے دالان کی دیواریں زمین بوس کر دیں

عالمِ پریشانی میں شاہ صاحب اپنے کمرے سے نکل کر حویلی کے پچھلے حصے میں کھلتے بالائی دروازے تک آئے .. خود بھی درویش تھے اس بات کا علم رکھتے تھے کہ اس جگہ رجال الغیب کا بسیرا ہے. ذرا کی ذرا میں انہیں دردا دل زدہ آہوں اور ایک کوچ کرتے قافلے نے اپنی جانب متوجہ کیا .انہوں نے انہیں مخاطب کیا.

شاہ صاحب:" کہاں جا رہے ہو اے فقیروں؟"

)ان کی آواز سن کر ایک پیر سن سفید داڑھی سفید لباس میں ملبوس ایک جن ان کی طرف آیا اور التماس ہو کر عرض کیا(.

جن:" سائیں !ہمارا گھر گر گیا ہے بچے دب کے مر گئے ہیں یہ ملجا آپ کے آباواجداد نے ہمیں دی تھی کئی برسوں سے ہم ادھر قیام پذیر تھے اب ہم سے یہ آسرا چھن گیا ہم جا رہے ہیں."

شاہ صاحب:"اتنی بارش میں کہاں جا ؤگے؟"

جن:" کہیں کوئی ویرانہ قصبہ جا کر آباد کریں گے"

شاہ صاحب:"چلو آ میرے پیچھے اور اپنے خاندان کو بھی بلالا"

جن:) حیرت سے" (سائیں !ہم آپ کے گھر کے اندر؟ ہمیں اجازت نہیں"

شاہ صاحب:) ہمدردی سے (تو کیا ہوا اے فقیر !جہاں تم ابھی رہتے تھے یہ بھی ہمارے گھر کا حصہ تھا اگر چہ اندر آ کر رہو گے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا ہاں بشرطیکہ اپنی حدود میں رہو"

جن:" سائیں !ہم آپ کے خاندان کے مرید ہیں اور ہماری ہر پیری آپ کی عقیدت مند رہے گی ان شاء اللہ"

جن ممنون ہو کر وہاں سے گیا اور آنکھ جھپکتے باقی رجال الغیب کو ہمراہ لے کر آیا اور سید صاحب کی حویلی کے اوپری منزل کے ایک کمرے میں سب داخل ہوئے.

شاہ صاحب:"اب تم سب ہمیشہ یہیں رہو گے"

جن:" سائیں !ہم آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے، آپ نے ہمیں اس برستی بارش میں جاہِ پناہ دی ہمارے بچوں کو آشیانہ ملا ہم ہمیشہ آپ کی اقتفا کریں گے .آپ اور ہم الگ ہیں پھر بھی آپ نے ہم سے ہمدردی کی"

شاہ صاحب:) مستحکم لہجے میں" (ہاں ہم اور تم الگ ہیں مگر ہیں تو ایک ہی خدا کی مخلوق اور ہم کتنی بھی عبادت کریں اگر خدا کی کسی بھی مخلوق سے محبت اور ہمدردی ہمارے دل میں نہیں تو ہماری عبادت سے ہمیں جنت تو مل جائے گی مگر خدا نہیں ،اور تمہاری مدد میں نے خدا کی رضا کے لئے کی ہے .تم میں بھی ہم انسانوں کی طرح ہر طرح کے جنات موجود ہوتے ہیں مسلمان، ہندو، عیسائی، یہاں تک کہ فرقہ واریت بھی، میں بس اتنا کہوں گا کہ تم اس اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں اپنے بندے کے ذریعے اس برستی بارش میں چھت دی اور تم اپنے ساتھ خدا کی ہر مخلوق کی مدد کرو کسی کو بے جا تنگ نہ کرو یہاں قیام کرو مگر شرارتوں سے اجتناب کرنا"

اور جنوں نے وعدہ کر لیا.

کچھ ماہ وسال ایسے گزر گئے اچانک شاہ صاحب کی طبیعت ناساز رہنے لگی اور ایک دن وہ اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے جہاں ہر شے کو فنا ہے بقا ہے تو نیکیاں اور انسان کے اچھے اعمال اور اخلاق اور مخلوق خدا کی خدمت جو اس کے جانے کے بعد بھی یاد رہتی ہے .

بعد از ان کے انتقال حویلی کی اوپری منزل کے ایک کمرے سے ملہوف آوازیں اور رونے دھونے کی آوازیں آتی رہتیں اور ہر فجر اور مغرب کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کی آوازیں بھی

لوگوں کو متوجہ کرتیں ..
شاہ صاحب کے گھر والوں سے رجال الغیب نے بالخصوص تعزیت کی اور وہ شاہ صاحب کے لئے ہی قرآن خوانی کرتے ہیں.
خدا کی مخلوق سے کی گئی ہمدردی کا صلہ خدا اس دنیا میں بھی دیتا ہے اور اس دنیا میں بھی. انسان ہمدردی کی زبان سیکھ جائے تو مخلوقِ خدا سے وہ خدا کے قریب ہو جائے.

ختم شد

بہت گھنا پیڑ تھا. پھولوں سے لدا ہوا. آتے جاتے لوگوں کی نظر ٹھہر جاتی. لیکن اندر چھپی ایک شاخ, جسے مٹی کی نمی پروان چڑھا رہی تھی. ہمیشہ نظروں کے لمس سے محروم رہی. گھر بھی بہت گھنا تھا. ریشمی لباسوں میں لپٹے رشتے, پھولوں کی طرح بچے, خوشبوں کی طرح آتے جاتے بے شمار مہمان, اور بلندی پر پھیلی شاخوں کیا اندر چھپی ایک لڑکی, جسے جڑوں میں پیوست دولت کی نمی پروان چڑھا رہی تھی. ہمیشہ ہی نظروں کے لمس سیاہ جھل رہی. ایک دن گھنے پیڑ میں چھپی اس شاخ نے نیچے بیٹھی اس لڑکی کو مخاطب کرلیا. دیر تک سنتی رہی. نظر بھر کیا یک دوسر یکو دیکھا. روم روم جاگ اٹھا. . . اور دنوں کا درد کا سرہم آہنگ ہو کر فضا میں گھومتے ایک ایسے لطیف دائرے میں سما گیا, جہاں صرف محبت تھی, اور کچھ نہیں .... !

☆.........☆.........☆.........☆

سو لفظی کہانی
مسیحا
از قلم منتہا آرائیں

وہ ایک شخص تھا
جو سب سے منفرد تھا
جو غریبوں کا سہارا تھا
کسی کا باپ، کسی کا نانا تو کسی کا دادا تھا، وہ آیا تھا دنیا میں لوگوں کی زندگی بدلنے، وہ عظیم تھا، نیک تھا، بہت پیارا تھا اسے بھیجا تھا اللہ نے غریبوں کا مسیحا بنا کر، اس نے بھی خوب ڈیوٹی سرانجام دی اپنی، پیارے بابا تم کسی تعریف کے محتاج نہیں، تمھیں کسی تخت، کسی تاج کی ضرورت نہیں تم بنا تخت و تاج کے بھی ہمارے دلوں پہ راج کرتے ہو۔۔تم ہمارا مسیحا ہو
ہم سب کے پیارے ایدھی
ہمارا مسیحا ایدھی!۔۔۔
ہمارا ایدھی۔۔

☆.........☆.........☆

تم آج پھر انگلش کی کتاب نہیں لائی۔ ہاں بتاؤ نہ ذرا کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ مہینہ ہوگیا سکول میں نیا سیشن سٹارٹ ہوئے اور تم روز یہ مسکین سامنہ بنا کہ آجاتی ہو بتاؤ نہ ذرا کیا معاملہ کروں تمہارے ساتھ؟' مس فرزانہ بولتی جاتی تھیں اور انکے ہاتھوں میں موجود ایک لمبی سی سٹک رقیہ کے جسم پہ محرومی کی سیاہی پہ مزید نیلے دھبے ڈالتی جاتی تھی۔ وہ شاید آج پھر اپنی گھر کی چھت کے کچھ ٹپکتے قطرے ماں کے گردوں کی سوزش اور اپنے سر میں اترتی چاندنی کو کلاس روم میں ساتھ لے آئی تھیں۔ کہ انکا ہاتھ رکتا نہ تھا اور آج تو گھر میں ابا کے کوئی دور پار کے رشتے دار کزن جو برسوں بعد پاکستان لوٹے تھے منہ اندھیرے جلوہ افروز ہوگئے تھے۔ دو عدد انڈوں اور مرغی کے سالن کے ساتھ دو پراٹھوں میں مہینے کے آخری دنوں میں گھر کے خرچ کے لئے سو روپے جو ماں کے ڈوپٹے کے پلو میں بندھے پڑے تھے چوپٹ ہوگئے تھے اور اب وہ رقیہ جو اپنی لاپرواہ طبیعت کی وجہ سے اکثر و بیشتر اس کے غصے کا نشانہ بنتی تھی پہ اپنے خیالوں کے بھنور کو سلجھا رہی تھی۔ 'مس میرے ابو کہتے ہیں انکے پاس پیسے نہیں' رقیہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔ 'مس آپ خدا سے تجارت کرلیں نہ۔ آپ نے اسمبلی میں کہا تھا نہ کسی کو دے کر ہم خدا سے تجارت کرتے ہیں۔ وہ ہمیں دگنا کرکے لٹا دیتا ہے۔ مس میں خدا سے کہوں گی آپ کو مجھے دیا لٹا دے اور بہت دے۔' ساری کلاس ہنسنے لگی تھی اور ہر کوئی رقیہ کی اس بات پہ اپنے اپنے تبصرے کرنے میں مشغول تھا۔

فرزانہ کے کان میں جیسے سیسہ ڈال دیا گیا تھا وہ حیران ہوتے کبھی رقیہ کو اور کبھی کلاس کو دیکھ رہی تھی کسی نے کہا تھا

''مس یہ اور اس کے ابو بھیک مانگتے ہیں سڑکوں پہ۔ یہ اسکے بال دیکھیں بالکل مانگنے والوں کی طرح تیل اور مٹی سے اٹے پڑے ہیں۔'' بچہ ناک پہ ہاتھ رکھے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کررہا تھا اور فرزانہ کے ذہن میں آجکی اسمبلی میں بولے اپنے ہی الفاظ گردش کررہے تھے۔

''خدا ایک کے بدلے دس دیتا ہے۔ آپ دیکھیں ہم آلو کی فصل اگانے کے لیے بالکل چھوٹے اور تقریبا ناقابل استعمال آلو زمین میں بوتے ہیں اور خدا اس میں سے ہر آلو کے اوپر جو پودا اگاتا ہے اس پہ بے شمار آلو ہوتے ہیں چاول کے ایک دانے کو زمین میں بو دیا جائے اس پر سے بے شمار تنکے نکلتے ہیں اور ہر تنکے کو جب پھر سے زمین کے سینے میں الگ الگ پرو دیا جاتا ہے تو ہر ایک تنکے کے اوپر خدا چاول کا ایک بوٹا لگاتا ہے جس پہ چاول

کہ بہت سے گوشے ہوتے ہیں۔ وہ تو زمین کی گود سے بھی خام کے بدلے خاص لٹانے کا ظرف رکھنے والا ہے۔ خاص کی تجارت پہ تو وہ جنتیں تقدیر میں لکھ دیتا ہے۔ آپ اللہ سے تجارت کرو کسی کو دو تا کہ وہ بڑھا کہ آپ کو واپس کرے۔''

فرزانہ کے جسم میں کپکپی طاری تھی سکول کی چھٹی کی گھنٹی بجی تو سب طالب علم باہر کو بھاگے تھے۔ وہ وہیں ایک ڈیسک کو تھامے بیٹھتی چلی گئی تھی گلے میں آنسوؤں کے ساتھ ایک اور چیز پھندا ڈالے ہوئے تھی ضمیر کا پھندا آنسوؤں سے زیادہ خطرناک تھا۔ وہ جان گئی تھی اسمبلی میں بولے گئے وہ اخلاقی جملے جو وہ پچھلے دو سال سے طالبہ کی بہترین تربیت کے نام پہ بولتی رہی تھی اپنی ہی شخصیت کو ایک ستائشی مجسمہ بنانے کی کوشش کے سوا کچھ نہ تھا سکول سے واپسی پہ اسکے قدم گھر کی بجائے رقیہ کے مفلس خانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور یہ کیا وہ تو اپنے ہی گھر میں کھڑی تھی وہ ہی ٹپکتی چھت وہ ہی بیمار ماں فرق تھا تو صرف اتنا رقیہ کی کوئی بڑی بہن نہ تھی جو جاب کر کہ ۴۰۰۰ ماہانہ گھر لاتی ہو۔ غریبوں کی تقدیریں ایک ہی سیاہی سے لکھی گئی تھیں وہ سمجھ گئی تھی۔ رقیہ کے نشہ زدہ باپ کو دیکھ کے وہ باقاعدہ ہنسی تھی اسکا باپ بھی تو ایسا ہی تھا۔ مگر خدا سے تجارت تو کوئی بھی کر سکتا تھا وہ امیر ہو یا غریب اپنے بیگ کی اندرونی جیب سے پانچ سو کا تڑا مڑا سا نوٹ جو اچھرہ سے ایک نازک سے خوبصورت جوتے کے لیے اس نے سنبھال رکھے تھے رقیہ کی ماں کو تھما کہ وہ واپس آ گئی تھی۔ واپسی پہ ماں کہ فقرے کانوں میں گونجے'' واپسی پہ کسی سے ادھار لے آنا فرزانہ

مہمان کو مرغی کا سالن تو کھلانا ہی پڑے گا۔ مہمان کو اپنی قمیض اٹھا کہ تو نہیں دکھانی ہوتی کہ ہمارے معدے بھرے ہیں یا خالی'

'' خدا سے تجارت کرلیں نہ مس'' رقیہ کے فقرے کی گونج کانوں میں تھی جب چوکھٹ پہ پاؤں پڑا تھا اس کا

آپی آپی ادھر آئیں، ارے ہمارے آنگن میں چاند نے دستک دی ہے۔ ابا کے نشے میں ڈوبے وجود نے تو ہمیں کچھ نہ دیا۔ مگر ابا کے دور پار کے کزن نے اپنی عمر بھر کی پونجی ہمارے جھولی میں ڈال دی ہے''

بینا نے بہن کو دروازے سے ہی جا لیا تھا اور اسکو کھینچتی اپنے اور اسکے مشترکہ کمرے میں گھسیٹتی لے گئی تھی اور اب مسلسل بول رہی تھی۔ فرزانہ ایک ٹرانس سے باہر آئی تھی اور اب بینا کے الفاظ کو معنی کا لباس پہنانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

'' کیا؟'' فرزانہ ناسمجھی میں یک لفظی میں گویا ہوئی کہ آنکھوں میں الفاظ کا سمندر آپس میں الجھ رہا تھا لیکن بولنے کیلیے بہت کم تھا۔

'' آپا انکل مدثر نے اپنے لائق، خوبرو ایم بی۔ اے کیے بزنس مین بیٹے کا رشتہ مانگا ہے آپکے لیے کہ وہ اب پاکستان سے رابطہ ختم کرنا نہیں چاہتے۔ وہ کیا کہتے ہیں حب وطنی جاگ اٹھی ہے ان کے دل میں''۔ بینا نے دماغ پہ زور دیتے کہا تھا

'' خدا ایک کے بدلے دس دیتا ہے آلو کی پیری سے جو بوٹا نکلتا ہے اس پہ آلو کے گچھے ہوتے ہیں۔ خدا سے تجارت اسقدر فائدہ مند ہو سکتی ہے اسنے پہلی بار آزمایا تھا۔ خدا تو ایسا تھا کے مزدور کی مزدوری اسکے نیت باندھنے سے پہلے اسکی قسمت میں لکھ دیتا تھا۔۔

ختم شد

سانسوں نے باندھی ہے

ڈور پیا

تہورے لیے ہمرا

دھڑ کے جیا

ولید! کیا ہو رہا ہے۔

وانیہ نے میسج کیا تھا۔اور انتظار کر رہی تھی کہ ریپلاء آے گا۔

موبائل پر نظریں جمائے کمپوٹر پر بھی سرسری نگاہ ڈال رہی تھی۔ جہاں اس کا من پسند گانا چل رہا تھا۔

میری جان! آفس میں ہوں۔ بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے دعا کرنا کامیابی نصیب ہو۔

ولید احمد کا ٹیکسٹ نہیں وائس میسج موصول ہوا تھا۔

اللہ پاک تمھیں تمھارے تمام مقاصد میں کامیابی حاصل کرائے۔

وانیہ نے خوشی سے چور دعائیہ انداز میں وائس میسج کیا تھا۔

دونوں باتوں میں مشغول ہو گے تھے۔ولید کو وانیہ سوشل میڈیا کے فرینڈشپ فورایوار گروپ میں ملی تھی۔شروع شروع میں اکدوسرے کی پوسٹ کو لائک کرتے تھے۔پھر کمنٹس اور دوستی وقت کیساتھ ساتھ بڑھتی گئی تو دن رات انباکس میں باتیں ہونے لگ گئیں تھیں۔آٹھ ماہ ہوگئے تھے دوستی کو اب اک دوسرے تصاویر بھیجنے بھی شروع ہو گے تھے۔

ولید! کیا ہوگیا ہے کل بھی تم سارا دن آن لائن تھے لیکن مجھ سے بات نہیں کی کسی میسج کا جواب نہیں دیا۔اب آج بھی صبح سے تمھیں میسجز کیے ہیں سارا دن ہو گیا،تمہارا کوئی جواب نہیں آ رہا۔

وانیہ بہت پریشان تھی۔ ولید دو دن سے بات نہیں کر رہا تھا۔

وانیہ! پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔۔۔۔

میں نے نیا،بزنس اسٹارٹ کیا،ہے میں کام میں مصروف رہتا ہوں۔میرے پاس فالتو وقت نہیں کہ یوں تم سے باتیں کرتا رہوں۔

وانیہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے میسج پڑھ رہی تھی۔

ولید! کک،،،،،کیا،،،کہہ رہے ہو۔۔۔۔۔۔۔

وانیہ نے ریکارڈنگ بھیجی تھی اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

وانیہ! میں سچ کہہ رہا،ہوں۔

مزید وقت یوں برباد نہیں کر سکتا۔

ولید کی ریکارڈنگ موصول ہوئی تھی۔۔

ولید! میں تمہارے بنا اک لمحہ نہیں رہ سکتی۔تم بھی تو مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہو۔تم کب اپنی امی اور بہن کو بھیج رہے ہو رشتہ

لیکر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وانیہ نے بیقراری سے وائس میسج کیا تھا۔

ہین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں اور تم سے شادی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے کب کہا کہ تم سے شادی کروں گا۔۔۔۔۔۔۔؟

ولید کی ریکارڈنگ موصول ہوئی تھی اسکا انداز حیرت انگیز تھا۔

ہین۔۔۔ ولید تم تو صبح و شام مجھ سے پیار و محبت بھری گفتگو کرتے تھے۔ میری تصاویر مانگتے تھے۔

وہ سب کیا تھا۔۔۔۔۔۔؟

وانیہ کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔

وہ سب جو یہاں سوشل میڈیا پر ہوتا ہے وہی تھا۔۔۔۔ دوستی کرنا۔

اک دوسرے جاننا۔ تصاویر کا تبادلہ کرنا۔ اپنے احساسات و جذبات کی پیار بھری باتوں سے تسکین کرنا۔

وقت رنگین کرکے آگے بڑھ جانا۔

ولید کی ریکارڈنگ آ ئی تھی۔ وانیہ کے پیروں تلے زمین کھسکی تھی۔

ولید ! پلیز مذاق نہ کرو۔ میرے احساسات و جذبات کی یوں تذلیل نہ کرو۔

وانیہ رودی تھی۔

وانیہ ! تم اتنی سیریس کیوں ہورہی ہو۔ ہم جسٹ فرینڈز ہیں۔

ولید کے لہجے سے لاپرواہی جھک رہی تھی۔

ولید ! ہم۔ صرف دوست نہیں۔۔۔۔۔ ہم نے تنہائی میں بہت سی پرسنل باتیں کی ہیں۔۔۔۔۔ اک دوسرے میں کھو کر ساری ساری رات جاگ کر ڈھیر ساری باتیں کی ہیں۔ تمہارے پاس میری تصویریں ہیں۔۔۔۔۔۔

وانیہ شدید غم وغصہ سے بولی تھی۔

وانیہ ! تصویریں تم خود مجھے بھیجتی رہی ہو۔ میں نے کیا کرنا تھا ڈیلیٹ کردیتا تھا۔ رہی بات باتوں کی تو پیاری لڑکی رات کی تنہائی میں تم خود میرے پاس چلی آتیں تھیں۔ میں نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ولید وانیہ کی اک اک بات کا مثبت جواب دے رہا تھا۔۔۔۔۔ وانیہ پشیمان تھی۔ سرندامت سے جھکا تھا آنکھ اشک بار تھی۔

بنا کسی رشتے کسی اجنبی کو اپنی نجی سنوری تصاویر دینا۔ خلوت میں گفتگو کرنا۔ باعث ندامت ہی ہوتا ہے۔

وانیہ رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھی۔ وانیہ کا دل تڑپ رہا تھا۔ وہ زورو کرب سے معافیاں مانگ رہی تھی۔

☆......☆......☆......☆

شادی کی پہلی رات ہی وہ جان گئی تھی کہ کچھ ایسا ہے جو نارمل نہیں ہے لیکن شرم و حیا نے اسکی زبان پہ اک بڑا سا تالا لگا دیا تھا اور یہ تالا بے باکی و بے شرمی کی چابی سے ہی کھل سکتا تھا۔

لیکن ہمارے ہاں کی عورت یہ چابیاں دل کی تجوری میں رکھ کر اوپر سے اک اور تالا لگا دیتی ہے اور وہ تالا ہوتا ہے مصلحت اور سمجھوتے کا تالا اس تالے کی بھی اک چابی بھی ہوتی ہوگی لیکن زیادہ تر عورتیں یہ چابی جان بوجھ کر کہیں رکھ کے بھول جاتی ہیں۔

ورنہ تو گمشدہ چیز کے لیے انا للہ وانا الیہ راجعون "پڑھو تو مل جاتی ہے مگر کوئی عورت اس چابی کے لیے یہ نہیں پڑھتی۔ زندگی کا سفر طے کرنے کے لیے

مصلحت اور سمجھوتہ ہی تو عورت کا زادِ راہ ہوتا ہے۔

وہ یعنی کہ جاناں،،، قربان علی کی تیسری بیوی تھی۔ قربان علی چار جوان بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا پہلی شادی ماں بہنوں کی مرضی سے ہوئی اور بڑی دھوم دھام سے ہوئی.. شادی

کے دوسرے مہینے ہی سے بچے کی امید کیوں نہیں ہوئی کی تکرار شروع ہوگئی تھی اور یہ تکرار ساس اور نندوں کی جانب سے تھی جن کے سارے ارمانوں کا مرکز قربان علی تھا۔ تیسرے مہینے بھی جب

ڈرتے ڈرتے شرمندہ سی بھابھی نے ناامیدی کی خبر دبے لفظوں میں سنادی تو شہر کی بڑی بڑی گاینا کالوجسٹس کے چکر شروع ہو گئے۔ پہلی بار ڈاکٹر صبا نے اس سے پوچھا

شادی کو کتنا عرصہ ہوگیا ہے؟

اور جب معصوم سی خوبصورت کنول نے بتایا کہ دو مہینے تو وہ چونکیں شاید مجھ سے سننے میں غلطی ہوئی ہے کیا آپ دو سال کہنا چاہ رہی ہیں؟ انھوں نے پھر پوچھا تھا۔

جی نہیں دو مہینے۔

کیا مصیبت ہے جہالت کی بھی اک حد ہوتی ہے۔

میرے 30 سالہ کیریئر میں یہ پہلا کیس ہے بی بی کہ شادی کو ابھی دو مہینے ہوئے اور..

انھوں نے اسے لیٹنے کا اشارہ کیا۔

اور اسکے چیک اپ کے بعد حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔

تم تو شادی شدہ نہیں ہو۔

وہ مشکوک سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

کنول گھبرا کر رونے لگی۔

مجھے بتاؤ سب سچ سچ دیکھو تم میری بیٹی جیسی ہو.
ڈاکٹر سے کچھ نہیں چھپاتے. ڈاکٹر صبا کو اس پہ رحم آرہا تھا.
اماں کہتی تھیں اچھی بیویاں اپنے شوہر کی عزت کا خیال اپنی زندگی
سے بھی بڑھ کر رکھتی ہیں.
وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی.
ڈاکٹر صبا نے اپنا سر پکڑ لیا.
بیٹا اچھے شوہر کے بھی تو کچھ فرائض ہوتے
اگر تمہارے شوہر کسی بیماری یا کمزوری میں مبتلا ہیں تو انکو اپنا علاج
کروانا چاہیئے...
مگر ایسے مردوں میں تو اتنی اخلاقی جرات بھی نہیں کہ اک نارمل
عورت کو جو بد قسمتی سے انکی بیوی ہے
کی بے گناہی کی گواہی دے دیں.
ڈاکٹر صبا نے افسوس بھرے انداز میں کہا____
انکی پیشہ ورانہ زندگی میں سینکڑوں بار ایسا ہوا تھا کہ بیمار شوہر ہوتا
مگر علاج اور قصور عورت کے حصے میں آتا.
بلاوا پنی ساس کو کہ میں انکو سمجھاں جانے کیوں یہ مائیں بیٹوں کی
باری میں کم عقل اور ناسمجھ بن جاتی ہیں.
خدا کے لیے ڈاکٹر صاحب انکو نہ بتائیں میں آپکی منت کرتی
ہوں وہ گڑگڑانے لگی.
مگر قربان علی کی ماں اندر آچکی تھی.
ڈاکٹر نے ساری رپورٹس اسے تھمائیں وہ ساکت سی کھڑی خوفزدہ
نظروں سے اپنی ساس کے تاثرات دیکھ رہی تھی.____.
یہ آپ کی بہو بلکل ٹھیک ہے آپ اپنے بیٹے کو کل ٹیسٹس کے
لیے بھیج دیں.

مگر مگر..
وہ تو جی شیر جیسا اونچا لمبا مرد ہے یہ چوڑا سینہ ہے اس کا....
بکواس کرتی ہے یہ ڈاکٹر کے سامنے ہی ساس نے کنول کے زرد
کملائے ہوئے چہرے پہ غضب سے بھرپور اک نظر ڈالی اور
ہاتھ سے پکڑ کر یوں گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئی جیسے وہ انسان نہ ہو
آٹے کی بوری ہو..
گھر پہنچتے ہی اس نااندیش عورت نے ایسا گھمسان کا رن ڈالا کہ
ماں بیٹیوں کی چیخیں سارا محلہ سنتا رہا قربان علی یوں ملامتی انداز
میں اسے گھورے جا رہا تھا جیسے سارے قصور اسی کے ہوں.
اماں قسم کھاتی ہوں میں نے کچھ نہیں کہا .
وہ منمنائی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا؟
ارے کم بخت اگر غیرت مند ہوتی تو شوہر پہ یوں تہمت لگانے
سے پہلے زہر کھا کے مر جاتیں ساس کی اس بات پہ اس نے باری
باری سب نندوں اور پھر شوہر کو دیکھا مگر سب تائیدی نگاہوں
سے ساس کو دیکھ رہے تھے.
وہ صحن سے بھاگتی ہوئی گودام میں گھس گئی.
اور جب باہر نکلی تو اسکے ہاتھ میں گندم میں رکھی زہریلی گولیاں
تھیں.
محلے میں اک عورت نے شوہر کی دوسری شادی سے دلبرداشتہ ہو کر
ایسی گولیوں سے خودکشی کی تھی.
تب کنول گلی میں کھیلتی ہوئی میت والے گھر گھس گئی تھی آج بھی
اسے یاد تھیں ان باجی عذرا کی وہ پھٹی پھٹی آنکھیں سفید کفن میں
نیلا چہرہ .
اس نے گولیاں سب کو دکھائیں میں یہ کھا کر خود کو ختم کرلوں تب تو

میری بے گناھی کا یقین کر لو گے نا آپ لوگ؟

اسکا پورا جسم کانپ رہا تھا

کسی نے نہ روکا.

اک پل کو اسے پانی سے گولیاں نگلتے دیکھ کر قربان نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر ماں کی غضب ناکی نے اسکے قدموں میں زنجیر پہنادی.

کنول کا جنازہ اٹھتے ھی.

ماں بہنوں نے قربان کی دوسری شادی کے لیے کھسر پھسر شروع کر دی تھی.

دوسری بیوی تیسرے مھینے ڈاکٹر صبا کے روبرو تھی.

جی دو مھینے ھو گئے ھیں شادی کو.

ڈاکٹر نے اسے گھورا.

ایسی ھی اک لڑکی کچھ مھینے پہلے بھی آئی تھی. کیا ھو گیا ھے اس معاشرے کو اللہ پہ توکل ھے نہ ایمان کامل ھے.

بس تیسرے مھینے ھی ڈاکٹر. وہ بڑبڑاتی ھوئی اسے چیک کرنے لگیں.

ساس کو دیکھتے ھی پہچان کر ڈاکٹر پوری کہانی سمجھ گئی تھی.

پہلی والی کا کیا بنا؟

گہرا طنز تھا ڈاکٹر کے لہجے میں.

اسی دن خودکشی کر لی تھی اس کلموھی ڈائن نے.

مگر کیوں؟ ڈاکٹر کی آنکھوں کے سامنے اس معصوم کا گڑگڑاتا ھوا چہرہ آ گیا.

پچھتاوا تھا کہ آپکے سامنے شوھر پہ کیوں جھوٹا الزام لگایا.

ڈاکٹر نے افسوس بھرے انداز میں سامنے بیٹھی اک اور کنول کی طرف دیکھا جس کا نام تو میمونہ تھا مگر معصومیت بلکل وھی تھی. جسکے قتل میں خود انھوں نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا.

ڈاکٹر نے اک لمحہ کچھ سوچا ٹیسٹ دراز میں رکھ کر کہا سب ٹھیک ھے بس دعا کریں جب اس کو منظور ھو گا دامن خوشی سے بھر جائے گا. میمونہ نے شکر گزار نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا.

ایک سال تک بچے کے نہ ھونے کو لے کر گھر میں وہ حالات بنا دیئے گئے کہ رات بھر شوھر کی بیماری سانپ بن کر ڈستی اور دن بھر اسکی سزا میں زھریلی باتوں کا زھر اسکی رگوں میں اترتا رھتا.

سخت جان تو تھی مگر دو دو زھر مل کے اسے مار گئے.

اس نے گندم والی گولیاں نھیں کھائیں مگر کفن میں لپٹا چہرہ پھر بھی نیلا تھا.

عورتیں میت پہ چہ مگوئیوں میں مصروف تھیں دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی بیچاری کی.

اولاد کے لیے ترس ترس کے. دوسری نے ھاتھ ملے..

اور اب آئی تھی جاناں

زندگی سے بھرپور یہ لڑکی بہت سے خواب آنکھوں میں سجائے قربان علی کی زندگی میں شامل ھوئی تھی.

متوسط طبقے کی ھزاروں خواھشات دل میں چھپائے وہ لڑکی اچھی زندگی کی تلاش کا حاصل سمجھ رھی تھی قربان کو.

وہ اسکے آفس میں سیکٹری کی جاب کرتی تھی قربان علی نے ماں بہنوں کی شادی کی تکرار سے تنگ آ کر اک دن جاناں کا نام لے لیا. جاناں قربان علی کی دولت اور شان دیکھ کر بخوشی اس شادی کے لیے مان گئی تھی.

حالانکہ ایاز آحمد اسکی خالہ کا خوبرو بیٹا بہت چاؤ سے اپنی اماں کے ساتھ اسے مانگنے آیا تھا__

لیکن جاناں بہت پریکٹیکل مائینڈ کی لڑکی تھی اسے چھوٹی چھوٹی خواھشات کے لیے ترس ترس کر باقی کی زندگی گزارنے سے ڈر لگتا تھا.

ایاز آحمد بہت مایوس تھا مگر جاناں مطمعن تھی اپنے فیصلے پہ .

لیکن شادی کی رات کے انکشافات نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اب اسے تاریخ دھرانی ھے نہ ھتھیار ڈالنے ھیں بلکہ اس نے اسی رات اس نے کچھ فیصلے کر لیے تھے اور ان فیصلوں میں ایک نئ تاریخ رقم کرنے کا فیصلہ بھی تھا.

دوسرے مھینے سے اولاد کی کہانی دھرائی جانے لگی تھی.

قربان علی اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑی ڈھٹائی سے اسے گائنا کالوجسٹ کے پاس لے جانے والا اماں کا فیصلہ سنا رھا تھا.

وہ ساکت سی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رھی تھی.

مگر میں تو بلکل ٹھیک ھوں علاج کی ضرورت آپکو ھے قربان.

اسکی اس بات پہ بہت زور کا تھپڑ اسکے گال پہ نشان چھوڑ گیا تھا.

جاناں ایک ھاتھ سے گال ملتے ھوئے اسے کمرے سے باھر جاتا دیکھ رھی تھی.

مجھے طلاق چاہیے .

وہ کمرے میں واپس آیا تو جاناں فیصلہ کر چکی تھی.

ایاز آحمد کی منتظر نگاھوں کا تصور اسے اس فیصلے پہ جمے رھنے کا حوصلہ دے رھا تھا.

قربان نے زوردار قہقہ لگایا.

چالیس تولہ سونا اور دس لاکھ روپیہ اور دو جریب زرعی زمین لکھی ھے حق مہر میں.

جاناں بیگم میں تمھیں طلاق دوں گا ؟ کیوں پاگل ھوں میں ؟.____

بالآخر اسے ھار مان کر ڈاکٹر کے پاس جانا ھی پڑا.

ڈاکٹر صبا نے اسے ساس کے ساتھ دیکھ کر افسوس بھرے انداز میں اک آہ بھری اور ساس کو کمرے سے نکال دیا.

مجھے ضرورت نھیں کہ تمہارا معائنہ کروں.

کیونکہ میں جانتی ھوں تمہارے ساتھ کیا ھو رھا ھے اور یہ بھی جانتی ھوں کہ کیا ھونے والا ھے.

نھیں ڈاکٹر صاحبہ اب کی بار تاریخ دھرائی نھیں جائے گی بلکہ ان شاللہ نئی تاریخ رقم ھوگی.

میں جاناں ھوں کنول بی بی یا میمونہ گل نھیں ھوں.

اسکی آنکھیں بتا رھی تھیں کہ وہ خود کو بچا لے گی.

ڈاکٹر صبا نے مسکرا کر کہا

شاباش بیٹی عورت صرف ظلم سہنے کے لیے دنیا میں نھیں آئی ھمیں اپنی سوچ بدل کر ھی اپنی زندگیاں بچانی ھوں گی.

آخر مرد کی ھر کمزوری کی سزا عورت کیوں ہے؟

جو بیمار ھے علاج اس کا ھونا چاھئے.

جو صحت مند ھے اس کا علاج کیوں؟؟

میری جب بھی ضرورت پڑے میں مایوس نھیں کروں گی.

وہ ھنستی مسکراتی باھر نکل آئی.

گھر پہنچ کر ساس نے خوشخبری سنائی .

ڈاکٹر نے پہلی بار آس دلائی ھے کہ جلد ھی امید پیدا ھوگی.

جاناں نے دیکھا قربان علی نظریں چرائے اپنے ناخن دانت سے کاٹ رہا تھا۔
وہ مسکرا کر اندر چلی گئی۔
ابھی شادی کو پانچواں مہینہ لگا تھا۔
ساس نے دبے لفظوں میں پوچھا تو جاناں نے شرماتے ہوئے جو بتایا وہ ساس نندوں کو سرشار کر گیا اور قربان علی کو بے قرار___۔
تنہائی میں اسکے بال پکڑ کر بے دردی سے کھینچتے ہوئے پوچھا۔
یہ کیا ڈرامے کر رہی ہوں؟
کچھ نہیں وہ درد سے کراہتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
ڈاکٹر نے طاقت کی گولیاں دی تھیں جسکی وجہ سے طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔
اس نے بال چھوڑ دیئے تھے مگر جاناں کو درد اب بھی ہو رہا تھا۔
دوسری صبح کی ابتدا ہی ایسی تھی کہ قربان علی کا ماتھا ٹھنکا___۔
وہ واش روم میں بڑی بڑی الٹیاں کر رہی تھی۔
کھانا پینا بھی نہیں کر رہی تھی۔
دو چار دن گزرے تو ساس اسے پھر ڈاکٹر صبا کے کلینک لے گئی۔
ڈاکٹر نے پریگنیسی ٹیسٹ اسے تھمایا۔
ڈاکٹر نے ساس کو اندر بلایا اور مبارکباد دی۔
بہت مبارک ہو بی بی تمہارا ارمان اللہ نے پورا کرنے کی امید پیدا کر دی ہے۔
ساس تو خوشی سے ناچنے لگی۔
گھر پہنچ کر ساس نے بیٹیوں کو بلایا___
جاناں کے والدین کو بھی بلا لیا آخر اتنی بڑی خوشخبری تھی کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔

اماں میں بھائی کو فون کرنے لگی ہوں بڑی والی کہہ رہی تھی۔
ارے پاگل ایسے ہی نہ سنا یہ خبر اسے فون کر ساتھ مٹھائی لے کر آئے میں اسے خود بتاؤں گی۔
ٹیسٹ کی رپورٹ سامنے میز پہ پڑی تھی۔
قربان علی کا منہ میٹھا کر کے جو خبر اسے سنائی گئی تھی۔
وہ اسے آسمان کی بلندی سے پاتال کی پستی تک لے گئی تھی۔
اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
جاناں فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
یہ جھوٹ ہے__
وہ چیخا__
بدچلن عورت کس سے منہ کالا کر کے آئی ہو؟
جلدی سے بتا وہ حسب عادت اسکے بال مٹھی میں پکڑ کر کھینچتے ہوئے پوچھ رہا تھا___۔
کمرے میں موجود بھی لوگ نہ سمجھنے والی کیفیت میں یہ سب تماشہ دیکھ رہے تھے۔
آخر جاناں کا باپ اٹھا اور تکلیف سے تڑپتی بیٹی کے بال چھڑانے لگا۔
کیا قصور ہے میری بیٹی کا؟
وہ غریب ضرور تھے مگر بے غیرت نہیں تھے کہ چپ چاپ دیکھتے رہتے__۔
یہ بدکردار ہے اماں۔
اس کے پیٹ میں میرا بچہ نہیں کسی اور کا گناہ ہے۔
اماں سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔
ثبوت دو سب کو ثبوت چاہئے؟______

فاحشہ ثبوت مانگی ہو مجھ سے ؟ وہ منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے غصے سے بھرا دوڑتا ہوا اندر گیا اور ایک منٹ میں اک فائل ہاتھ میں لیے واپس آ گیا.

یہ ہے ثبوت اس نے فائل

سامنے پڑی ٹیبل پہ پھینک دی

میں کبھی باپ نہیں بن سکتا ڈاکٹرز نے مجھے جواب دیا ہوا ہے..

یہ دیکھو ثبوت_

اس کی بدچلنی کا___

اک پہاڑ تھا جو کمرے میں موجود لوگوں کے سروں پہ گرا.

سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے.

بڑی بہن نے شادی شدہ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فائل اٹھا کر پڑھ لی.

جاناں سر جھکائے کھڑی تھی.

اس کے باپ نے بھی سر جھکایا ہوا تھا.

جاناں نے چپکے سے سب کی نظر بچا کر ڈاکٹر صبا کو مسڈ کال دی.

میں تمھیں طلاق دیتا ہوں

طلاق

طلاق.

قربان علی چیخا..

جاناں کے والدین نے سر پکڑ لئے.

ہائے قربان علی یہ کیا کر دیا.

ساری دولت دے دی اس بدچلن کو.

لعنت بھیجتا ہوں اس پہ بھی اور اس دولت پہ بھی.

اس کا غصہ دیوانگی کی حدوں کو چھو رہا تھا.

اتنے میں قربان علی کے موبائل پہ رنگ آئی .

مگر اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ کال رسیو کرتا.

بڑی کا شوہر بھی کمرے میں موجود تھا.

اس نے ٹیبل پہ رکھا فون اٹھایا.

جی ڈاکٹر صبا فرمائے .

کیا؟ دوسری طرف کی بات سن کے اس کے ہاتھ سے فون گر گیا .

وہ بت بنے سب چہروں کو باری باری دیکھ کر جو بولا اس نے کمرے میں موجود سبھی لوگوں کو بوکھلا دیا.

ڈاکٹر صبا کا فون تھا وہ کہہ رہی تھیں.

کہ جاناں زوجہ عزیز گل کی ٹیسٹ فائل جاناں قربان علی کے ساتھ بدل گئی ہے.

یہ غلطی لیبارٹری والے کی ہے پلیز آپ اپنی فائل لے جائیں.

انھوں نے کہا ہے کہ جاناں قربان علی کی پریگنسی رپورٹ نیگیٹو ہے..

جاناں اس ٹارچر سیل سے واپس گھر جاتے ہوئے.

گل ارباب

ڈاکٹر صبا کو شکریے کا میسج کرنا نہیں بھولی تھی.

☆......☆......☆......☆

یہ کیسی جنگ تھی جو مول طاہر نے ہاری تھی، یہ شکست خوردگی کا کیسا احساس تھا حسن و رعناء کا پیکر پاش پاش ہو چکا تھا تسخیر دل کے لیے جو راستہ اس نے چنا تھا وہ راستہ تو اندھیروں پر اختتام پذیر ہوا وہ شخص روشنیوں کا عادی ہوتا تو جلوہ حسن کو دل میں گھر کر لیتا وہ تو تا عمر تیرگیوں کا ساتھی رہا تھا اب کیا کرے گی وہ؟ حسن و رعناء کے یہ جلوے، باتوں میں جادو، انداز میں سپردگی، شگفتہ چہرہ اور بدن سے پھوٹتی روشنی لے کر کہاں جائے وہ؟ جب اس شخص کو پذیراء کے راستوں کی خبر بھی نہ تھی جب وہ ان راہوں کا مسافر تھا ہی نہیں وہ تہی دامن تھی، ہجر ماری تھی، سیہ نصیباں تھی کیونکہ اس کی ساری جہد کا انحصار جس عارضی اور ناپائیدار حسن پر تھا، وہ اس شخص کے نزدیک ایک ٹکے کی حیثیت نہ رکھتا تھا،

مول طاہر کو یہ احساس بھی ابھی ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی جنگ یوں ہی تو ہارتا ہے جیسے کچھ لمحے قبل وہ ہاری تھی ہم دلوں میں گھر کرنے کے لیے، محبوب کی نظر التفات کی خاطر کتنے عارضی سہاروں کے محتاج ہو لیتے ہیں کیسے کیسے بت ہیں جو دلوں میں پالتے ہیں دلفریبی کا بت، حسن کا بت، سادگی کا بت، ذہانت کا بت، شوخیوں مستیوں اور اداؤں کے بت پھر اک بت شکن لمحہ آتا ہے اور سب ڈھلنے لگتا ہے نگاہوں کو خیرہ کرنے والا حسن ماند پڑنے لگتا ہے، ذہانت تھکنے لگتی ہے اور شوخیاں دکھوں کی ردا اوڑھ کر سو جاتی ہیں تب ہم خواب سے جاگتے ہیں تو آئینے ہمیں کیا دکھاتے ہیں؟ آئینے ہمیں ہمارا اصل دکھاتے ہیں ہمیں دکھاتے ہیں ہماری اوقات اور چیخ چیخ کر پوچھتے ہیں:

اے مٹی سے بنے ہوئے پتلے، اب بتا !! بازار حرص وطلب میں کیا داو پر لگائے گا؟ اس مٹی کے کتنے دام لگیں گے؟ اس کو آگ بنا کر کیسے دلوں کو سلگائے گا؟"

آئینہ ہم پر قہقہہ لگانے لگتا ہے، مول کو بھی یہی محسوس ہوا . اس کیفے کا ہر آئینہ، ونڈوز اور گلاس ڈورز اس پر قہقہے لگا رہے تھے اس کے رعونت زدہ چہرے کا مذاق اڑا رہے تھے اور وہ کسی مٹی کے خالی برتن کی مانند دکھ رہی تھی جس کے سب رنگ بارش میں دھل گئے ہوں اور اصل سامنے آ گیا ہو

یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی جب اس نے اپنی بہترین سہیلی حمنی سے یہ شرط لگائی تھی کہ وہ اس سیلز بوائے محسن علی کو اپنا دیوانہ بنا لے گی وہ محسن علی جو اس کی حشر سامانیوں سے قطعی بے نیاز نظریں جھکائے اپنے ہمہ وقت اپنے کام میں مصروف دکھاء دیتا جانے کس مٹی کا بنا تھا وہ مول طاہر سے نظریں چرا لینا، دامن چھڑا لینا

آسان تھا کیا اور پھر موحل یہ کیسے برداشت کرلیتی کہ ایک عام سی شکل وصورت والا عام سا لڑکا اس کے دلفریب حسن کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہے موحل کو ضد سی ہو چلی تھی وہ اسے پسپا دیکھنا چاہتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ آئس کریم پارلر بیٹھے میں حمنی کے ہمرا آئس کریم کھاتے ہوئے اس نیا یک ادا سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے نخوت سے کہا تھا 'He will be on his knees very soon. Mark my words my dear!!' حمنی نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا اور پھر سوال داغا، " کیا حربہ استعمال کرنے والی ہو تم؟"

موحل طاہر کی مسکراہٹ گہری ہوگ،، " تمہیں لگتا ہے کہ مجھے کسی حربے کی ضرورت ہو سکتی ہے " ان دونوں کا مشترکہ قہقہہ فضا میں گونجا

ہو سکتا ہے وہ آئیڈل ورشپر نہ ہو، آئیڈل بریکر ہو؟ " حمنی کے سوال نے پل بھر کے لیے سوچ میں ڈال دیا مگر اگلے ہی پل وہ طمانیت سے مسکراء

"ہر شخص اندر سے بت پرست ہوتا ہے ماء بیسٹی " وہ حمنی کو لاجواب کر چکی تھی

ٹھیک ہی تو کہا تھا موحل نے ہر شخص اندر سے بت پرست ہی تو ہوتا ہے مٹی کے کھلونوں کا پجاری سوان دونوں کے درمیان بحث کا اختتام ایک شرط لگانے پر ہوا شرط کے اصول وضوابط اور قاعدے مقرر کیے گئے معاملہ ایک ڈیئیز انر ڈریس پر ختم ہوا شرط کے اختتام کی معیاد ایک ماہ مقرر ہوء

اور یوں موحل طاہر نے محسن علی کو مشق ستم بنانے کا فیصلہ کیا

اس ایک ماہ کے دوران اس نے محسن علی کے دل کو آزمایا وہ مہنگی سی کار سے اترتی، سن گلاسز بالوں پر جماتی، ہینڈ بیگ کو لاپرواہی سے ایک شانے پر ڈالتی اور ٹک ٹک کرتی ہیل کے ساتھ جب مال میں داخل ہوتی تو کتنی ہی نگاہیں پلٹنا بھول جاتی تھیں موحل اک ادا سے مسکراتے ہوئے محسن کے کاؤنٹر پر رکتی اور اس کی آنکھوں کے عین سامنے سرخ نیل پالش سے سجی ہوء مخروطی انگلیاں وں سے کاؤنٹر بجا کر بولتی، " کیا حال ہیں مسٹر محسن؟" محسن شروع شروع میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتا اور بدستور نگاہیں جھائے ہوئے کہتا، "جی میم ! آپ کیا پسند فرمائیں گی؟ " موحل کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہتی، "واقعی جاننا چاہتے ہو؟ ". محسن کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگتے آہستہ آہستہ وہ اس کے آتے ہی خود کو کسی غیر ضروری کام میں مصروف رکھنے لگا موحل پیچ وتاب کھا کر رہ جاتی آج اکیس دن ہو چکے تھے اور محسن علی نے اب تک اس پر نگاہ بھی نہ ڈالی تھی کجا کہ وہ متاثر نظر آتا موحل کی بے چینی اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا بائیسویں دن اس نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنا نمبر اس کے کاونٹر پر رکھ کر کہا، "یہ کچھ آئٹمز ہیں جن کی لسٹ میں تمہیں دے رہی ہوں، جیسے ہی اویلیبل ہوں؛ مجھے میرے نمبر پہ انفارم کر دینا ." محسن نے سر ہلا کر لسٹ اور نمبر اٹھا لیا اس کے بعد دو روز موحل نے مال کا رخ نہ کیا

یہ دو روز اس پر کسی قیامت کی طرح بیتے کیوں؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی اسیہر پل یہی محسوس ہوا جیسے کوء اہم چیز بھول گ،ہو وہ ننگے پاوں فون ہاتھ میں تھامے بالکونی پر ٹہلتی رہتی اور کسی بھی کال پر اس کا دل زور زور سے دھڑ کنے لگتا ان دو دنوں میں اس نے بار ہا خود سے سوال کیا کہ کیا " آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا " کے مصداق وہ محسن علی جیسے معمولی انسان سے ہار رہی ہے؟ مگر ہر بار اس کے انا کے بت نے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا بتوں کے پجاری کے لیے اقرار کا مرحلہ کٹھن ہوتا ہے تسلیم و رضا کی

آگ میں تو وہ کودتے ہیں جن کے دل اپنی خود ساختہ انا کے خول سے آزاد ہوں موحل خود کو کیسے آزاد کر پاتی سو یہی وجہ تھی کہ تیسرے دن صبح نو بجے محسن کی کال آئی تو اس نے "میرا ڈرائیور آ کر سامان لے جائے گا " کہہ کر فون بند کر دیا یہ الگ بات کہ اس کے بعد اس کا جی کسی کام میں نہ لگا اس کے بعد موحل نے چار مرتبہ مال کا رخ کیا مگر ہمیشہ کی طرح محسن کی نگاہوں کو جھکا ہوا پایا موحل طاہر کا اضطراب بڑھ رہا تھا وہ ہار رہی تھی یہ شکست خوردگی کا کیسا احساس تھا اب کیا تھا اس کے پاس جسے وہ داؤ پر لگاتی؟ شرط جیتنے سے زیادہ اسے اپنے دل کی فکر ہو چلی تھی جو اسے رسوا کرنے چلا تھا

بالآخر تیسویں روز اس نے محسن سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا اسے شاپنگ مال کے ساتھ واقع کیفے میں بلا کر وہ اس کی منتظر بیٹھی تھی موحل یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ آئے گا یا نہیں مگر ہر آہٹ پر اس کا دل دھڑکنے لگتا کیفے کے دروازے سے اندر آتا ہوا ہر شخص اسے محسن علی سا دکھتا "موحل !! کب تک جھوٹی انا کا خول چڑھائے اپنا کرچی کرچی وجود سمیٹے رکھو گی "اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنے بہتے آنسو صاف کیے اور محسن کو آتے دیکھ سنبھل کر بیٹھ گئی اب وہ پرانی موحل تھی چہرے پر طنطنہ، انداز میں غرور اور آنکھوں میں سامنے والے کے لیے حقارت رسمی سلام دعا کے بعد محسن اس کے عین سامنے بیٹھ گیا سر جھکائے، نگاہیں چرائے

"میم !آپ اپنی مطلوبہ اشیا کی لسٹ مال میں دے دیتیں . " محسن کے انداز میں ناگواری کی جھلک تھی

موحل کا چہرہ تمتما اٹھا وہ رکھائی سے بولی "میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلایا ہے کہ میں جاننا چاہتی ہوں، تم مجھ سے اتنا ڈرتے کیوں ہو؟ "اس کا انداز استہزائیہ تھا محسن نے چونک کر سر اٹھایا اس کی آنکھوں میں پل بھر کے لیے اداسی کی جھلک دکھائی دی اور اگلے ہی پل وہ دھیرے سے مسکرایا "آپ کو ایسا کیوں کر محسوس ہوا؟ "

موحل نے جواب دینے سے پہلے پل بھر سوچا "مجھے لگتا ہے کہ تم مضبوط نظر آنے کی اداکاری کرتے ہو "محسن کو بات ناگواری گزری تھی اس کی پیشانی پر لکیروں کا جال سا بن گیا اور تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر وہ دھیمے مگر سرد لہجے میں کہہ رہا تھا

"میم !میں اپنے کردار پر حرف برداشت نہیں کر سکتا آپ نے مجھے ایک ماہ تک مسلسل زچ کیے رکھا اور میں نہیں جانتا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا شاید یہ دل لگی آپ کی کلاس کے چونچلوں میں شامل ہے مگر مجھے خود پر فخر ہے کہ میں محسن علی اپنے تمام تر وقار اور پاکیزگی کے ساتھ اپنی نظر میں سرخرو ہوں امید ہے کہ آپ میری اپروچ سمجھ گئی ہوں گی اور آئندہ مجھ سے فاصلے پر رہیں گی میں آپ کے قابل نہیں ہوں اور آپ کو اپنے قابل بھی ہرگز نہیں سمجھتا "

گویا بم تھا جو اس نے موحل کے سر پر پھوڑا تھا وہ بھری ہوئی شیرنی کی مانند بولی "تم ہو کیا چیز مسٹر، صرف میری ایک شرط کا حصہ جو میں نے اپنی ایک دوست سے تم پر لگا رکھی تھی ہاں !!میں شرط ہار گئی ہوں مگر یہ مت سمجھنا کہ تم جیسے معمولی انسان کے لیے اپنا آپ بھی ہار گئی ہوں "

موحل کہہ کر وہاں سے چل دی اس کا دل چیخ چیخ کر اس کی بات کی نفی کر رہا تھا اس پر قہقہے لگا رہا تھا وہ شکستہ قدموں سے اپنی گاڑی تک آئی اور آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے فون کان سے لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی

" گیٹ ریڈی ثمنی، تمہیں ڈریس لے کر دینا ہے "

مومل طاہر تو اپنی انا اور غرور کے بت کو ساتھ لے کر لوٹ رہی تھی، مگر دیکھنے والے یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ محسن علی نے ہاتھ کی پشت سیا پنے بہتیآ نسو کیوں صاف کیے؟ وہاں سے اٹھتے ہوئے اس کے قدم کیوں لڑکھڑائے تھے؟ اس کے لبوں پر کپکپاہٹ کیوں تھی؟ اور اس نے چلتے ہوئے دو مرتبہ دیوار کا سہارا کیوں لیا تھا
مومل طاہر اپنے اندازوں میں غلط کہاں تھی؟ ہر شخص اندر سے بت پرست ہوتا ہے اور ان خود ساختہ بتوں کی پوجا میں محور ہتا ہے محسن علی وقار، پاکیزگی اور عصمت کے جس اونچے خود ساختہ رتبہ پر فائز تھا وہاں سے اترنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا
مومل طاہر اپنی انا اور تکبر کے جس بت کے سامنے گھٹنے ٹیکے رکھتی تھی، اس نے اسے محسن علی کے سامنے جھکنے نہ دیا
دونوں ہی ہارے ہوئے جواری کی مانند لوٹ آئے
دونوں ہی اپنی اپنی جنگ جیت کر بھی ہار گئے تھے !!!!!.....

☆ ☆ ☆ ☆

اللہ آج تو اس نے میری اتنی تعریف کی کیا بتاں میں روز ہی اسکی باتوں میں چھپی ہوئی خوشی پہ مسکراتا رہتا ، وہ جو پہروں اداس رہتی تھی اب ہر وقت خوش رہنے لگی ، اس کو مصروفیت اور ڈھیروں دوست بھی مل گئے تھے ، اب وہ مجھ سے دیر سے آنے کا گلہ بھی نہیں کرتی تھی
لیکن جانے کیوں ہم دور ہونے لگے ، اس کو اپنی دوستیوں کا فخر رہنے لگا وہ خاندان سے کترانے لگی ، اور آج جب وہ آئی ، سی ، یو میں تنہا ہے اور باہر ہسپتال کے ٹھنڈے برآمدے میں کھڑا سوچ رہا ہوں کیسے بتاں کہ اس کے سینکڑوں فیس بک فرینڈز کو تو علم ہی نہیں کہ وہ تنہا زندگی کی جنگ لڑ رہی ہے۔

☆......☆......☆......☆

وہ فون ہاتھ میں لیئے ساکت بیٹھی تھی۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے اب بھی تو خوابوں کی تعبیر پائی تھی آج اک مدت کے بعد تو اسے اذن_ رضامندی ملا تھا اس رشتے کے لئے ، اسے چھ سال کا عرصہ مدت ہی لگا. مگر یہ اس کے کانوں نے کیا سنا عبیر ایسا نہیں ہوسکتا میں تم سے کیسے شادی کر سکتا ہوں تم نے کیسے سوچ لیا میں اک رانگ نمبر سے شادی کروں گا جس سے میں ملا بھی نہیں.
ہیلو ! عبیر تم سن رہی ہو مگر وقت جیسے اک لفظ پہ آ کے ٹھہر گیا تھا "رانگ نمبر. . .

کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی موجودگی کا ہمیشہ احساس دلاتے ہیں اور ہمیں یاد کرواتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے کتنے اہم اور خوبصورت تھے. لیکن جب ہم ان لمحوں کو فراموش کر دیتے ہیں تو وہ شور مچاتے ہیں اور ہمیں پھر سے اپنے ساتھ انہی ساعتوں میں لے جاتے ہیں تا کہ ہم انہیں کبھی نہ بھولیں. آج کی رات پھر سے اسے انہیں لمحوں کی یاد دلا رہی تھیں جنہیں وہ چاہتے ہوئے بھی بھول نا پا رہی تھی.

وہی تاریخ، وہی دن مگر تم کہاں چلے گئے؟ تمہارے جانے کے بعد یہ ساعتیں، یہ لمحے تمہارے ساتھ بیتے دنوں کی یاد دلاتی ہے. بھلا کوئی اپنوں سے اس طرح روٹھ کر جاتا ہے. پلیز اب لوٹ آو. پلیز پلیز ...وہ آنکھیں بند کیے دنیا سے بے خبر نجانے کتنے گھنٹوں سے یہاں بیٹھی اس کی یاد میں آنسو بہا رہی تھی.

زرنش، زرنش تم یہاں کیا کر رہی ہو اتنی رات ہو گی ہے اور امی بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں. رملہ اس کی حالت سے بے خبر اپنے مخصوص لا پرواہ انداز میں بولے جا رہی تھی. اس کی خاموشی پہ اس نے غور کیا تو پتہ چلا کے وہ رو رہی ہے.

تم اسے یاد کر رہی ہو، ہم سب اسے بہت مس کرتے ہیں اور پھر تم دعائیں جو مانگتی ہو اس کے لوٹ آنے کی مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور لوٹ آئے گا. بس ضدی ہے نا بچپن سے اپنی بات منوا کے ہی دم لے گا.

اچھا اب چلو، اٹھو. اس کی باتوں پہ اس نے چپ رہنا بہتر جانا تھا جواب اس کے پاس تھے نہیں. اس لیے خاموشی سے اس کے ساتھ آ گئی.

دیکھو رومی میں آخری بار کہہ رہی ہوں تم میری کینڈیز واپس کر رہے ہو یا نہیں. زرنش نے اس سے ایک بار پھر پوچھا تھا.

نہیں. رومان نے اسے صاف جواب دیا اور مزے لے کر اس کی کینڈیز کھانے لگا. اب جو زرنش نے گلا پھاڑ کے رونا شروع کیا تو سب ہی ان کے ارد گرد آ کھٹے ہونے لگے. دادا جان سے اپنی لاڈلی کا رونا کہاں برداشت ہونا تھا فوراً اسے گلے لگا لیا اور وجہ پوچھی اس نے صرف رومی کی طرف اشارہ کیا تھا اور سب ساری کتھا سمجھ گئے تھے. یہ روز کا معمول تھا. اور دن میں اتنی بار ہوتا تھا کہ اب کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی.

کیوں رومی آپ نے پھر زرنش کو تنگ کیا.

نہیں دادا جان میں نے تنگ نہیں کیا بس کینڈیز لی ہیں. اس نے اپنے ننھے سے ہاتھ ان کے سامنے پھیلا دیئے تھے.

اس کی معصومیت پہ سب ہی مسکرا دیئے تھے ۔اس نے زرنش کی کنڈیز واپس کیں اور اسے منہ چڑا کر چلا گیا ۔

دادا جان) غفنفر علی (کے دو بیٹے ہیں ۔ اسفر علی اور اسفند علی ۔ اسفر علی کو اللہ نے ایک بیٹے سے نوازا تھا جبکہ اسفند علی کو دو پیاری سی بیٹیوں سے نوازا تھا ۔ سارے گھر کی رونق انہی کے دم سے تھی ۔ روماں سب کا لاڈلا تھا ۔ زرنش اور رملہ بھی گھر بھر کی جان تھیں ۔ جب سے اسفر علی کی بیوی کا انتقال چند سال پہلے ہوا ہے ۔ تب سے رومی کا زیادہ وقت حلیمہ چچی کی طرف گزرتا تھا ۔

تینوں ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے ۔ روماں کی عادتیں نہ بدلی تھیں وہی زرنش سے لڑنا اس کی چیزیں ادھر ادھر کرنا اس کے معمول کی بات تھی ۔ سکول ختم ہوا تو سب نے سکون کا سانس لیا کہ اب ان کے راستے جدا ہیں کیونکہ رومی آرمی میں چلا گیا تھا اور زرنش میڈیکل میں ۔ روماں کے جانے کے بعد گھر میں ایک خاموشی کا راج تھا ۔ رملہ اور زرنش ان دنوں پیپر دے کر فارغ ہوئی تھیں جب روماں نے اچانک آ کر سب کو حیران کر دیا ۔ اگلے دن زرنش کی سالگرہ تھی ۔ روماں کے آ جانے سے گھر میں رونق آ گئی تھی ۔ زرنش نے سوچا اب میری سالگرہ اچھے سے منائی جائے گی مگر اس نے ذرا غور کیا تو پتہ چلا کہ کسی کو اس کی سالگرہ یاد ہی نہیں سب رومی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے ۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گ ء ۔ اسے بہت دکھ ہو رہا تھا ۔ تھوڑی دیر بعد رومی اس کے روم میں تھا ۔

تمہیں کیا ہوا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟

کچھ نہیں ہوا تم جاو ۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔

ارے ارے تم تو رونے لگی میں تو تمہیں یہ تحفہ دینے آیا تھا، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ... یہ کہہ کے اس نے چھوٹا سا باکس اس کی طرف بڑھا دیا ۔

میں چلا تم گفٹ دیکھ لو ۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا ۔ اور زرنش سوچ رہی تھی کہ یہ اتنا تمیز دار کب سے ہو گیا ہے ۔ لیکن گفٹ کی خوشی میں اس نے اپنی سوچوں کو لگام دی اور باکس کو کھولنے لگی ۔ جیسے ہی اس نے ڈبے کو کھولا اس میں اسپرنگ لگا سانپ نکلا ۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا ۔ وہ بس چیخے جا رہی تھی، جب تک سب اس کے کمرے میں آئے تب تک وہ ہوش کی دنیا سے بے خبر ہو چکی تھی ۔

جب اسے ہوش آیا تو سب اس کے پاس تھے ۔ یاد آیا تو سانپ سانپ کہہ کر چیخنے لگی ۔ دادا جان بولے ۔

بیٹا یہاں تو سانپ نہیں ہے، دیکھو ۔ دادا جان پیار سے بولے تو اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں ۔ سامنے کا منظر بدل چکا تھا، وہاں اب کیوٹ سا ٹیڈی بیئر موجود تھا، اب اسے روماں کی شرارت سمجھ آ گئی تھی ۔ وہ ابھی بھی ویسا ہی تھا جیسا بچپن میں ہوا کرتا تھا ۔

دیکھا چچی جان میں نے اتنا پیارا سا تحفہ دیا لیکن یہ بے ہوش ہو گ ء ۔ رومی اسے چھیڑ رہا تھا ۔

ہاں بیٹا، ہے تو پیارا ۔ امی بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں تو اسے بہت رونا آیا ۔ تھوڑی دیر بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو روماں نے بیڈ کے نیچے سے وہ شاہکار نکالا جو اس نے چھپا دیا تھا ۔

لے جاو اپنے تحفے مجھے نہیں چاہیں ۔ زرنش بولی ۔

ارے تم تو ناراض ہو گ ء .

پلیز رومان جاو یہاں سے مجھے کچھ نہیں سننا . اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ دفع ہو جاو . وہ بھی چلا گیا . اس کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک روتی رہی .

اگلے روز وہی سب کچھ تھا سب کچھ معمول کے مطابق تھا . اگر کچھ بدلا تھا تو وہ زرنش کا رویہ تھا . اب اس کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزرتا تھا . وہ چند دنوں کے لئے آیا تھا . کل اس کی واپسی تھی . اگلی بار کب اسے چھٹی ملتی پتہ نہیں تھا . جانے سے پہلے وہ اس کے پاس آیا تھا .

آئم ساری زرنش، پلیز اب تو بات کرو مجھ سے . پھر پتہ نہیں میں کب آں . میں تمہیں اس طرح خفا چھوڑ کے نہیں جا سکتا . وہ پہلی بار اتنا سنجیدہ ہوا تھا .

کیوں میں بات کروں تم سے، تم نے میرا کتنا مذاق اڑایا .

کتنا اگنور کیا . سب کے ساتھ مصروف رہے . مجھے منایا ہی نہیں اور اب جب جا رہے ہو تو یاد آیا ہے کہ میں ناراض ہوں . اس نے تفصیلی جواب دیا جس پہ رومان نے بہت مشکل سے اپنا قہقہہ ضبط کیا تھا . پوری چارج شیٹ تیار تھی .

اچھا کہا نا معاف کر دو یار اب پھر ایسا نہیں ہو گا .

بس اک معافی ہماری توبہ

کبھی جواب ہم ستائیں تم کو

لو کان پکڑے، لو ہاتھ جوڑے

اب اور کیسے منائیں تم کو

اس نے دھیمے لہجے میں پڑھا تھا اور وہ اس کی آواز کے سحر میں کھو گئی تھی

اب تو مان جاو نا . اتنی مشکل سے یاد کیا ہے تمہارے لیے .

وہ اس کے انداز پہ بیساختہ ہنس دی .

شکر ہے تم ہنسی تو سہی . اس نے گہری سانس لے کر کہا . چلو اب جلدی سے کافی بناو پھر ہم گپ شپ کرتے ہیں .

کافی بنا وہ لانج میں آ گئی بس اب باتوں کا نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا . بارہ بجے تو یاد آیا کہ اسے صبح جانا ہے تو وہ اسے شب خیر کہ کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گ ء .

اگلے روز سے زندگی اپنے معمول پہ آ گئی تھی . رملہ اور زرنش اپنی پڑھائی میں مشغول ہو گ ءتھیں . رومان کی ٹریننگ ہو رہی تھی وہ بھی بزی تھا .

انہی دنوں رومان نے کال کی . سب سے بات کرنے کے بعد زرنش سے بات کی تو پہلا سوال یہی تھا کہ مجھے مس کیا؟

نہیں بلکل نہیں . میں تو بہت مصروف رہتی ہوں . وہ مزے سے بولی .

اچھا، اسے مایوسی ہوئی . پر میں تو بہت یاد کرتا ہوں .

اچھا .... کیوں؟

بس پتہ نہیں . اچھا چھوڑو . یہ بتا تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے .

بہت اچھی . اس نے فورا جواب دیا .

اچھا میں پھر کال کروں گا . اپنا خیال رکھنا . اس نے دھیمے لہجے میں کہا .

تم بھی . اور فون بند ہو گیا تھا .

چھ ماہ بعد رومان واپس آیا تھا اسکی ٹریننگ مکمل ہو چکی تھی . جلد ہی اس کی پوسٹنگ ہو جانی تھی . وہ گھر آیا ہوا تھا .

سب خوش تھے. دادا جان نے اسفر علی سے کہا کہ اب رومان کی شادی کر دینی چاہیے. ج بابا، میں بھی یہ چاہتا ہوں. میں بات کرتا ہوں رومی سے.

شام میں زرنش، رومان اور رملہ لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے. جب انہوں نے آوٹنگ کا پروگرام بنایا. رملہ اندر گئی تھی کہ سب کو بتا سکے. تب رومی نے زرنش کو غور سے دیکھا. بڑی بڑی آنکھیں، گوری رنگت، شولڈر کٹ بالوں میں بہت پیاری لگ رہی تھی. اس کے دل میں ہلچل ہوئی تھی.

زرنش، مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھے محبت ہو گ ء ہے. اس کے اچانک انکشاف پہ اس نے غور سے اسے دیکھا.

کس سے ہوئی؟؟؟

تم سے.. اس نے صاف گوئی سے جواب دیا.

اس کے جواب پہ وہ گھبرا گئی تھی. رومی کیا کہہ رہے ہو؟

ہاں پتہ ہے کیا کہا ہے. تم سے دور ہوا تو سمجھ آیا کہ تم پاس ہوتی ہو تو سب کچھ ہوتا ہے اور جب تم نہیں ہوتی تو زندگی کا احساس ہی نہیں ہوتا. مجھے تمہارا جواب چاہیے. وہ ابھی تک اس کی بات پہ خاموش بیٹھی تھی. اب وہ کیا کہتی کہ اس کے دل نے تو بہت پہلے بغاوت کر دی تھی. اس نے مسکرا کر سر جھکا دیا.

اس کا مطلب ہے کہ تم بھی مجھ سے... اس کی آواز سے ہی اس کی خوشی کو وہ محسوس کر سکتی تھی.

اس کے بعد وہ آوٹنگ کے لئے گئے خوب انجوائے کیا. شاپنگ بھی کی. رومان نے چپکے سے زرنش کے لیے سرخ کانچ کی چوڑیاں لے لی تھیں.

اگلے دن رومان صبح سویرے ہی ان کے دروازے پہ موجود تھا.

اٹھ جاؤ یار، میں بور ہو رہا ہوں. اس نے زور زور سے دروازہ پیٹا.

کیا ہے سونے بھی نہیں دیتے. زرنش نے بلآخر دروازہ کھول دیا تھا. رملہ نہیں اٹھی؟ اس نے رملہ کو بستر میں گھسا دیکھا تو اس کی طرف بڑھا.

سونے دو اسے وہ نیند کی کچی ہے. اوکے جیسا آپ چاہیں. وہ شرارت سے بولا. تم آؤ میرے ساتھ.

زرنش اس کے ساتھ باہر آ گئی تھی. تم لان میں چلو. میں ابھی آیا. یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا. واپس آیا تو ہاتھ میں وہی چوڑیوں والا باکس تھا.

یہ تمہارے لئے.

میرے لئے. اس نے باکس کھولا تو خوبصورت سی چوڑیاں تھیں.

واؤ بہت خوبصورت ہیں. اس کے چہرے پہ انوکھے رنگ تھے.

لاؤ میں پہنا دوں. اس نے اس کی کلائی تھامی اور چوڑیاں پہنا دی تھیں.

تھینک یو رومی. یہ پہلا تحفہ ہے جو مجھے پسند آیا ہے. میں اسے ہمیشہ سنبھال کے رکھوں گی.

اور میں اس پل کو. دونوں کی ہنسی گونجی تھی لان میں.

اسفر علی نے رومان سے شادی کی بات کی تو اس نے بھی کہہ دیا کے جی میں تیار ہوں. اچھا میں بابا سے بات کرتا ہوں.

جب سب بڑے بیٹھے تو غضنفر صاحب نے کہا کہ کیوں نہ رملہ اور رومان کی شادی کر دی جائے.

پر رملہ تو چھوٹی ہے ابھی. زرنش کا سوچیں بابا جان.

بات تو ٹھیک ہے پر وہ ہر وقت لڑتے رہتے ہیں. مجھے نہیں لگتا کہ

وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایڈجسٹ کر سکیں گے ۔ اسفند تم حلیمہ سے بات کرو تا کہ وہ رملہ سے بات کرے ۔ جی بابا جان ۔

ادھر جب رومان سے پوچھا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا ۔

بابا میں نے رملہ کے لئے کبھی ایسا محسوس نہیں کیا ۔ بابا ... میں زرنش کو اپنانا چاہتا ہوں ۔

پر بابا جان نہیں مانیں گے ۔ بچپن سے لے کر اب تک جتنے اچھے تم دونوں کے تعلقات رہے ہیں ہم سب اس کے گواہ ہیں اور بابا جان نہیں مانیں گے کہ تم جانتے ہو زرنش انہیں کتنی عزیز ہے ۔

پلیز بابا آپ ایک بار بات تو کریں دادا جان سے ۔ میں زرنش کو چاہتا ہوں ۔ وہ سب تو بچپن کی باتیں ہیں اب تو ہم نہیں لڑتے ۔

آپ چچا جان سے بھی بات کریں پلیز بابا میرے لئے ۔ اور رملہ تو میری بہن ہے بابا ۔

او کے میں بات کرتا ہوں بابا سے ۔ انہوں نے حامی بھر لی تھی ۔

جب رملہ کو پتہ چلا تو اس نے گھر سر پہ اٹھا لیا تھا رو رو کر ۔

امی آپ پاپا کو بتا دیں رومی میرے بھائی ہیں ۔

سارے کزن شادی سے پہلے بھائی ہی ہوتے ہیں ۔ امی نے سمجھایا ۔

پر وہ میرے پکے والے بھائی ہیں ۔ امی اس کے اس طرح کہنے پہ ہنسنے لگی تھیں ۔ اچھا تم رونا بند کرو میں بات کروں گی تمہارے پاپا سے ۔ جب غضنفر صاحب کے سامنے ساری بات آئی تو وہ بھی سوچنے لگے ۔ اسفند تم رملہ کو سمجھاؤ ۔ گھر کا بچہ ہے ۔ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا ۔ پر بابا جان رومی نے انکار کر دیا ہے ۔

اسفند تم جاؤ ہم صبح بات کریں گے ۔ اسفند کے جانے کے بعد وہ اسفر سے مخاطب ہوئے ۔

ہاں اب بتا کیا وجہ ہے انکار کی ۔

وہ بابا اصل میں رومان زرنش کو چاہتا ہے ۔ انہوں نے صاف گوئی سے جواب دیا

تا کہ ساری زندگی ہم ان کے جھگڑے سلجھاتے رہیں ۔ اسفر آج ہیں کل نہیں ہوں گے پھر کیا ہوگا، سوچا ہے تم نے ۔ ہم بڑے ہیں ہمیں سوچ سمجھ کے فیصلہ کرنا ہے جو ان کیلئے بہتر ہو ۔

جی بابا ... مگر رومی ..

تم سمجھاؤ اسے بس ۔ اسفر علی چپ ہو گئے تھے ۔

رومی اور زرنش بہت پریشان تھے ۔ رومی اسے دلاسے دے رہا تھا ۔ اس کے دل کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی ۔

جب اسفر نے اسے غضنفر صاحب کا فیصلہ سنایا تو اس نے ایک ہی جواب دیا کہ وہ شادی کرے گا تو زرنش سے ورنہ کسی سے نہیں ۔

یہ کہہ کے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا ۔

ناشتے کی میز پہ سب موجود تھے سوائے اس کے ۔

جب اسے بلایا گیا تو پتہ چلا کہ وہ کل رات ہی واپس چلا گیا تھا ۔ اس نے اسفر علی کے نام ایک چھوٹا سا پیغام لکھا تھا کہ جب اس کی بات مان لی جائے گی تو وہ لوٹ آئے گا ۔

غضنفر صاحب کو بہت غصہ آیا انہوں نے بھی کہہ دیا کہ کوئی بھی اس سے بات نہیں کرے گا ۔

زرنش بہت اداس رہتی تھی اب ۔ ایسا لگتا تھا کہ زندگی رک سی گئی تھی ۔ اسے گئے ہوئے ایک سال ہونے والا تھا ۔ اب اس دسمبر میں اس کی یاد بہت ستاتی تھی ۔ اس کی دعاؤں کا دورانیہ طویل ہو گیا تھا ۔

وہ بھی ایک عام سا دن تھا جب انہیں ہیڈ کوارٹر سے کال موصول

ہوئی تھی کہ رومان زخمی ہوا ہے . اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے . یہ سننا تھا کہ غضنفر صاحب سب غصہ بھلا کے اس کے پاس جا پہنچے تھے .

اس وقت وہ اس کے سرہانے کھڑے دعائیں پڑھ کر پھونک رہے تھے . جب اسے ہوش آیا تو اپنے پیاروں کو اپنے سامنے پایا . اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے .

برخوردار یہ کونسا معقول طریقہ ہے اپنی بات منوانے کا .

دادا جان یہ تو دشمن کی گولی سے ہوا ہے . میں نے خود تھوڑی کچھ کیا ہے .

میں آپ گھر سے فرار ہونے کی بات کر رہا ہوں . انہوں نے چشمے کی اوٹ سے اسے گھورا .

آپ وجہ جانتے ہیں دادا جان . میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا آپ ایک بار مجھے آزما کر تو دیکھیں . اس نے بہت آس سے کہا .

بیٹا، یہی بات آپ خود مجھ سے اس وقت کہ دیتے گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی . بزدل میدان چھوڑ کے بھاگتے ہیں بہادر نہیں . انہوں نے مسکرا کر کہا

آپ میری درخواست پہ غور کریں گے اس کا مطلب یہی ہوا نا . ان کی مسکراہٹ سے ہمت ملی تھی .

ہاں بیٹا، ضرور . بس تم جلدا چھے ہو کر گھر آ جاو .

چند دنوں بعد اسے ہسپتال سے چھٹی ملی تھی پر ابھی اسے مکمل آرام کی ضرورت تھی . سو وہ گھر آ گیا تھا اس کے آتے ہی گھر میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے .

دادا جان نے اس کی اور زرنش کی منگنی کا اعلان کر دیا تھا .

گھر میں شادی کا سماں تھا . حلیمہ اور رملہ شاپنگ میں مصروف تھیں . اسفند اور اسفر باہر کے کاموں میں .

ایک خوبصورت سی شام میں رومان نے زرنش کو اپنے نام کی انگوٹھی پہنا دی تھی . تقریب چھوٹی تھی . بس چند دوست احباب ہی شامل تھے . جب سب کھانا کھانے میں مصروف ہوئے تو رومان نے زرنش کا جائزہ لیا . وہ آج بہت پیاری لگ رہی تھی پنک کلر کے فراک میں وہ پری لگ رہی تھی .

میں بہت خوش ہوں زرنش . آج میرے سارے خواب پورے ہو گئے ہیں . کیا تم مجھے یاد کرتی تھی؟

نہیں . زرنش نے جواب دیا . اس کی شکل دیکھی تو فورا بولی .

یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں آپ بھول گئے ہوں . تم تو ہمیشہ میرے ساتھ رہے ہو . کبھی دعاوں میں، کبھی باتوں میں . ایسا کوئی پل نہیں گزرا جب میں نے تمہیں یاد نا کیا ہو .

ہر پل تمہارا ہی خیال رہتا تھا . میں نے تمہارے لوٹ آنے کی بہت دعائیں ہیں اور دیکھو اللہ نے میری ساری دعائیں پوری کر دی ہیں . اس کی آواز سے خوشی نمایاں محسوس ہو رہی تھی .

وہ دونوں بہت خوش تھے . تب رومی بولا .

آو زرنش دعا کریں کہ یہ ساتھ ہمیشہ قائم رہے . اس رب کا شکر ادا کریں کہ جس نے خوشیوں سے ہمارا دامن بھر دیا ہے .

وہ دعا میں مشغول ہو گئے تھے .

وہ محبت کی راہ کے مسافر تھے . کامیابی تو ملنی تھی.....

☆......☆......☆......☆

"نئی خبر سنی تم نے "

" نہیں تو کیا ہوا؟

"ارے سعیدہ کی بیٹی کا ملکوں کے بیٹے سے چکر تھا کافی عرصے کا۔ ماں ایسی بے خبر کہ پتا ہی نہیں بیٹی کیا گل کھلا رہی ہے اس کی ناک کے نیچے ۔ " تمسخرانہ انداز مقابل کو تھوڑا ناگوار گزرا۔

سعیدہ آپا تو بے چاری بیمار رہتی ہیں اس نے سعیدہ آپا کی طرف سے صفائی دی۔

"ارے بیمار نہ ہو تو کیا ہو چھوٹی بیٹی گل کھلا رہی ہے تو بڑی بیٹی سسرال والوں سے جھگڑ کر میکے آ کے بیٹھ گئی "

اچھا وہ کب؟ اس کے منہ سے ایکدم نکلا۔

"حد ہوتی ہے بیخبری کی۔۔ ایسی بھی کیا مصروفیت کہ پتا ہی نیں خاندان میں کیا ہو رہا ہے ۔ مجھے دیکھو سب خبریں رکھتی ہوں ۔اس نے گردن اکڑائی۔

"بچوں کے ایگزام تھے نا۔ اسلیے کہیں آنا جانا نہیں ہوا۔ اللہ کا شکر ہے رزلٹ آ گیا۔ سیکنڈ پوزیشن آئی ہے ہمنہ کی۔ "وہ خوشی سے بتا رہی تھی۔

ہمنہ کو رزلٹ کارڈ مل گیا۔؟ ثمر کو تو نہیں ملا ابھی۔ "

آپ گئی نہیں اس بار پیرنٹس کو بلایا تھا۔ ثمر نے بتایا نہیں. "اس نے حیرت سے پوچھا۔

نہیں تو۔۔ کل تو میں سعیدہ کی طرف گئی تھی۔ "سوچا کچھ خبر تو لوں آۓ روز نئی خبریں ہوتی ہیں اس کے ہاں "انداز میں ہلکے سے تمسخر کی آمیزش تھی۔ یہ اس کا خاصہ تھا۔

ثمر کی ٹیچر ملیں تھیں کل۔ کہہ رہی تھی ثمر دو کتابوں میں رہ گئی ہے ۔اور آجکل پڑھائی پر توجہ نہیں اسکی۔

اکثر ہوم ورک نہیں کرتی۔

۔رزلٹ کارڈ نہیں ملے گا جب تک پیرنٹس میں سے کوئی نہ جاۓ ۔ "میں تو کل گئی تھی۔ تمہیں اسلیے نہ بتایا، سوچا تمہیں خبر ہو۔گی۔ "یہ کہہ کر وہ رکی نہیں۔

☆......☆......☆......☆

افسانہ

سزا

افسانہ نگار ثریا بابر

چھٹی کی گھنٹی بج چکی تھی مگر ہم سات دوستوں کا گروپ ابھی تک اسکول میں اپنی کلاس میں موجود تھا۔ مجھے اس گروہ میں آئے دس دن ہو چکے تھے۔ اپنے جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔۔ پڑھائی پر سختی ہونے کی وجہ سے میں اپنی عمر کے بچوں سے ایک کلاس آگے ہی چل رہا تھا۔ مگر اب دل میں پڑھائی کے علاوہ دوسرے مطالبات بھی سر اٹھانے لگے تھے۔۔۔کوئی خوبصورت لڑکی کوئی دلربا، کوئی راتوں کی ساتھی، آج اسی سلسلے میں ہماری میٹنگ طے پائی تھی۔ ٹھیک 15 منٹ بعد میں اسکول سے گھر کے لیے نکل گیا تھا۔ دوستوں میں ایسے دل لگ گیا تھا کہ گھر میں لگتا ہی نہیں تھا

کھانا کھاتے ہی میں دوبارہ ان ہی دوستوں میں آ بیٹھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ میرے دوستوں کے ساتھ مسلہ ہے کہ۔۔۔نام کرنے کو اسکول جاتے ہیں، خرچ کرنے کی حسرتیں بے شمار ہیں مگر کماتے دھماتے کچھ نہیں۔ گھر سے پاکٹ منی کے نام پر دس بارہ روپے ملتے ہیں جس میں ایک دن کا بھی سگریٹ کا خرچہ پورا نہیں ہوتا۔ ایک دوست پاکٹ مارتا جو کبھی کبھی عیاشی کرا دیتا تھا مگر پھر سود کی طرح ڈبل وصول کر لیتا تھا۔ باقی رہا میں۔۔ میرے خیالات بھی ان کی طرح ہوتے جا رہے تھے لیکن میرے والدین شریف تھے۔ محلے میں شہرت اچھی تھی۔ نصیحتیں سن سن کر کان پکتے تھے مگر کچھ نہ اثر بھی ہوتا تھا۔ بار بار ارادہ باندھ لیتا تھا کہ اب سگریٹ نہیں پیوں گا، اب پردے ڈال کر نیٹ کیفے میں نہیں بیٹھوں گا، اب پاکٹ مار کے ڈرائنگ روم میں ممنوعہ سی ڈیز سے حظ نہیں اٹھاؤں گا، مگر دل ناداں کو ہر بار،، کچھ کچھ ہو جاتا اور ساری دلیلیں، ساری نصیحتیں دھری کی دھری رہ جاتیں،

پاکٹ مار دوست ایک شعر بڑے زور زور سے پڑھا کرتا تھا۔۔۔۔۔تپش سورج کی ہوتی ہے جلنا زمین کو پڑتا ہے قصور آنکھوں کا ہوتا ہے۔ تڑپنا دل کو پڑتا ہے۔۔۔۔۔آنکھیں کہاں تک ان نظاروں کو برداشت کرتیں۔ آہستہ آہستہ تپش بڑھنے لگی۔ تن من سلگنے لگا۔ اور بات تصورات سے نکل کر عمل تک آ پہنچی۔ مگر سوال یہ تھا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟ اور آج میٹنگ میں یہ ہی ایجنڈا زیر بحث تھا کہ ایسے علاقے کا پتہ کیسے چلے جہاں دل کی آگ بجھائی جا سکے۔ آج کل تو ہر قسم کی معلومات فراہم کرنے کی ذمے داری میڈیا نے سنبھال رکھی ہے۔ مگر بات گھوم پھر کر وہیں آ جاتی ہے بندہ ان چینلز کے رنگین اور سنگین اشتہار دیکھے یا جیب دیکھے، جیب بھرے تو شرافت کہاں

لے جائے، شرافت سنبھالے تو ان ابلتے جذبات کا کیا کرے اور جذبات قابو میں رکھے تو ان دوستوں کے بھڑکانے کو کس تندور میں ڈالے۔۔۔

جذبے اچھے ہوں یا برے اثر ضرور رکھتے ہیں مجھے اپنے نوخیز جذبوں کی صداقت کا دعوی نہیں، مگر ہم سب دوستوں کی تلاش نے رنگ دکھایا اور ایک اندرونی آدمی نے اندر کی خبر دی کہ ہمارے قصبے سے کچھ دور ایک دیہاتی علاقہ ہے شہر بھر میں کام کرنے والی ماسیاں وہاں رہائش پذیر ہیں مال بھی بہت ہے اور ریٹ ہی مناسب ہیں۔۔۔ پہلا پہلا معاملہ دل بےچین و مضطرب، سب سے بڑا مسئلہ پیسے جمع کرنے کا۔۔ زندگی میں پہلی مرتبہ مزدوری کی، تکاری اٹھائی، اینٹیں ڈھوئیں، اپنے ہی خیال میں سو روپے کما کر خوشی خوشی گھر پہنچ گئے۔

گھر پہنچ کر جو سلوک اماں نے کیا۔ میرا دل بڑی زور سے چاہنے لگا کہ کاش میں ڈائریکٹ زمین سے آگ آیا ہوتا۔ ایسی اماں تو میرے سر پر نہ ہوتیں جو اتنی دور سے پیسوں کی بو سونگھ لیتی ہیں مجھے دیکھا تو بڑے آرام سے بولیں۔ مجھے پتہ تھا تجھے ضرور فکر ہو گی تو گھر میں سب سے بڑا ہے نہ۔۔۔ مجھے شیدے کی ماں نے بتا دیا تھا کہ تو مزدوری کر رہا ہے۔۔۔ آٹا ختم ہو گیا ہے لا پیسے دیے دے۔ پیسے دینے والا بھی میرا ہمدرد تھا شاید پچاس پچاس کے دو نوٹ دئے تھے۔ سو کمال ہوشیاری سے ایک نوٹ جیب میں نیچے دبا دیا اور پچاس روپے اماں کو پکڑا دیئے۔۔۔ اب مسلہ پیسے چھپانے کا تھا۔ گھر میں ہی رکھنے تھے کیونکہ سارے دوست ایک سے ایک بھوکے تھے کسی کے پاس بھی رکھوا تا واپس نہ ملتیا سلئیمیں نے پینٹ کی سب سے چھوٹی جیب استعمال کی

۔اس کی سلاء کے ساتھ ساتھ نوٹ میں بھی ٹانکا مار کر رکھ دیا۔ تین دن میں ڈیڑھ سو روپے جمع ہوئے۔ دل اس وقت بہت دھڑکا جب اماں نے اچھی بھلی کھونٹی پر ٹنگی ہوء جینز اتار کر دھو ڈالی۔ میں تین دن سے گھر میں پیسے دے رہا تھا تو اماں کے رویے میں شفقت کچھ زیادہ ہی شامل ہو گ ءتھی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر تھا کہ پیسے سلے ہوئے تھے۔ ایسے پی رکھے ہوتے تو ابا کے دماغ کی طرح واشنگ مشین میں ہی گھوم جاتے۔۔۔۔ چوتھے دن میں نے اپنے پروگرام کے مطابق تھکن کا بہانہ بنایا۔ کام پر بھی نہیں گیا ۔دوستوں کے ساتھ پکنک کا کہہ کر ابا سے 50 روپے گھاڑے۔ کیوں کہ پتا چلا تھا کہ مناسب مال 200 میں دستیاب ہے۔ شرافت سے پچاس روپے دینے کا فائدہ توقع سے بھی بڑھ کر ہوا تھا۔ ابا کے رویے میں بھی اعتبار شامل ہو گیا تھا۔ صبح اسکول گئے۔ باقی دن گھر سے دور دور پھرتے رہے چھٹی تو بارہ بجے ہی ہو گئی تھی۔ دو بجے کے قریب بھوک لگنے لگی ۔سارے دوست گھر سے پکنک کے نام پر میٹھے پراٹھے بنوا کر لے آئے تھے۔ ایک جگہ بیٹھ کر چھپ کر کھایے۔ پروگرام تو بعد میں کھانے کا تھا مگر یہ پاپی پیٹ خالی جیب کہاں دیکھتا ہے۔ شام ڈھلنے لگی تو ہمارا پاکٹ مار دوست ایک گاوں جیسی جگہ لے کر پہنچا ۔۔ فلموں میں دکھایے گے منظر ذہن میں گردش کر رہے تھے ۔کاونٹر ہوگا۔ الگ الگ کمرے ہوں گے، پرچیاں مل رہی ہوں گی۔ یہاں پہنچے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کچا صحن، ایک کونے میں پاتھ سے کھینچ کر پانی نکالنے والا نلکا لگا ہوا۔ ایک طرف گندے فرش پر گندے برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا۔ صحن کے ایک کونے میں دو تین چارپائیوں پر تسلی سے کچھ ماسیاں براجمان

۔خلوت صحیحہ نامی کوئی بھی شے یہاں دستیاب ہونی بہت مشکل نظر آتی تھی۔ ہمارا پاکٹ مار دوست آگے بڑھا معاملات اسی نے طے کیے اور مجھے اس کمرے کے سامنے چھوڑ کر چلا گیا جس کا دروازہ بھی نہیں تھا۔بس ایک ہلکا سا پردہ پڑا ہوا تھا۔ پردے کی تو خیر تھی۔کیسا بھی ہوتا،ہوا بہت تیز چل رہی تھی

کمرے میں داخل ہوا تو جھولا سی ایک ہی چارپائی۔ بندہ الگ رہنا بھی چاہے تو نہ رہ سکے۔مگر ان خاتون کو دیکھ کر میں حیران پریشان رہ گیا جو پلنگ پر موجود تھیں۔35، 36 سال کی عمر ۔تلے کچھنے والے کام کے ریشمی کپڑوں میں ملبوس۔بال بیحد گھنگھریالے۔رنگ بے حد کالا۔لپ اسٹک بیحد سرخ۔اور آنکھیں بیحد گلابی تھیں۔

اتنی محنت سے کمائے گئے پیسے ایسی جگہ خرچ ہوں گے ایسا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ابا کی بات ذہن میں آ گئی جو کھانے کی پلیٹ میں ایک ذرہ بھی چھوڑنے نہیں دیتے تھے۔کہتے تھے۔بیٹا بڑی محنت سے کمائے ہیں حلال کے پیسے ہیں وصول کرو،سو قدم آگے بڑھا دیا مگر دوسری طرف سے جو سلوک ہوا،اوسان خطا ہو گئے۔مجھے لگا کہ وہ صاحبہ ہر بار نا پید اختر کے اس گانے پر بڑی تند ہی سے عمل کرتی ہوں گی

۔۔۔ہم نے خود چھیڑ دیا پیار کے افسانے کو

۔۔۔اور کیا کیجئے اس دل کے مچل جانے کو

باہر نکلا تو چارپائیوں پر بیٹھی ہوء ماسیوں نے منہ پر ہاتھ رکھ رکھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ایک بولی۔۔ہاا۔۔ا۔۔۔ہائے کیسا نوخیز نوجوان ہے اور کیسی عمر کی عورت کے پاس آیا ہے۔دوسری بولی۔ ماں کے برابر ہے تیری ذرا خیال نہ آیا تجھے۔اف۔۔۔۔حلال کی کمائی کے پیسے حلال کرنے کے بعد بھی اتنی شرمندگی ۔۔۔۔۔اندھیرا کافی پھیل چکا تھا۔اس علاقے میں روشنی کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔میرے دوست نہ جانے کہاں کہاں گم تھے میں تو منہ چھپا کر واپس آ گیا

گھر آ کر نہ منہ ہاتھ دھویا،نہ نہایا اماں کی کھود کرید کی عادت بہت تھی ان کے سوالات کا سامنا کرنے سے بہتر تھا۔بستر میں دبک جاو۔سردی کا آغاز تھا۔نہایا تو جا سکتا تھا مگر اماں کو جواب کون دیتا صبح بھی طبیعت میں عجیب سی کسل مندی تھی۔اماں سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں تھی۔انہوں نے بہت اٹھایا تو با دل نخواستہ اٹھا نہایا دھویا اور پھر سو گیا۔

بارہ بجے اٹھا تو جسم میں عجیب سی کیفیت تھی خارش ہو رہی تھی ۔میں نے کھجالیا۔شام تک کھجلی اور بڑھ گ ء۔اور حالت یہ ہو گئی ۔۔۔جسم وجاں پر عذاب طاری ہے۔۔۔اے خدا کیا کروں کہاں جاوں

دل سے اس عذاب سے نجات کے لئے دعا نکلتی رہی۔عجیب بات تھی انڈین گانے یاد نہ آئے جب کہ میں تو ہر سچویشن پر گانے بتانے میں مشہور تھا۔شاید اس خاتون کی رفاقت نے میرے دل پر شرمندگی کے دبیز پردے ڈال کر مجھے پارسا بنا ڈالا تھا۔دل میں بار بار یہ ہی خیال آتا تھا۔ میں تو اپنے نوخیز جذبوں سے مجبور تھا ان کو آخر کیا مجبوری تھی

دو دن اسی الجھن میں گزر گئے۔اماں سے طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے اسکول بھی نہیں گیا۔تیسرے دن میری جماعت کے لڑکے اسکول سے سیدھے میرے گھر ہی آن دھمکے۔میری سرخ آنکھیں سرخ چہرہ دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے۔ان میں سے ایک

دوست ہمارے ساتھ ممنوعہ علاقے میں جانے والوں میں شامل تھا وہ بھی میری طرح لال ٹماٹر ہو رہا تھا۔ یہ دوست بتانے آئے تھے کہ پندرہ دن بعد امتحان ہیں۔ سلپ ملنا شروع ہو گئی ہے آ کر لے جاو۔ وہ کافی دیر بیٹھے رہے۔ اماں بار بار پانی لا کر رکھتی رہیں مگر ایک بار بھی کھانے کو نہیں پوچھا۔ آخر دو گھنٹے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے

شام کو اماں کی طبیعت خراب ہو گء۔ بلڈ پریشر ہاء ہو گیا۔ ہائے ہائے کرنے لگیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب پھر سے گھر کی جمع پونجی ختم ہونے والی ہے۔ جماعت نہم میں آتے ہی میں نے اپنی انگریزی بہتر کرنے پر کافی توجہ دی تھی۔ اس لیے ابا اور اماں دوائی کے نام مجھ سے ہی پڑھواتے تھے۔ میڈیکل والا تو کچھ بھی اٹھا کر دے دیتا تھا مجھے پتا تھا کہ اماں کے ساتھ مجھے ہی جانا پڑے گا۔ ڈاکٹر شام کو بیٹھتا تھا میں آٹھ بجے اماں کو لے کر محلے کے ڈاکٹر کے چلا گیا۔ کلینک میں کچھ نئے بینر لگے ہوئے تھے۔ اماں باری کا انتظار کر رہی تھیں۔ میں بینر پڑھنے لگا

یہ بینر خارش scabies کے بارے میں تھے۔ تحریر تھا

scabies is an infestantion of the top layer of skin. ...,,...... scabies is transmitted through close physical contact with a person who is infected with scabies is more likely when partner spend together

میں پورا مطلب تو نہیں سمجھ سکا مگر مجھے اتنا اندازہ ہو گیا کہ میں اپنے جذبات کی آگ بجھاتے بجھاتے کسی اور ہی آگ میں جل بیٹھا تھا

جسم و جاں میں خارش کی بدولت آگ پی تو لگی ہوئی تھی

مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اماں تو ڈاکٹر کو دکھا کر چلی آئیں میری ہمت نہ ہوء کہ میں بھی ڈاکٹر سے کچھ بولوں۔ گھوم پھر کر ذہن میں یہ ہی خیال آتا تھا۔ اگر اس نے پوچھا کہ تمہیں یہ بیماری کس نے لگائی تو میں کیا جواب دوں گا۔ میری بیماری دیکھتے ہی وہ مجھے سنگسار کر دے گا۔ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مجھے نالی میں بہا دے گا۔ اور میں اپنی اس گندی حرکت کی بدولت گندے پانی میں بہتا پھروں گا

میرے جذبوں نے میری خواہش پوری کر دی تھی مگر خوف بھی ایک جذبہ ہے یہ اب پتا چل رہا تھا۔ اس کمبخت خارش کو میرے خوف کی ذرا سی بھی پروا نہیں تھی۔ زندگی عذاب میں مبتلا تھی مگر ہمت نہیں تھی کہ کسی سے اس مرض کا تذکرہ کروں۔ مگر ایسی چیزیں چھپائے کہاں چھپتی ہین بے چینی بے قراری اور بے تحاشا کھجانے پر اماں کی نظر پڑ گئی اور وہ مجھے ڈاکٹر کے لے جانے پر اصرار کرنے لگیں مگر میں کیسے جا سکتا تھا۔ خوف سیلر زر ہا تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ میرے گناہ اتنی جلدی طشت از بام ہو جائیں گے۔ میں ٹالتا رہا مگر اماں نے ابا کے سامنے رونا دھونا شروع کر دیا اور مجھے ابا ہی ڈاکٹر کے لے گئے۔ انکار کی ہمت تھی نہیں۔ پالتو جانور کی طرح پیچھے پیچھے چل دیا ڈاکٹر پہنچے۔ اس نے کوئی لفظ بولے بغیر خوب شرمندہ کر کے معائنہ کیا۔ کریم اور دوائی لکھ دی۔ ایک نہانے سے پہلے ایک نہانے کے بکعد خاص طور پر خفیہ مقامات پر کیوں کہ یہ جراثیم یہیں بیٹھتے ہیں۔ میں منتظر رہا کہ ڈاکٹر ابھی ابا کو سب کچھ بتا دے گا۔ مگر نہ ابا کچھ بولے نہ ڈاکٹر۔ دوائی اور

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

احتیاطیں سمجھا دی گئیں

کلینک سے باہر نکلا تو سر سے ایک پہاڑ اتر چکا تھا۔بے شک میرا اللہ اگر ستار العیوب ہے تو غفار الذنوب بھی ہے۔جس نے میرے گناہ چھپا لیے وہ مجھے معاف بھی کر دے گا۔ان خاتون کا جو بھی مسلہ ہو مجھے ان کی کھود کرید میں) اماں کی طرح(پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔میں اپنی ساری توانائی اچھی تعلیم اور تربیت حاصل کرنے پر خرچ کروں گا۔روزگار ملنے کے بعد چاہے دو،دو شادیاں کرلوں مگر اس طرح کسی کے پاس نہیں جاوں گا۔اس بار تو سزا خارش کی حد تک رہی ،کل کلاں اگر ایڈز کا مریض بن گیا تو کیا ہوگا؟؟؟؟اتنی بڑی سزا بھگتنے کی مجھ میں ہمت نہیں

☆......☆......☆......☆

سو لفظی کہانی

عاشقی

رائٹر ....سحرش علی نقوی

محلے کی راشدہ کے عاشقی کے قصے سنے۔سن کر مزہ بھی آیا۔سچ تھے یا جھوٹ کسے پرواہ تھی۔ایک کی چار لگا کر بات کو آگے بھی پھیلایا۔ایک دن خود کا موبائل خراب ہوا۔ضروری کال کرنے کے لیئے جب بہن کا سیل اٹھایا تو معلوم ہوا کہ در حقیقت عاشقی کا قصہ ہوتا کیا ہے۔جس سے وہ اب تک بے خبر رہا۔

☆......☆......☆☆☆

ہجر کے سائے ،اندھیری رات اور میرا قلم
میں ،مرے ہمراہ اُسکی ذات اور میرا قلم
پانیوں کے شہر کا منظر عجب تھا خواب میں
تیرتے پھرتے تھے خالی ہاتھ اور میرا قلم
زہر کا نیزہ امامِ وقت اور شامِ الم
حرف ،ماتم ،قصۂ سادات اور میرا قلم
جب بھی لکھنے بیٹھتا ہوں فخرِ موجودات پر
باوضو ہوتے ہیں حرفِ نعت اور میرا قلم
عصرِ حاضر کی مسلسل آزمائش اور میں
آنے والے وقت کے خدشات اور میرا قلم
بعد مُدّت کے ملے تو دیر تک روتے رہے
میں ،مری آوارگی ،حالات اور میرا قلم
تبصرہ کرتے رہے ہیں رات بھر انسان پر
موت،آندھی،سرپھرے صدمات اور میرا قلم
بانٹتے پھرتے ہیں سارے شہر میں تنہائیاں
شہر کی پاگل ہوا،کھنڈرات اور میرا قلم
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اپنی گمشدہ پہچان کو
چاند ،شب کی گود،احساسات اور میرا قلم
کیا کہوں مظہر نیازی کون ہوگا سُرخرو
برسرِ پیکار ہیں ظلمات اور میرا قلم

محمد مظہر نیازی

ناز وحشت زدہ ویران جنگل میں بھاگی جارہی تھی۔ پیاس کے مارے اس کا حلق سوکھ چکا تھا لیکن اس کی رفتار چیتے کی مانند تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے سے گریز کر رہی تھی، اس کی سانس بھاگنے کی وجہ سے پھول رہی تھی، وہ یکدم ٹھوکر کھا کر گر گئی۔ اس کے تعاقب میں آنے والے وحشی اس کے قریب سے قریب تر ہوتے جارہے تھے، وہ ان کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی جھاڑیوں میں کھینچ لی گئی۔

" کون ہو تم؟ بچاؤ۔ چھوڑو مجھے۔ " ناز نے گھبرا کر کہا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اجنبی نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

" اے لڑکی چپ ہو جا۔ وہ لوگ ابھی بھی یہاں ہیں۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم چپ چاپ بیٹھی رہو۔ "

" ڈھونڈو سالی کو یہیں کہیں ہوگی۔ "

ان کی آواز سن کے ناز خزاں رسیدہ پتے کی مانند لرزنے لگی۔ اس کا بدن برف کی طرح ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ اس کا پیچھا کرنے والے اسے نا پا کر چلے گئے تھے اور اب وہ اجنبی اور ناز جھاڑیوں سے نکل آئے تھے۔ اجنبی نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور آگے بڑھ گیا۔ ناز کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

" سنیں پلیز مجھے اس جنگل میں تنہا چھوڑ کر نہ جا۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ خدا کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے جا۔ " ناز دونوں ہاتھ اجنبی کے سامنے جوڑ کے روتے ہوئے بولی۔

" تم جو بھی ہو میرے گلے نہ پڑو۔ اپنا رستہ ناپو۔ "

" خدارا صرف آج رات کے لیے۔ کل مجھے کسی گرلز ہوسٹل چھوڑ دیجیے گا۔ "

" چلو۔ " اجنبی نے کہا۔

ناز گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کے بیٹھنے ہی والی تھی کہ وہ دھاڑا۔

" اے لڑکی میں کوئی تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ آگے بیٹھو۔ "

وہ کانپتی ٹانگوں سے آگے بیٹھ گئی۔ زمان نے میک اپ کے بغیر اتنا حسن پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کی پر سوز نگاہیں نہ جانے کیوں اس کو بے چین کر رہی تھیں؟ ایک سو دس کی سپیڈ سے گاڑی بھگاتے ہوئے وہ اپنے آپ سے بھی بے نیاز لگ رہا تھا۔

" سنو تمہارا نام کیا ہے؟ "

" وہ میرا نام انعم ناز ہے۔ "

اچھا سنو تم میرے دوست کی بہن ہو اور کچھ دن ہمارے گھر رہو گی۔ سب کو یہی بتانا ہے اور غلطی سے بھی کچھ کیا۔۔۔ " زمان نے اسے تنبیہہ کرتے ہوئے گھورا۔

"پر اماں کہا کرتی تھیں کے جھوٹ بولنا گناہ ہوتا ہے۔ "اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ زمان نے گاڑی جھٹکے سے روکی۔

"سچ کی دیوی اگر تم نے سچ بتایا تو میرے گھر والے مجھے گھر سے ضرور نکال دیں گے۔ جتنا بول رہا ہوں اتنا کرنا۔ "اس کی بات پر وہ سہمی ہوئی ہرنی کی طرح خاموش ہوگئی۔ سارا راستہ دونوں میں کوئی بات نہ ہوئی۔ گھر میں سب کو بتایا کہ ناز اس کے دوست کی بہن ہے۔ زمان اپنی دادی کے ساتھ رہتا تھا۔ ماں باپ بچپن میں ہی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اس کے ایک چاچا قمر بھی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ عادت کے اعتبار سے سخت گیر انسان تھے۔

"دادی جی آپ پلیز چاچو کو سمجھا دیجیے گا۔ "اس نے فکر مندی سے کہا۔

"تم پریشان نہ ہو۔ میں اس کو سنبھال لوں گی۔ اب تم آرام کرو۔" "چلو بیٹی آپ میرے کمرے میں سو جا۔"

اس کو صبح جلدی اٹھنے کی عادت تھی لیکن ناز کو نرم گھاس پر چہل قدمی کرتے دیکھ کر زمان خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا دل کل کی لڑکی کے لیے دھڑک رہا تھا۔

"سنو ناز وہ کون لوگ تھے جو تمہارا پیچھا کر رہے تھے؟ "زمان نے انتہائی نرم لہجے میں دریافت کیا۔

"میں آپ کو کیوں بتاں؟ "ناز نے کہا۔

"دیکھو ناز وہ لوگ خطرناک لگ رہے تھے۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں تاکہ پولیس کو بتایا جا سکے۔"

"وہ لوگ میرے چچا کے تھے۔ میری مما کی وفات کے بعد چچا میری شادی خالد سے کروا رہے تھے۔ میں اپنے والد کی جائیداد کی تنہا وارث ہوں تو خالہ بی نے مجھے وہاں سے نکال دیا۔ بولیں لوگوں سے بچنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ مما نے خالہ بی کو شروع سے ہی گھر کے فرد کی طرح عزت اور پیار دیا۔ اب میں اس دنیا میں بلکل اکیلی ہوں۔ "یہ سب بتاتے ہوئے اس نے زارو قطار رونا شروع کر دیا۔ زمان نے اسے رونے دیا۔

"ناز تم فکر کیوں کرتی ہو؟ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"آپ۔۔۔؟ "اس نے حیرت سے زمان کو دیکھا۔

"میرا مطلب دادی جان تمہارے ساتھ ہیں۔ "وہ یک دم بوکھلا گیا۔ "ناز بیٹی یہاں تو آنا۔ "بانو بیگم کی آواز پر ناز اندر کی طرف چل دی اور زمان نے اپنی بے اختیاری پر قہقہ لگایا۔

زمان جو آدھی آدھی رات کو گھر آیا کرتا تھا، اب سرے شام ہی گھر میں پایا جانے لگا۔ بانو بیگم اس کے اندر یہ تبدیلی کو محسوس کر رہیں تھیں۔

"ناز بیٹی آپ آج زمان کے ساتھ جا کر اپنے لیے کچھ شاپنگ کر لیں۔" "دادی جی مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ "وہ زمان کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی۔ کہیں وہ اس کے دل کا بھید نہ جان لیں۔ اس کا دل بھی زمان کے نام کی مالا جپتا تھا۔ اسے پتہ ہی نہ چل سکا کب وہ اس کی ہستی کا سامان بن گیا تھا۔

"بیٹی میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔ "ناز بانو بیگم کی آواز پر خیالوں کی دنیا سے نکلی۔

"دادی جان آپ مجھ سے کچھ کہہ رہی ہیں؟"

شام کو وہ زمان کے ساتھ چلی تو گئی لیکن اسے اپنا دل پسلیوں سے باہر نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ زمان نے اس کی حالت دیکھی تو بولا۔ "ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"آپ مجھے گھر لے چلیں۔" "میرے نصیب میں جب زمان

ہیں ہی نہیں تو میرا دل کیوں ان کا طالب ہے؟ اللہ جی مجھ پر رحم کریں۔ "اپنے کمرے میں بند وہ سوچ رہی تھی۔

زمان نے سوچ لیا تھا کہ وہ آج دادی جان سے اپنے رشتے کی بات کرے گا۔ "دادی جان میں اب یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔ اب مزید کسی پر بوجھ بن کر نہیں رہ سکتی۔" "بیٹی تم بوجھ نہیں ہو۔" بانو بیگم نے کہا۔

"دادو میں نے ایک نہ ایک دن تو یہاں سے جانا ہی ہے نا تو آج کیوں نہیں؟ میں نے ہوسٹل میں کمرے کا بندوبست کر لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے بیٹی جیسی تمہاری مرضی۔"

زمان کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ زمان نے اس کا رستہ روک لیا۔

" کہاں جا رہی ہو تم اور کس سے پوچھ کے؟ بولو جواب دو۔ "ناز رونے لگی۔ " کون ہے میرا یہاں جس کے لیے رک جاں؟"

"اگر میں کہوں کے میرے لیے رک جا تو کیا رک جا گی؟

"آپ بھلا ایسا کیوں کہیں گے؟ "اس نے بے یقینی سے زمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ناز میں آپ سے پیار کرتا ہوں اور آج ہی دادی جان سے بات کرنے والا تھا۔ میں شادی سے پہلے محبت کے اظہار کا قائل نہیں ہوں۔ اگر آپ کو میرا ساتھ منظور ہے تو رک جا۔ "ناز کو اپنی قسمت پہ یقین نہیں ہو رہا تھا۔

"مجھے آپ کا ساتھ قبول ہے اور پلیز میرا سامان بھی اندر رکھ دیں۔ "دادی نے جلد ہی ان کا نکاح کروا دیا۔ محبت شجر کی مانند ان پر سایہ کرنے کو تیار تھی۔ ناز کی آنکھوں میں روشن مستقبل جگنو کی طرح چمک رہا تھا۔

دلوں کا زنگ کیسے دور ہو

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دلوں میں بھی زنگ لگتا ہے جیسا کہ لوہے میں جب پانی لگ جاتا ہے، تو پوچھا گیا کیسے دور ہو گا، فرمایا موت کی کثرت سے یاد اور قرآن پاک کی تلاوت سے۔

(کنز العمال ۵/ص ۱۵۵)

www.Facebook.com/FoundationOfIslam

سارا سال امراض سے حفاظت

مفسر شہیر حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ الحنان فرماتے ہیں:

9 اور 10 محرم

- محرم کی نویں اور دسویں کو روزہ رکھے تو بہت ثواب پائے گا۔
- بال بچوں کیلئے دسویں محرم کو خوب اچھے اچھے کھانے پکائے تو ان شاء اللہ عزوجل سال بھر تک گھر میں برکت رہے گی۔
- بہتر ہے کہ کھچڑا پکا کر حضرت شہید کربلا سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کرے بہت مجرب (یعنی موثر و آزمودہ) ہے۔
- اسی تاریخ یعنی ۱۰ محرم الحرام کو غسل کرے تو تمام سال ان شاء اللہ عزوجل بیماریوں سے امن میں رہے گا کیونکہ اس دن آب زمزم تمام پانیوں میں پہنچتا ہے۔

www.dawateislami.net

نرم مزاجی

خیر و بھلائی کا سرچشمہ

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ ساری ہی خیروں سے محروم رہا۔"

(4811:ج4)

یونیورسٹی کے کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے ہی اس کے لبوں پر فخر وانبساط سے مسکراہٹ پھیل گئی۔آکسفورڈ یونیورسٹی کی وسیع و عریض عمارت اس کی نظروں کے سامنے تھی اور اس کے خواب کی تعبیر بھی جسے اس نے کتنے ہی سالوں میں نہایت شدت سے دیکھا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے مطلوبہ کمپارٹمنٹ کی جانب بڑھنے لگا۔کلاس روم کے سامنے پہنچا تو سب سٹوڈنٹس جو خوش گپیوں میں مسروف تھے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے اور کلاس میں خاموشی چھا گئی۔اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔وہ متانت سے چلتا ہوا ٹیبل کے پاس آکر رکا اور پوری کلاس کا جائزہ لینے کے بعد ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

آپ سے شروع کرتے ہیں۔

"please introduce yourself "

بلیک جینز پر ریڈ ٹاپ پہنے شانوں پر بکھری زلفیں جھٹکتی اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔

Sir ! my name is Hijab Yousuf

اسی طرح تعارف کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک سخت آواز نے ان کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

My name is Richard Aston. Can i join you dear guys. I am your English Literature lecturer.

نہایت ڈیسنٹ پرسنیلیٹی آنکھوں پر گلاسس لگائے ہاتھ میں فائل اور رجسٹر بلا شبہ وہ ان کے لیکچرر تھے۔انہیں دیکھ کر وہ مسکرایا اور جلدی سے ایک سیٹ کی جانب بڑھا اور نوٹ بک سنبھال کر بیٹھ گیا۔ساری کلاس کی نظریں اس پر تھیں وہ جانتا تھا وہ سب کیا سوچ رہے تھے اور کسی حد تک شرمندہ بھی تھے

کہ جسے وہ لیکچرر سمجھ رہے تھے وہ انہی کی طرح سٹوڈنٹ تھا۔اسے ہمیشہ سے مرکز نگاہ رہنے اور دوسروں کی توجہ کھینچ لینے کی عادت تھی۔اپنی باری پر وہ بڑے اعتماد سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا!

My name is Abdullah Hussain. I feel proud to be a part of prestigious Oxford University

کلاس کے بعد جب وہ فوڈ سپاٹ پر بیٹھا سینڈوچز سے انصاف کر رہا تھا تبھی لڑکے لڑکیوں کا ایک گروپ اس کی ٹیبل کے پاس آکر رکا۔انہوں نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جسے اس نے گرمجوشی سے تھام لیا۔پانچ لوگوں پر مشتمل اس گروپ میں تین

برٹش آرتھر، ولیم اور سٹیلا تھے۔ایک کینیڈین لڑکا آرچر تھا۔
انہی میں وہ لڑکی بھی تھی جس نے اپنا نام حجاب یوسف بتایا تھا۔ اس کی گہری براؤن آنکھوں میں ذہانت صاف جھلکتی تھی۔
کچھ ہی دنوں میں ان کی دوستی بہت مظبوط ہوگ ء۔ وہ اس کی ذہانت کے معترف تھے۔ان کے گروپ میں اس کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا۔حجاب کے بارے میں اسے سٹیلا سے پتا چلا کہ بے شک وہ ایک مسلمان ماں کی بیٹی ہے مگر اس کا باپ یہودی تھا۔اور اس نے ایسے ماحول میں پرورش پائی تھی جہاں مذہب محض ان کے لئے شناخت کا سبب تھا۔اکثر وہ اسے لیٹ نائٹ پارٹیز میں نظر آتی تھی ولیم اس کے ساتھ ہوتا تھا اور وہ عبداللہ کو عجیب نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔
عبداللہ نے کئی بار محسوس کیا تھا جب وہ حجاب سے بات کر رہا ہوتا تھا تو ولیم کی آنکھوں میں ایک نامعلوم احساس کے تحت چمک اٹھتی تھیں جسے وہ سمجھ نہیں پاتا تھا۔شاید ناپسندیدگی تھی یا نفرت وہ الجھ سا جاتا تھا۔ پہلے سمسٹر کے اختتام پر یونیورسٹی انتظامیہ کی طرف سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا اور سٹوڈنٹس کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ اس کا موضوع یہودیت کی ذہنی پسماندگی کا ثبوت تھا۔ "اسلام اور شدت پسندی"
زیادہ سٹوڈنٹس جو غیر ملکی تھے نہوں نے اس کے حق میں تقریر کی۔۔ ان کا اشارہ اس بات کی جانب تھا کہ بیسویں صدی کے مسلمان مذہب میں انتہا پسندی کی سوچ رکھتے ہیں زبردستی عقائد اور نظریات کی تبلیغ کرتے ہیں اور خود بے عمل رہتے ہیں۔ ان کی زندگی اور طرز معاشرت میں کہیں اس اسلام کی شکل نظر نہیں آتی جو ان کے آباؤاجداد میں تھا جس کی جہ سے انہوں نے ایک عرصہ عالم پر حکمرانی کی۔ آج کے مسلمان باعمل نہیں ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ دھندلے عقائد رکھتے ہیں ان کے سامنے واضح منزل نہیں ہے۔ انہوں نے براہ راست تو نہیں مگر حجاب کو بھی نشانہ بنایا کیونکہ ان کے سامنے وہ واضح مثال تھی۔
عبداللہ حسین بہت ظبط سے خود پر کنٹرول کیے بیٹھا تھا۔مگر جب ولیم نے اپنی تقریر مین مسلمانوں کو دہشت گرد کا نام دیا انہیں شدت پسند کہا تو عبداللہ کا صبر جواب دے گیا۔
اس نے اپنی تقریر کو "مرد مومن اور احیائے اسلام" کا نام دیا۔ آگاز میں طلوع اسلام کے ابتدائی اشعار پڑھے ان کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور کہا!

"عطا مومن کو پھر سے درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

اگرچہ میں اپنی تلخ نوائی پر شرمندہ ہوں مگر میں چپ نہیں رہ سکتا۔ آج بھی مسلمان اس مذہب اسلام کا پیروکار ہے جس کے نزدیک ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ وہ دہشت گرد کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ ایک باعمل انسان ہے جس کی معاشرت میں سادگی سچائی انسانیت محبت اور امن کا پیغام واضح ہے۔
عبداللہ حسین کی تقریر اور اس کے لہجے نے بھی کو متاثر کیا۔
پورا ہفتہ حجاب یونیورسٹی نہیں آئی تو عبداللہ فکرمند ہوا۔ اسے احساس ہوا کہ انجانے میں اس کے دل میں حجاب کے لئے ایک الگ مقام بن گیا ہے اور وہ دل سے چاہتا ہے کہ حجاب اسلام کی سچائی اور اس کے عقائد کو اپنی زندگی کے اصول بنا لے۔
اس دن جب حجاب یونیورسٹی آئی تو اس کا دل ایک نئی مسرت کے احساس سے بھر گیا۔ وہ مکمل مشرقی لباس میں اسے اپنے دل پر دستک دیتی ہوئی محسوس ہوئی۔ خوشی اسے اس بات کی تھی کہ حجاب نے اپنی گم کی ہوئی راہ نجات پھر سے پالی تھی۔

اس دن وہ سب دوست مل کر شاپنگ مال میں شاپنگ کر رہے تھے۔ سمسٹر کے اختتام پر عبداللہ کا پاکستان آنے کا ارادہ تھا۔ وہ سب اس کے لئے چھوٹے چھوٹے گفٹس خرید رہے تھے۔ تبھی ایک دم شاپنگ سنٹر میں ہلچل سی مچ گئی۔ سب لوگ خوفزدہ ہو کر ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔

پانچ لڑکے نقاب پہنے ہاتھوں میں سٹین گنیں لیے گھس آئے تھیئی بات ان لوگوں کے لیے بہت حیران کن تھی کہ سب لوگوں کو چھوڑ کر ان لوگوں نے صرف انہیں کے گروپ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکے کی آنکھوں کو دیکھ کر اسے شک گذرا کہ یہ ولیم ہے مگر پھر اسے یہ بات ناممکن سی لگی۔ سب خوفزدہ تھے نہیں جانتے تھے کہ ان کے عزائم کیا تھے؟

تبھی اچانک سے گارڈ نے پیچھے سے ایک دہشت گرد پر ہاتھ ڈالا تو دبا سے سٹین گن چل گئی۔ گولی کو آرتھر کی طرف جاتے دیکھ کر عبداللہ اس کے سامنے آ گیا۔ گولی اس کے سینے کے پار ہو گئی حجاب کی چیخ میں انسوں کی آمیزش اور سب ساتھی بدحواسی سے عبداللہ کی جانب بھاگے۔ اس کی اکھڑتی سانسیں اور کچھ کہتی نگاہیں ایک ہی جانب ٹکی تھیں!

وہ ولیم ہی تھا جو مسلم دشمنی کی آگ میں اس جرم کا ارتکاب کر بیٹھا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کے ہی ہم نسل کو بچانے کے لئے عبداللہ نے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ اس بات کو ثابت کر دیا تھا کہ دہشت گردی کسی ایک قومیت یا مسلم قومیت سے وابستہ نہیں دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ آج کا مرد مومن تھا جس میں کچھ تو اس کے اسلاف اور بزرگوں کا اچر باقی تھا کہ اس نے اپنی جان دے کر مسلم امہ کو شرمندگی سے بچا لیا تھا۔

☆......☆......☆......☆

زیرہ ...... انسانی جسم کی ضرورت!

- اس میں پروٹین اور آئرن کی وافر مقدار پائی جاتی ہے۔
- اسکے استعمال سے نظام ہاضمہ بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔
- اسکے باقاعدہ استعمال سے خون سے فاسد مادہ رفع ہوجاتا ہے۔
- مدافعتی نظام کو طاقتور بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔
- جگر کو صاف رکھنے میں بھی اسکا استعمال انتہائی کار آمد ہے۔
- ثابت زیرہ نظام استحالہ (میٹا بولزم) کی بہتری میں مدد دیتا ہے۔
- اس کا استعمال آپ کو مختلف قسم کے کینسر سے محفوظ رکھتا ہے۔
- اس کے استعمال سے آپ کے گردے بہتر طریقے سے کام کرتے ہیں۔
- اس کا استعمال آپ کے بڑھتے کولیسٹرول کی سطح میں کمی لاتا ہے۔
- اس کے باقاعدہ استعمال سے آپ اپنی نیند پر سکون بنا سکتے ہیں۔

KFOODS

انڈا ...... دل کے لئے ہے موزوں (تحقیق)

- انڈوں میں موجود قدرتی اجزاء دل میں پیدا ہونے والے نقائص کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
- پروٹین سے بھرپور انڈوں میں کچھ سیچوریٹڈ فیٹ پایا جاتا ہے۔ جو جسم میں داخل ہو کر جمتا نہیں۔
- ایک ہفتے کے دوران کم از کم 6 انڈے کھانے چاہئیں، جو نا صرف دل کی صحت کے لئے فائدے مند ہیں، بلکہ انسانی صحت پر کسی قسم کے مضر اثرات بھی مرتب نہیں ہوتے۔

کینو کھائیے ...... جان بنائیے!

- کینو مثانے اور کڈنی کی کمزوری دور کرتا ہے۔
- کینو دماغی کمزوری کو رفع اور ہاضمہ کو قوی کرتا ہے۔
- کینو پیٹ کے کیڑے نکالتا ہے۔
- کھانسی اور دمے میں کینو سے پرہیز کرنا چاہئے۔
- کینو بے چینی، قے اور متلی کو دور کرتا ہے۔
- کینو خون کے جوش کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

پیوستہ رہ شجر سے

افسانہ نگار: فرشتے مریم

گاڑی سے اُتر کر وہ حویلی کی جانب آئی اور اندر آتے ہی اس کے رشتے دار اُسے اور اس کی پوری فیملی کو دیکھ کر ملنے کے لیے آگے بڑھ آئے سب ان سے بہت پر جوش انداز میں مل رہے تھے اور اس نے صرف مسکرانے پہ ہی اکتفا کیا پھر سب کو آپس میں مصروف پا کر وہ اپنے گھر کی جانب بڑھی اس کے دل کی دھڑکنے تیز ہو رہی تھیں اور آنکھیں نم ہونے کے باوجود ہونٹوں پے ایسی مسکراہٹ کے سمجھ نہیں آ رہا تھا کے کس طرح خود کو سنبھالیا اور اس دل کو جو گھر کا سن کر ہی خوشی سے مچل رہا تھا خوشی کی کوئی حد نہ تھی اور اب اس دل کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا اور دروازے کی چوکھٹ پر پاؤں رکھتے ہی اس نے بسم اللہ پڑھا اور جب اندر آئی تو ہاتھ بڑھا کر اس طرح دیوار کو چھوا جیسے وہ دیواریں بھی ان سب کی منتظر ہو کے جانے کب اس گھر کے مالک آئیں اور اسے سنبھالیں جو برسوں سے ایسے ہی اسی امید پر کھڑی تھیں جیسا اس گھر کے مالک اسی امید پر جی رہے تھے کے ایک دن یہ گھر بن جائے گا اور وہ سب مل جل کر اس گھر میں ہنسی خوشی رہنگے اور آج ان سب کا انتظار ختم ہوا آج ان سب کا خواب حقیقت ہوا تھا واقعی جب کچھ بہت دیر سے ملتا ہے تو سب سے اچھا اور بہترین ملتا ہے وہ ان ہی سوچوں میں گم کھڑی گھر کو دیکھ رہی تھی جب پیچھے سے آواز آئی زارا تم یہاں کھڑی ہو میں تمہیں پورے گھر میں ڈھونڈ رہی ہوں یہ اس کی بڑی بہن فریحہ تھی جو اپنے سسرال کے ساتھ یہیں گاں میں رہتی تھی ارے آپ آ گئیں آپا اور سب بچے کہاں ہیں وہ بھی نیچے ہیں سب کے ساتھ تم چلو ہاں میں گھر دیکھ رہی تھی کتنا پیارا ہے نا ہمارا گھر بہت آپا نے بہت پہ زور دیتے ہوئے کہا اچھا چلو سب تم سب سے ملنے آئے ہیں ہاں چلیں وہ دونوں نیچے آئیں تو سب گھر کی ہی بات کر رہے تھے سب ہی گھر بننے پر بہت خوش تھے اور واقعی ان سب کے لیے یہ بہت بڑی خوشی تھی

ہم چار بہنیں اور پانچ بھائی تھے سب سے بڑے حسن پائیجان پھر عباس بھائی پھر فریحہ آپا پھر عفان بھائی ملیحہ باجی اس کہ بعد احمد پھر میں اور مجھ سے چھوٹی سارہ اور پھر آخر میں سب سے چھوٹا اذان تھا ہماری سب سے بڑی پروبلم بڑی فیملی تھی

اماں بتاتی ہیں کے اذان جب چھے ماہ کا تھا تب ہم گاں چھوڑ کر شہر شفٹ ہو گئے تھے

بابا کی جاب شہر میں تھی اور چچا ابو کراچی شفٹ ہو گئے تھے اپنی

جاب کی وجہ سے تو تایا ابو کو جیسے موقع مل گیا ہم سے جان چھڑانے کا ان کو ڈر تھا کہ کہیں دادا کے زمینوں اور گھر میں سے بابا کو نہ حصہ مل جائے کیونکہ چچا ابو نے بس وہ ہی گھر حصے میں لیا تھا جس میں وہ سب رہتے تھے اس گھر کے سامنے والے پلاٹ پر تایا ابو والوں نے گھر بنوایا تھا کہ کہیں وہ ہمارے حصے میں نہ آئے اور تایا ابو اور تائی اس لیے بھی نہیں چاہتے تھے کہ ہم وہاں رکیں کیونکہ سارے خاندان والے بابا سے بہت پیار کرتے تھے ہمارے بابا ایک شریف اور خودار انسان تھے ان کی پرسنالٹی ایسی تھی کہ ایک بار جو ان کو دیکھے تو ان کا ہی ہو جائے آواز میں رعب و دبدبا ایسا کے ان سے اعلی عہدے کے افسران بھی ان کی آواز سن کر دب جاتے تھے مگر انہوں نے کبھی اپنی پرسنالٹی سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا ہمیشہ انکے فیصلے اٹل اور ارادے پختہ ہوتے تھے بس وہ دادا کی مرضی کے آگے جھک جاتے تھے اور بابا کی یہ ساری عادتیں دادا جیسی تھیں اور دادو کو اپنے بیٹے پر ناز تھا ہاں لیکن وہ رہتے ہمیشہ تایا ابو کے ساتھ تھے

بابا ہر فیصلے پر بھی دادا کے ساتھ جاتے تھے جس کی وجہ سے تایا ابو کو یہ لگنے لگا کے دادا سب کچھ بابا کے نام نہ کر دیں حالانکہ دادا کے پاس جو کچھ تھا وہ تایا ابو کو ہی ملا تھا مگر بابا نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا پھر تایا ابو نے بابا سے کہا کے تم شہر چلیجا تمہاری جاب کا ہرج ہوتا ہے شہر میں تم آرام سے جاب بھی کرو گے اور سب بچوں کو اچھی تعلیم بھی دلا سکتے ہو پہلے تو بابا نے انکار کر دیا لیکن پھر دادا اور تایا ابو نے یقین دلایا کے کوئی بھی مشکل ہوگی ہم تمہارے ساتھ ہیں خاندان کے اور بھی بہت سے لوگوں نے بابا سے یہی کہا کہ تمہیں واقعی جانا چاہیۓ پھر بابا نے ان کی بات مان لی کیونکہ بابا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ خاندان کا کوئی بھی انسان ان کے یہاں رہنے سے خوش نہیں بابا نے اپنے بیوی بچوں پے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کے کسی کی بھی اس رائے سے وہ ناراض ہیں بلکہ یہی ظاہر کیا کے سب ٹھیک کہہ رہے ہیں اور پھر بابا ہم سب کو شہر لے آئے اماں نے اعتراض ظاہر کیا تو بابا نے یہ کہہ کر چپ کروا دیا کے سب نے ہمارے بارے میں اچھا ہی سوچا ہے تم شک نہ کرو جب کہ حسن بھائیجان فریحہ آپا اور عباس بھائی تب بڑے تھے اور وہ جانتے تھے کے یہ سب تائی امی اور تایا ابو کے کہنے پر ہوا تھا

تایا ابو کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی ان کے بڑے بیٹے یعنی سجاد بھائی کا رشتہ بچپن ہی میں فریحہ آپا سے طئے تھا ویسے ہی انکی چھوٹی بہن پارسہ کا رشتہ ہمارے حسن بھائیجان سے طئے ہوا تھا اور یہ رشتے دادا نے طئے کیے تھے لیکن یہ رشتے تائی امی کو پسند نہیں تھے کیونکہ تائی امی کو اماں شروع سے ہی پسند نہیں تھیں

**بابا نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں شہر لے آئے کیونکہ دادا کی بات بابا کبھی نہیں ٹالتے تھے دادی ہوتی تو شاید وہ کبھی نہ آنے دیتیں خیر پہلے دن دادا ہمارے ساتھ ہی آئے تھے اور ہمارے کزن بھی شفٹنگ میں مدد کروانے کے لیے آئے تھے وہ دن گذرا اس کے بعد کسی نے خیریت تک نہیں پوچھی تھی جس پر بابا کچھ حیران تو ہوئے تھے لیکن خاموش رہے جب تک بابا کی جاب تھی گھر کی ہر چیز ترتیب سے چلرہی تھی بھائیجان کی پڑھائی مکمل ہوئی تو ان کو کراچی بھیج دیا اور چچا ابو سے کہا کے ہو سکے تو اسے کوئی جاب دلا دیں ہمیں اسی طرح چھے سات سال گذر گئے اور اس وقت میں دس سال کی تھی جب بابا نے اماں کو آ کر بتایا کے ٹرانسپورٹ بند ہونے کے امکانت ہیں بابا کی جاب ٹرانسپورٹ میں تھی اور بابا

نے سوچا اسے پہلے کے ٹرانسپورٹ بند ہو جائے انہوں نے ریٹائرمینٹ کا نوٹس بھیج دیا اور بابا کی ریٹائرمینٹ منظور ہو گئی بابا نے سوچا کے ریٹائرمینٹ کے پیسوں سے کچھ اور نہیں تو گاں میں اپنا گھر بنائیں گے لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا بابا کی اتنی بھاگ دوڑ کے باوجود ریٹائرمینٹ کے پیسے نہیں ملے بابا کی جاب ختم ہو جانے سے سب کچھ جیسے رک سا گیا تھا اماں نے جب سارے راستے بند ہوتے دیکھے تو بابا سے کہا کے دادا سے بات کریں شاید وہ ہماری مدد کریں آخر آپ کے باپ ہیں آپ نے کبھی ان سے کچھ نہیں مانگا بابا پہلے تو چپ سے ہو گئے کے زندگی میں انہوں نے دادا سے کچھ نہیں مانگا تھا اب اتنے سالوں بعد وہ بھی جب اولاد جوان ہوئی ہے تو کیسے مانگوں پھر ہم سب کی رکتی ہوئی زندگیوں کو دیکھتے ہوئے بابا نے دادا سے بات کی اور دادا نے ایسا حل بتایا کہ ہم سب حیران ہو گئے اور یہ ہمارے لئے ایک نئی آزمائش تھی گاں میں ایک گیسٹ ہاس تھا جو پلاٹ تو تینوں بھائیوں کا تھا لیکن جونکہ گیسٹ ہاس چچا ابو نے بنوایا تھا تو انہی کا مانا جاتا تھا دادا نے بابا سے وہیں رہنے کا کہا تھا بابا بہت حیران ہوئے اور انکار بھی کیا بابا نے کہا کے بچوں کی پڑھائی رک جائے گی تو دادا نے یقین دلایا کہ تم میرے ساتھ چل کر رہو کچھ نہ کچھ کر لینگے اور بچے بھی اسکولز میں پڑھ لینگے باقی رہی عباس اور عفان کے کولیج کی بات تو جوان ہیں یہیں آیا کرینگے شہر کونسا دور ہے گاں سے بابا دادا کی اتنے یقین دلانے پر گاں واپس چلنے پہ آمادہ ہو گئے اور اماں سے بھی مشورہ نہ کیا

اماں بلکل راضی نہیں تھیں بلکہ ہم میں سے کوئی راضی نہیں تھا واپس گاں جانے کے لئے لیکن بابا کے سامنے جب اماں کی نہیں چلتی تھی تو ہم تو اولاد تھے

لوگ شہر جا کے ترقی کرتے ہیں اور ہم بلکل ہی کنگال ہو کر آئے تھے واپس گاں آئے تو گیسٹ ہاس کی ایسی حالت تھی فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا درختوں کے پتوں سے صحن بھرا ہوا تھا ہر کونے میں جالوں کی وجہ سے مکڑیوں کے گھر بنے ہوئے تھے صحن میں درخت تو بہت تھے لیکن ان کو شاید کوئی پانی نہیں دیتا جس کی وجہ سے بہت سے درخت سوکھ گئے تھے وہاں کی حالت ایسی تھی کہ پورا گھر بلکل کھنڈر لگ رہا تھا اماں اور آپا والوں نے دن بھر صاف کیا تب جا کر وہ گیسٹ ہاس گھر لگ رہا تھا ہمیں تو جیسے ایک نئی مصروفیت مل گئی تھی بچپن تھا اور یہ نہیں پتا تھا کے بڑے کس قدر پریشان ہیں اور کس مشکل سے گذر رہے ہیں

پہلے تو سب گھر کو دیکھ کر یہی کہتے کے گھر بہت خوبصورت بنا دیا ہے کیونکہ جتنے بھی درخت تھے اب ہرے بھرے ہو گئے تھے بابا ان سب درختوں کا بہت خیال رکھتے تھے پھر صحن میں چاروں طرف پھولوں کی کیاریاں بھی لگائیں تھیں کچھ دن گذرنے کے بعد پتا چلا کے پارسہ باجی کا رشتے طے ہوا ہے وہ بھی خاندان میں جو ہمارے رشتے کے کزن تھے بابا کے کزن کے بیٹے تھے بابا یہ سن کر تایا ابو کے پاس گئے جب تایا ابو سے بات ہوئی تو پتہ چلا کے لڑکی لڑکے کی مرضی سے رشتہ طے پایا ہے تائی امی نے کہا کے ویسے بھی میں اپنے بچوں کے رشتے تمہارے گھر میں کر کے بچوں کا مستقبل خراب نہیں کرونگی تمہارے بیٹے کو نوکری تو ہے نہیں اس بات کو بھی چھوڑو تم لوگوں کے پاس تو گھر تک نہیں ہے اور پھر انہوں یہ بھی بتا دیا کہ وہ سجاد بھائی کا رشتہ بھی کر چکی ہیں اپنی بھانجی کے ساتھ یہ سب سن کر بابا بہت دکھی ہوئے تھے تائی امی کی اس بات سے

تکلیف تو دادا کو بھی بہت ہوئی تھی لیکن وہ ہمیشہ سے ہی تایا ابو اور تائی امی کے آگے چپ رہے دکھ ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں لیکن جو دکھ اپنوں کی وجہ سے ملیں تو بہت اذیت دیتے ہیں نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی غربت اور پریشانیوں کی وجہ سے بیماریوں نے جکڑا ہوا تھا لیکن پھر بھی دل کے کسی کونے میں امید کی کرن ابھی باقی تھی

فریحہ باجی کا رشتہ آیا ہوا تھا جو بابا کی کزن تھیں لیکن ان کی شادی دوسرے خاندان میں ہوئی تھی وہ اپنے بیٹے کے لیے رشتہ کرنے آئی تھیں بابا نے تو انکار کر دیا لیکن انہوں نے بہت کہا کہ ان کے بیٹے کی خواہش ہے اور آپ کی بیٹی مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہے کیونکہ وہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق بھی ہے اور بابا نے اماں کو بتایا تو انہوں نے کہا کے جو نکلے لڑکا دیکھا بھلا ہے اور حسن بھائیجان کے ساتھ بچپن سے ہی ان کی دوستی رہی تھی تو میری طرف سے تو ہاں ہے پھر بابا نے جیسے ہی رشتے کے لیے ہاں کی ان لوگوں نے شادی کی بات بھی کر دی مگر بابا نے اپنی حثیت کو دیکھتے ہوئے فلحال شادی سے انکار کر دیا عباس بھائی کو ایک میڈیکل کمپنی میں جاب ملی تھی

اور پھر تھوڑے حالات صحیح ہوئے کراچی میں بھائیجان کو ایک جگہ بمشکل جاب ملی تھی چچا کے معرفت لیکن اس جاب میں ان کا اپنا گذارا بہت مشکل سے ہوتا تھا اور بابا نے بتایا کے باجی کی شادی کے لئے ان کے سسرال والے بہت ضد کر رہیں ہیں ہو سکے تو کچھ پئسوں کا انتظام کرو تا کہ صادگی سے ہی شاد کروا دیں پھر بھائیجان نے بابا کے کہنے پر اپنے مالک سے بات کی جن کو وہ آصف بھائی ہی کہتے تھے ان سے بطور ایڈوانس کے کچھ رقم لی پھر اس طرح باجی کی شادی بہت ہی صادگی سے کروادی گئی باجی کی شادی کے بعد بابا کو پتا چلا کے ریٹائرمینٹ کے پئسے ملنے والے ہیں تو بابا نے حسن بھائیجان کی شادی کا سوچ لیا او بھائیجان کے لیے رشتے دیکھنے لگے بابا نے اپنے ایک کزن سے ان کی بیٹی کا رشتہ بھائیجان سے کرنے کی بات کی تو انہوں نے صاف انکار کروایا اور بھی کسی اور سے ساتھ میں برا بھلا بھی کہا وہ لڑکی خوبصورت نہیں تھی لیکن پڑھی لکھی ضرور تھی بابا کا خیال تھا کہ ان کی بہت زیادہ لڑکیاں ہیں ان کی آٹ بیٹیاں تھیں اور جن کا رشتہ مانگا تھا وہ بہنوں میں سب سے بڑی تھی لیکن خیر خاندان میں کوئی بھی رشتہ کرنے کو تیار نہیں تھا سب کو ہم غریب لگتے پھر بھائیجان کا رشتہ خاندان سے باہر ان کی مرضی سے ہوا جو کراچی میں رہائش پزیر تھے بھائیجان کو چچا ابو نے اپنے گھر میں نہیں رہایا تھا بلکہ اپنے ایک پلاٹ پر روکا ہوا تھا جہاں ان کا صرف ایک کمرہ بنا ہوا تھا کیونکہ ان کے پلاٹ کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں تھا جب سے ہم گاں آئے تھے لوگ ہماری ہر بات کو نیا رنگ دی کے ایک دوسرے کو بتاتے کبھی ہم پر چوری کا الزام لگاتے تو کبھی ہمارے لباس پر ہنستے کبھی اتفاق سے بچوں میں کھیلتے ہوئے ان کی مائیں یہ کہتیں کے ہماری وجہ سے ان کے بچوں میں بری بری عادتیں آ گئی ہیں غریب ہونا بھی اس دنیا میں بہت بڑا جرم ہے کبھی کسی کی بات بری لگتی تو جواب دینے پر یہ سننے کو ملتا کے غربت میں بھی اتنی اکڑ پھر جب کبھی کوئی ترس کرتا تو ایسا کرتا جیسے ہم انسے بھیک مانگتے ہیں اور ہمیں حقیر نظروں سے دیکھتے

ہم نےکبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا تھا اور نہ ہمیں کسی سے کچھ چاہئے تھا بس ہماری ایک خواہش تھی لوگ ہماری عزت کریں سب

اللہ سے اتنی دعائیں کرتے تھے رات رات بھر جاگ کر بارشوں میں بھیگ کر ہر نماز کے بعد بس یہی دعا ہوتی کے صرف اپنا دے پھر چاہے وہ کم ہی کیوں نہ دے کیونکہ تمہارا دیا ہوا کم بھی بہت ہوتا ہے اور سب کچھ اس کے کن پہ رکا ہوا تھا حسن بھائیجان چچا ابو کے جس پلاٹ پر رہتے تھے وہ ایک بہت چھوٹا سہ علاقہ تھا جو کراچی جیسے شہر میں گاں جیسا سمجھا جاتا تھا اور جس علاقے کو بہت لوگ جانتے تک نہیں تھے رابیعہ بھابھی اس ہی علاقے میں رہتی تھیں ان کے بابا اکثر حسن بھائیجان سے ملتے رہتے تھے اور اس طرح ان کی آپس میں اچھی جان پہچان ہوگئی تھی ان کا نام اظہر خان تھا اور وہ کوئٹہ کا پٹھان تھا اور بہت غریب اور شریف انسان تھا ان کی دو بیٹیاں تھیں ایک شادی شدہ تھی وہ بھی بہت اچھے گھر میں اس کے گھر میں اس کی چھوٹی بیٹی رابیعہ اور اس کی بیوی رہتے تھے وہ بھائی کو اکثر ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے تھے اس بات پر وہ ہمیشہ حیران بھی ہوتے تھے کیونکہ اظہر خان کو پتا تھا کہ حسن بھائیجان جس پلاٹ پر رہتے تھے وہ ان کے چچا کا گھر تھا اور چچا ابو اور اظہر خان کی آپس میں کافی جان پہچان تھی اور اظہر خان کو اندازہ تھا کے چچا ابو کس قدر سخت اور شکی انسان ہیں ظاہر ہے حسن بھائیجان کے مزاج کو جان کر وہ سمجھ گئے کہ وہ دوسروں پر بوجھ نہیں بننا چاہتے ہیں ان کے پلاٹ پر رہنا صرف ان کی مجبوری ہے اور اظہر خان کو بھائیجان کی یہ خوداری بہت پسند آئی لوگوں کی باتوں میں آکر چچا ابو نے بھائیجان کو اپنے پلاٹ سے جانے کا کہہ دیا اور حسن بھائیجان نے اپنا قصور بھی نہ پوچھا کچھ کہے بغیر سامان لیکر چلے گئے رہنے کی کوئی جگہ نہ تھی لیکن ایک امید باندھے وہ امی کے ماموں کے پاس گئے ان کی ڈور بیل بجائی تو پانچ دس

منٹ بعد کوئی آیا اور ماموں کی بیٹی تھی جو بھائیجان کو جانتی تھیں اچھی طرح لیکن اس وقت پہچاننے س انکار کر گئی اور بھائی نے اپنا تعرف کرواتے ہوئے کہا کہ ماموں کو بلائیں لیکن اس نے کہا کہ گھر پر کوئی مرد نہیں ہے آپ چلے جائیں حالانکہ ان کا اپارٹمنٹ اتنا چھوٹا تھا کہ اندر سے سب کی آواز صاف سنائی دی رہی تھی بھائیجان خاموش ہوگئے اور واپس آتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ شاید مجھے کچھ غلط فہمی ہوئی ہو یہ ٹھیک کہہ رہی ہو وہ رات جیسے پہاڑ بن کر ٹوٹی تھی دل بیحد اداس ہوگیا تھا زندگی میں پہلے کبھی اتنی بیبسی اور ذلت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنا آج خود کو بیبس اور مجبور محسوس کر رہے تھے کوئی تو پاس ہوتا جو میرا حال جانتا اور اندر سے جیسے ایک آواز آئی ہاں ہے نہ وہ جو ہمارے دلوں کے راز جانتا ہیے جو ہمارا سب سے بڑا آسرا ہے جو یہ سب دیکھ رہا ہے اور وہ ہی ہے جو اس مصلحت کو جانتا تھا اور وہ ہمیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا صبح ہوئی تو پی سی او جا کر سب سے پہلے گھر فون کر کے اماں سے بات کی لیکن ان کو کچھ نہیں بتایا کیونکہ وہ کچھ بھی بتا کر ان کی امیدوں پر پانی نہیں پھیرنا چاہتے تھے اور نہ ان کو اپنی کسی بات سے پریشان کرنا چاہتے تھے شام میں اسی ہوٹل پہ آکے بیٹھا جہاں روز ہی بیٹھ کر وہ کھانا کھاتا تھا تو اظہر خان آکر اسے سے ملا کچھ رسمی بات چیتکے بعد اس سے پوچھا کہ کل کہاں تھے تو کہا بس اب کہیں اور رہنے کا بندوبست کیا ہے اظہر خان نے بیچ میں ہی بات کاٹ دی اور کہا کہ میرے پاس کیوں نہیں آئے کیا میں تمہارا دوست نہیں ہوں تو پہلے تو وہ کچھ ہچکچا سا گیا پھر کہا کے نہیں آپ کے گھر میں رہ کے آپ کو تکلیف نہیں دے سکتا لیکن اظہر خان نے اس کی کوئی بات نہیں سنی اور اپنے گھر لے گیا وہ اس کے گھر

میں بس ایک ہی دن رکا تھا کیونکہ اگلے دن ہی اسنے بیچلرز میں جا کے اپنے کچھ گاں کے ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا کہہ آیا تھا جو ایک ہی کمرے میں ساتھ آٹھ لوگ رہتے تھے اور اس کی بہت عزت کرتے تھے وہ اس لیے بھی عزت کرتے تھے کہ حسن بھائیجان نے ان سب پہ کبھی بھی اپنے خاندانی نام کا رعب نہیں جتایہ تھا اظہر خان کو اس کی یہ شرافت بہت پسند آئی اور اسی شرافت کی وجہ سے اس نے اپنی بیٹی سے شادی کرنے کی خود ہی آفر کر ڈالی اور اس بارے میں بابا سے بات کی اور بابا نے حسن بھائیجان کی رضامندی دیکھتے ہی اماں کو کراچی ساتھ لے آیا اور یوں رابیعہ بھابھی اور بھائیجان کا رشتہ طے ہو گیا حسن بھائیجان جس جگہ جاب کرتے تھے وہ تین چار پارٹنرز تھے اور پہلے تو وہاں ورکر کے حساب سے کام کرتے تھے لیکن ان کی ایمانداری کو دیکھتے ہوئے اس کے باس نے اپنے پاس لگا لیا تھا ان کا امپورٹ ایکسپورٹ کا کام تھا وہ ایک ہوائی روزگار کی طرح کبھی چلتا تھا اور کبھی رک جاتا تھا لیکن اس میں یہ تھا کے آفس کے سب ورکرز کو اپنی تنخواہیں ٹائم پر مل جاتی تھیں کیونکہ کے یہ ائیرپورٹ پر چلنے والا کام تھا اور اسی وجہ سے بزنس میں ان مالکوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑتا تھا جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس بزنس کے جو پارٹنرز تھے وہ کام چھوڑ کر چلے گئے اور بس ایک ہی مالک تھا جو اتنے بڑے قرضے میں گھیرا پڑا تھا لیکن اس کی امید ابھی باقی تھی جس کی وجہ سے اس کے سب ورکرز نے اس کا ساتھ دیا دنیا میں برے لوگوں کے ساتھ ساتھ بہت سے اچھے لوگ بھی باقی ہیں جن کی وجہ سے یہ دنیا قائم ہے

بابا اور اماں کی خواہش تھی کے ان کے بڑے بیٹ کی بھی شادی ہو اس کی بھی دلہن آئے اور یہ تو سب چھوٹے بہن بھائیوں کی بھی خواہش تھی کیونکہ وہ اپنی فیملی میں سب کو ہی بہت پیارے تھے اور بابا کو جیسے ہی رٹائرمینٹ کے پیسے ملے انہوں نے سب پہلے حسن بھائیجان کی شادی کروادی کچھ دن بھابھی ہمارے ساتھ ہی گاں میں رہیں لیکن کچھ دنوں بعد ہی حسن بھائیجان نے کراچی میں ایک کرائے کا گھر لے لیا تھا وہ بھی ایک بہت چھوٹے سے علاقے میں اور وہ بھابھی کو کچھ دنوں میں ہی واپس کراچی لے گئے وہ یہ سب افورٹ نہیں کر سکتے تھے لیکن بھابھی کی ضد کی وجہ سے انہوں نے یہ سب کیا بابا کے پاس جو پیسے باقی بچے تھے انہوں نے اس میں سے گھر بنوانا شروع کیا لیکن وہ گھر چھت چڑھنے تک ہی بن سکا خاندان کے سب رشتیدار کراچی شفٹ ہو گئے تھے ہمارے علاوہ تین چار گھر رہگئے تھے جن کی یہیں شہر میں جابز تھیں حسن بھائیجان نے کچھ ہی دنوں میں بابا کو فون کر کراچی آنے کا کہا اور اس طرح ہم کراچی چلے گئے ہمیں کچھ ہی دن ہوئے تھے کراچی آئے جب بابا دادا سے ملنے تایا ابو کے گھر چلے گئے لیکن جب سے دادا سے مل آئے تھے وہ بہت اداس تھے اور بس اتنا کہا کہ جانے کیوں بابا میرے ساتھ کبھی نہیں رہتے آج بھی میں نے ان سے بہت کہا وہ میرے ساتھ آئیں میرا گھر بلکل گاں کے گھر کی طرح ہے آپ آرام سے رہ سکتے ہیں لیکن خیر وہ بھائی کے ساتھ ہی رہینگے آخر میں انہوں نے امی سے یہی کہا کہ بابا کا بہت خیال رکھنا سب کے رویئوں نے بابا کو اتنا مایوس کر دیا تھا اور وہ خود کو اس دنیا میں واقعی اکیلے لگ رہے تھے حسن بھائیجان کی شادی کے دو ماہ بعد بابا اس دنیا کو چھوڑ کر ہمیں اکیلا کر گئے اور ہم واقعی اکیلے ہو گئے تھے بابا کی یوں اچانک موت ہم

سب کے لئے ایک اذیت ناک حادثہ تھا اور کسی نے آ کر ہم سے ہمدردی کے دو لفظ بھی نہیں کہے تھیا ور نہ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھا تھا بلکہ لوگوں کہ منہ سے یہ سننے کو ملا کے ہم خود ہی بابا کی موت کے زمیدار ہیں اور ہم نے اپنے باپ کو خود مارا ہے بس دادا ہی تھے جو اپنی بیٹے کی موت پر ہمارے دکھ میں شریک تھے دادا اپنی ضد پر گاں میں ہی رہ رہے تھے اور تایا ابو کے فیملی میں سے ان کے ساتھ کوئی نہیں رکا تھا ان کی پوری فیملی کراچی واپس چلی گئی تھی بابا کے جانے کے بعد دادا بس کچھ وقت ہی ہمارے ساتھ رہے تھے اور اماں نے ان کی بہت خدمت کی تھی دادا کی ڈیتھ کے بعد گاں میں رہنیکا تو کوئی جواز ہی نہیں بچا تھا اور ہم سب پوری طرح کراچی شفٹ ہو گئے ہم اپنے صرف ضرورت کی کچھ چیزیں اور کپڑے ہی لیے تھے باقی کچھ نہیں لیا تھا لیکن وہاں آنے کے بعد بھی ہم نے بہت کٹھن وقت گذرا ہاں پر یہاں کوئی ہمارے حال پہ ہنسنے والا نہیں تھا عباس بھائی کو ایک ایئر لائن میں جاب مل گئی تھی اور عفان بھائی کو حسن بھائیجان نے اپنے ساتھ کام پر لگایا تھا ان کے مالک ملک سے باہر گئے ہوئے تھے اور سب حسن بھائیجان کی زمیداری پر ہی چھوڑ کر گئے کیونکہ کام سارا یے رکے ہوئے تھے ہر روز ورکرز چینیج ہوتے پھر ان کا کام چھوڑ کر چلے جاتے جس کی وجہ سے وہ عفان بھائی کو ساتھ لے جاتے تھے لوگ جانے کیوں شاٹ کٹ کی پیچھے جاتے ہیں جب کہ محنت ایک دن ضرور رنگ لاتی ہے اماں کہتی ہیں کہ یہ بھابھی کے اچھے نصیب کی وجہ سے بھائیجان کے کاموں میں برکت آئی ہے گھر کے حالات کافی بہتر ہوئے تھے ہم جب لوگوں کے منہ سے اپنے لیے ایک بھی اچھی بات سن لیں تو ہمارے حوصلے بڑھ جاتے ہیں جب سے ہم

کراچی آئے تھے آس پڑوس کے لوگ ہم پر اور ہمارے گھر پر بہت کمینٹس کرتے کبھی ہمارے گھرداری پر کبھی ہماری ڈریسنگ پر اور کبھی ہماری کوکنگ پر کیونکہ غربت نے ہمیں ہر کام سکھا دیا تھا پھر بھابھی نے ہمیں مشورہ دیا کے ہم جب کے اتنے اچھے کپڑے بنا لیتے ہیں تو کیوں نہ سلائی پر کپڑے سینا شروع کریں پہلے تو ہم خاموش رہے اس بات پر دھیان نہیں دیا لیکن جب اپنے کپڑے بناتے تو سب بہت کو پسند آتے اور ہمارے کپڑے اکثر کٹ پیسز سے ہی بنے ہوتے تھے لیکن ہم ان پہ کام اچھا کرتے تھے اور ہماری عادت تھی کے ہم کوئی نیا کام دیکھتے تھے وہ خود سیکھنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ ہماری اتنی حثیت نہیں تھی کہ ہم اتنے مہنگے کپڑے بنواتے وہ بھی اتنی بہنیں خیر لوگوں کے بہت پسند کرنے اور اپنی ضرورت کے لئے ہم نے یہ کام بھی شروع کیا پہلے تو ہمیں بہت اچھا رسپونس ملا اور پڑوس میں بہت لوگ ہم سے کپڑے بنواتے تھے ایک دو لوگ ایسے تھے جو ہم سے کپڑے بنوا کر بٹیکس میں دیتے تھے لیکن ان لوگ کا جیسے ہی کام آگے بڑھنے لگا ان لوگ نے ہم سے کام کروانا چھوڑ دیا ہمنے کوئی ترقی نہیں کی اس کام سے لیکن یہ فائدہ ہوا کے ہم بہت اچھے ڈریس ڈزائنرز بن گئی تھی حسن بھائی جان کے اتنے وقت سے ایئر پورٹ پر کام کرنے کی وجہ سے اور کچھ نہیں لیکن ان کی ایئر پورٹ پر بہت جان پہچان ہو گئی تھی اور وہاں سب لوگ ان کی بہت عزت کرتیان کے آفس کے مالک اپنے ورکرز کو سارا حساب دے کر وہاں سے چلیگئے لیکن حسن بھائیجان نے خود اپنا بزنس کرنے کی کوشش کی وہ بھی امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس اور جو انکے ساتھ پہلے کام کرتے تھے اسی آفس میں شروع شروع

میں تو وہ راضی نہیں ہو رہے تھے لیکن پھر مان گئے پہلے تو ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا لیکن وہ جتنا کماتے سب سے پہلے ورکرز کو ان کی دھاڑی دیتے کیونکہ وہ اپنا بھروسہ قائم رکھنا چاہتے تھے اور ان سب ورکرز کو ہر خاص موقع پر بونس بھی دیتے کامیاب ہونے کے لیے نیک نیتی بھی بہت ضروری ہے اور یہ بھی ایک کامیابی کی خاص وجہ تھی حسن بھائیجان نے اپنا بزنس جما لیا تھا اور اب ہم کراچی کے ایک اچھے ایریا میں رہتے تھے حسن بھائیجان کے باس جن کا نام آصف شاہ تھا واپس آئے تو بھائیجان کو یوں بزنس کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان کی محنت کو بہت سراہا پھر انہوں نے کہا کہ تم چاہو تو ہم دونوں پارٹنرز بن سکتے ہیں پھر بھائیجان نے کہا کہ مجھے اور کیا چاہیے میں اپنے مالک کا بزنس پارٹنر بن جاں واقعی انسان بہت کم سوچتا ہے اپنے لیے مگر اللہ وہ دیتا ہے جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا

پاکستان کے انٹرنیشنل شہر کراچی میں اپنا بزنس اپنا گھر اپنی گاڑیاں اور سب بڑی بات ان لوگوں میں عزت جو ہمیں اپنے ساتھ بٹھانا پسند نہیں کرتے تھے آج وہ سب لوگ ہم پر واری واری جاتیہیں عباس بھائی کی شادی اماں کی سگی خالا کی بیٹی سے ہوئی تھی اور گاں میں شادی کروانے کے بعد کراچی آ کر ریسپشن کیا تھا اور یہ چچا ابو کی فرمائش پر ہوا تھا گاں میں ابھی ہمارا گھر نہیں بنا تھا چچا ابو نے زبردستی اپنے گاں والے گھر میں عباس بھائی کی شادی کروانے کا کہا بابا اور دادا کے گذر جانے کے بعد وہ کافی شرمندہ ہوئے تھے اور جب سے ہمارے حالات اچھے ہوئے تھے ایک اچھے چچا ثابت ہوئے تھے اور عباس بھائی کی شادی ان کے گھر میں ہوئی تایا ابو اور تائی امی بھی آئے تھے اور انہوں نے کچھ اس طرح اپنی شرمندگی ظاہر کی کہ سارے خاندان آپس میں ایک ہیں ہم نجانے کیوں ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں حالانکہ پہلے لوگ ہم تین بھائیوں کے محبت کی مثال دیا کرتے تھے اب ہمیں بھی اتحاد کے ساتھ رہنا چاہیے کہ لوگ ہم پر انگلی نہ اٹھا سکیں اور دلوں میں جو نفرتیں ہیں وہ ختم کرو پہلے جو ہو گیا سب بھول جا اماں نے مسکرا کر کہا کہ بھائی صاحب ہم نے کب نفرتوں کو دل میں جگہ دی تھی جواب کسی سے نفرت کریں گے ہم نے تو ہمیشہ دل صاف ہی رکھا ہے پھر عباس بھائی کی شادی کے بعد تایا ابو نے اماں اور حسن بھائیجان سے اپنے دونوں بیٹوں کے رشتوں کی بات کی کہ ان کو اپنے دونوں بیٹوں کی شادی اپنی بھتیجیوں سے کرنی ہے حسن بھائیجان نے تو صاف انکار کر دیا تھا کیون کہ انسان اگر کسی کو معاف بھی کر دیتا ہےتو وہ کسی کی غلطیوں کو بھولتا نہیں ہے اور یہ ہر انسان کی فطرت ہوتی ہے پھر حسن بھائیجان کچھ عرصے تک تو نہیں مانے لیکن چچا ابو اور اماں کے بہت سمجھانے پر مان گئے اور ملیحہ باجی اور تایا ابو کے سب سے چھوٹے بیٹے ہشام کا رشتہ ہو گیا

آج سب کچھ ٹھیک ہو گیا مایوسیوں کیبادل چھٹ گئے تھے ساری امیدیں رنگ لائیں تھیں سب پرائے بھی اپنے تھے اب ہر رشتہ اپنی جگہ سمبھالے ہوئے تھا آج لوگ ہماری ہر بات ہر چیز کو دیکھ کر ہمیں صرف سراہتے نہیں تھے بلکہ ہمیں ہر بات میں فالو بھی کرتے تھے فریحہ آپا اپنے گھر اور فیملی میں بہت مصروف اور خوش تھیں عباس بھائی اور حسن بھائیجان بھی اپنے اپنے گھروں میں بہت اچھی اور پرسکون زندگی گذار رہے تھے ہم سب کی ساری آزمائشیں سب رنجشیں اور زندگی سب تلخیاں اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھیں اور سب کے دامن میں اب خوشیاں ہی خوشیاں تھیں

دھند میں لپٹی ایک سرد رات میں لاہور کی اس تنگ گلی کے نکڑ والے گھر میں ستاون ذیل کی تکلیف برداشت کرنے پر خدا نے صابرہ کے پہلو میں ابر رحمت اتاری تھی رفیق عرف فیقے نے گلابی کمبل میں لپٹی سرخ و سفید پری کا ماتھا چومتے ہوئے اسے گل افشاں پکارا تھا (اسے اس نام سے بلا کی عقیدت اور عشق تھا ہوتا بھی کیوں نا وہ اس ننھی گل افشاں سے خواب میں مل چکا تھا) پورے محلے میں لڈو بانٹے گئے ایسا نہیں تھا کہ گل افشاں کو سب سے پہلی اولاد کا اعزاز ملا تھا اس سے پہلے اس کے دو بھائی تھے ہاں مگر پہلی رحمت بن کر وہ ضرور اتری تھی شکرانے کے نوافل تک رفیق نے ادا کر ڈالے یہ وہ رفیق تھا جو بس جمعے کی جمعے مسجد جاتا تھا مگر گل افشاں کو پانے کا نشہ ہی اور تھا اس کی دلی تمنا تھی کہ خدا اسے پہلی اولاد بیٹی دے لیکن خدا کے کام خدا جانے......اب وہ اسے پانے پر بے حد نازاں تھا گل افشاں کے بعد خدا نے ایک اور بیٹا عطا کیا مگر جو مقام گل کا تھا وہ ان تینوں میں سے کوئی اور نا لے سکا۔ ہوتا بھی کیسے؟؟؟؟ رفیق کے غربت زدہ آنگن میں وہ خوشحالی کا دیا بن کر چمکی تھی کچھ ہی مہینوں میں کچے صحن کی مٹی نے اینٹوں کی چلدر اوڑھ لی صابرہ کو وعدے کے مطابق چاندی کے ٹوپس بھی بنوا کر دیے گل افشاں ان کے لیے وہ لکی نمبر ثابت ہوئی تھی کہ جس کے لگتے ہی ان کی قسمت پلٹ گئی۔

محض پانچ برس میں ہی وہ بڑی ذمہ دار بچی بن گئی جب وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے ساتھ سائیکل پر رکھی چھابڑی میں فروٹ چنواتی تو رفیق نم آنکھوں سے آسمان کو تکتے ہوئے اس نیلی چھتری والے کا شکر ادا کرتا۔ گو کہ اس کے بڑے لڑکوں نے کبھی یہ فعل سرانجام نہیں دیا تھا۔ اور جب دیہاڑی اچھی لگتی تو رفیق کبھی اس کیلئے جلیبیاں لاتا تو کبھی چائنا مال میں سے سنہرے بالوں والی گڑیا۔ وہ دن بھر اپنے ننھے ہاتھوں سے کبھی جھاڑو لگاتی تو کبھی گڑیا کا کھیل رچا لیتی۔

صابرہ کی ہر پکار پر وہ ان کا مطلوبہ سامان ڈھونڈ ڈھانڈ کر ان کے حوالے کر دیتی ایک دن یونہی ابا کے ساتھ اعلیٰ و ادنیٰ نسل کے پھلوں کو علیحدہ کرتے ہوئے اس نے اسکول جانے کی فرمائش کی رفیق تو گویا کھل ہی اٹھا البتہ صابرہ کو اعتراض ہوا

"لو بھلا ہماری برادری میں کہاں لڑکیوں کی تعلیم کا رواج ہے جو ہم اسے پڑھاتے پھریں ہمارے ہاں لڑکیوں کو گھر داری سکھائی جاتی ہے جو آگے جا کر ان کے کام بھی آتی ہے"

"بھلی مانس کیا ہوا اگر ہماری برادری میں کوئی لڑکی نہیں پڑھی

ہماری گل افشاں اگر پڑھنا چاہتی ہے تو پڑھنے دے اور پھر ایک لڑکی کی تعلیم سے نسلیں سنور جاتی ہیں"

"سنورتے تو اس سے اپنے بال بھی نہیں کہاں یہ نسلیں سنوارنے چلی" صابرہ نے اس کے الجھے ہوئے بالوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ابھی تو بچی ہے دیکھنا ایک دن یہ تیرا اور میرا نام روشن کرے گی" رفیق کی ہر بات میں گل افشاں کے لئے صرف مان ہی مان تھا۔ بالآخر وہ اس کی ٹوٹی پھوٹی دلیلوں کے باعث اپنے دونوں بڑے بھائیوں کے ہمراہ اسکول جانے لگی۔ جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس کے دونوں بھائی اسکول کے نام پر بستہ اٹھائے صبح گھر سے نکل تو آتے ہیں مگر اسکول کی بجائے وہ سارا دن گلی کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ گلی ڈنڈا اور کنچے کھیلتے ہیں ایک دو بار اس نے ابا سے شکایت کرنا چاہی اگلے دن انعام کے طور پر دونوں بھائیوں سے مار کے علاوہ منہ بند رکھنے کی دھمکی بھی ملی وہ روتی بسورتی پھر سے ابا کے پاس پہنچی رفیق نے ان دونوں کی خبر لینے کا وعدہ کرتے ہوئے اسے بہلا پھسلا کر چپ کروالیا اور ساتھ ہی دس کا نوٹ بھی تھمایا کہ چاچا بوٹا سے چاٹ لیکر کھالے وہ چاٹ کا سنتے ہی خوش ہوگئی کیونکہ اسے اپنے اسکول کے باہر لگنے والی چاچے بوٹے کی چاٹ بہت پسند تھی۔ اسکول میں اس کی واحد دوست بجیلہ تھی اماں کی خاص الخاص ہدایت تھی کہ زیادہ دوستیاں پالنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ شوق صرف امیروں کو بھاتے ہیں۔ کچھ ہی مہینوں میں وہ استانیوں کی پسندیدہ سٹوڈنٹ بن چکی تھی اسے بھی تو اپنی استانیاں بہت بھاتی تھی خاص طور پر مس حنا۔۔۔ بہت خوبصورت۔۔۔ لمبے بالوں کی چوٹی بنائے۔۔۔ میک اپ کے نام پر صرف کاجل لگائے حاضری رجسٹر اٹھائے اس کے آنے کے انداز پر گل افشاں فدا تھی۔ چھٹی والے دن وہ اماں سے فرمائش کر کے دو کی بجائے ایک چوٹی بنواتی۔۔۔ بجیلہ سے ادھار مانگ کر کاجل کی سلائی بھی لگاتی اور پھر اسکول کے کام والا رجسٹر تھامے اپنی اکلوتی ایڑھی والی جوتی پہنے ٹہل ٹہل کر چلتی مس حنا بن جاتی اور اپنے سامنے بیٹھے خیالی طالب علموں کو پڑھاتی کچھ وقت کا یہ کھیل اسے آسمانوں میں اڑا لے جاتا وہ سب بھلائے بس ٹانگ پر ٹانگ رکھے حکم چلاتی اور پھر اماں کی آواز پڑتے ہی اپنا خیالی محل دھڑام سے گرائے نیچے بھاگ جاتی اماں اسے دیکھتے ہی یا تو کوئی کام تھما دیتی یا پھر سعدی کو کھلانے کی ذمہ داری دے دی جاتی وہ جھولا جھلاتے ایک بار پھر اس رنگین دنیا میں کھو جاتی۔

زندگی کے سمندر میں جھولتی ناؤ میں پہلا چھید تب ہوا جب ایک دن گلی کے نکڑ پر ماسٹر صاحب نے رفیق کو روک کر اطلاع دی کہ اس کے لڑکے اسکول نہیں پہنچ رہے اور ان کا اٹھنا بیٹھنا محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ ہے رفیق کیلئے بات تو اچھنبے کی تھی لیکن وہ چپ چاپ سن کر گھر آ گیا۔ پوچھنے پر دونوں کا صاف انکار کہ انھیں پڑھ کر کونسا پڑھ کر افسر لگنا ہے جب دیہاڑی ہی کرنی ہے تو وہ بنا تعلیم کے بھی ہو سکتی ہے۔

زندگی میں کچھ بننے کیلئے محنت اور لگن پہلی سیڑھی ہوتے ہیں لیکن جب انسان پہلی سیڑھی ہی پار کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو آخری تک جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان کے انکار پر رفیق کی خاموشی انھیں مزید شیر بنا گئی وہ جو کام چھپ کر کرتے تھے اب سر عام کرنے لگے رفیق عرف فیقا ایسا ہی تھا صلح جو اور خاموش طبع جبکہ صابرہ کے لہجے کی گرمی اکثر گھر کے ماحول کو دہکائے رکھتی۔

ایک دن اسکول واپسی پہ دل میں اٹھتی خواہش کے حصول کیلئے وہ

چاچے بوٹے کی ریڑھی کی طرف بڑھی اس بات سے لاعلم کہ ایک چھوٹی سی خواہش زندگی کی ایک اور تلخ حقیقت سے پردہ اٹھا گئی ۔چاچے کی آنکھوں میں سمائی نمی اور چہرے پر کرب کی لکیریں اسے یہ آشکار کر گئی کہ وہ اپنی ہی اولاد کو بوجھ لگنے لگا ہے اس بوڑھے باپ کیلئے گھر بھر میں جگہ میسر نہیں وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر رو تو سکتی تھی مگر ان کیلئے کچھ کر نہیں سکتی تھی ۔اس کی زندگی میں جو بڑا بدلاؤ آیا وہ یہ کہ اس دن کے بعد وہ ہر بوڑھے مرد و عورت کو بغور دیکھتی ان کے چہروں پر وہ آثار اور کرب تلاش کرتی جو اس دن چاچے بوٹے کے چہرے پر تھا اگر کبھی وہ ماسی جنت کو گھر کے باہر گلی میں اترتی سیڑھیوں پر بیٹھا دیکھتی تو انکی سانس کے ساتھ وہاں بیٹھنے کی وجہ پوچھتی اور پھر اپنی سوچوں کے متزاد جواب پا کر (کہ وہ صرف لوڈشیڈنگ اور حبس کی وجہ سے باہر بیٹھی ہے) وہ مطمئین سی ہو کر ان کے گلے لگ جاتی ۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ وہمی تھی بس تلخ سچائیاں اس کے ذہن پر نقش ہو جاتی تھی وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نہ مٹا پاتی ۔ادھر اس نے آٹھویں کا امتحان پاس کیا ادھر صابرہ نے مکمل گھر اس کے حوالے کر دیا اس کا خیال تھا کہ اسے اب گھر داری سنبھالنی چاہیے چونکہ نتیجے میں ابھی وقت تھا اور مزید پڑھنے کی ضد کو پورا کروانے کیلئے ضروری تھا کہ وہ اماں کی ہر بات پر سر جھکائے کیونکہ اصل مسئلہ ہی صابرہ کا تھا ورنہ ابا تو ہمیشہ سے ہی اس کے حامی تھے وہ سورج کی آنکھ کھلنے سے پہلے اٹھتی نماز تلاوت سے فراغت کے بعد چولہا سنبھال لیتی ناشتہ کے بعد گھر کی صفائیاں اس کی منتظر ہوتی اپنی نفاست پسند طبیعت کے زیر اثر ہر چیز کو اس کی جگہ پر پہنچاتی ماسوائے ایک کمرے کے جہاں اس کے نواب بھائی آرام فرما رہے ہوتے دس بجے اٹھ کر ناشتے کا آرڈر جاری کر دیتے اور وہ مودب بنی سب حاضر کر دیتی لیکن آج وہ تن گئی

’’تجھے سنتا نہیں کب سے ناشتے کا کہہ رہا ہوں‘‘ صغیر کو غصہ آیا

’’میں بھی تو کہہ رہی ہوں ناشتہ نہیں ہے‘‘

’’کیوں؟؟‘‘

’’کیوں کہ راشن ختم ہے ہاں اگر تم دونوں بازار سے لا دو گے تو بنا دوں گی‘‘ ’’لا پیسے دے‘‘ گویا مانگ کر احسان کیا گیا تھا

’’کہاں سے دوں پیسے؟؟‘‘ الٹا سوال ہوا

’’ابا کی چمچی سارے پیسے ابا کے تیرے پاس ہوتے ہیں اسی میں سے دے‘‘ ’’کب تک ابا کے ٹکڑوں پہ پلتے رہو گے آخر خود کچھ کیوں نہیں کرتے‘‘

’’ابا ہم پہ احسان نہیں کر رہا ذمہ داری ہیں ہم اسکی‘‘ صغیر ہاتھ نچا کر بولا

’’اور جو ذمہ داری تم لوگوں کی ہے اس کا کیا؟؟؟‘‘ وہ سیانی عاقلہ بنی سوال پہ سوال کر رہی تھی

’’بڑی زبان چل رہی تیری ۔۔۔۔ابھی بتاتا ہوں اماں کو دیکھنا سارے کس بل نکل جائیں گے ۔۔۔۔اما۔۔۔ں ۔۔۔۔بات ادھوری رہ گئی جبکہ گل افشاں کا جواب پہلے حاضر تھا

’’اماں گھر پر نہیں ہیں ۔۔۔‘‘ اطمینان قابل دید تھا جبکہ صغیر کے سر پر لگی ’’تب ہی کہوں آج مینڈکی اتنا پھدک کیوں رہی ہے‘‘

وہ تمام باتیں چھوڑے اب صلح جو انداز میں بولی

’’بھائی ابا کی حالت بہت خراب ہے وہ ساری رات کھانستا ہے اب اس میں اتنی سکت نہیں کہ وہ سارا سارا دن کام کر کے ہمارے پیٹ کا دوزخ بھرے اگر تم دونوں کچھ کرنے لگو تو وہ بھی چار دن آرام کر لے گا‘‘

’’ہاں ہاں میری بہن کیوں نہیں ہم آج ہی کام ڈھونڈتے ہیں تو

بس کھانے کو کچھ دے دو پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں'' غسل کھانے سے نکلتے ہوئے کبیر نے تولیے سے بال پونچھتے ہوئے بات ختم کی ویسے بھی وہ صغیر کی نسبت تھوڑا ٹھنڈے مزاج کا تھا۔
اس دن کی بحث کے ہفتہ بعد ہی صغیر نے ماں کے ہاتھ پہ نوٹوں کی گڈی رکھی ''لے اماں دل کھول کر خرچ کر اور راشن بھی ڈلوا لینا''
صابرہ ان پیسوں کا محرک جانے بنا ہی ان پر صدقے واری جانے لگی اور ساتھ ہی گل افشاں کو سنوائی بھی کر ڈالی
''دیکھ میں نہ کہتی میرے دونوں بیٹے ہیرے ہیں ہیرے''
جبکہ رفیق کے ساتھ ساتھ گل افشاں بھی اس سوچ میں غرق تھی کہ آخر وہ اتنے پیسے کہاں سے لائے اور پھر تو جیسے سلسلہ ہی شروع ہو گیا رفیق کا علاج اچھے ہسپتال میں ہونے لگا گھر میں آنے والی خوشحالی نے غربت کو اکھاڑ پھینکا۔گل افشاں کی تعلیم کا سلسلہ پھر سے جڑ چکا تھا سعدی کا داخلہ اچھے اسکول میں کروایا گیا یہ بھی گل افشاں کی ضد تھی وہ سعدی کو بڑے دونوں بھائیوں سے منفرد بنانا چاہتی تھی ایک پڑھا لکھا با اعتماد شہری۔سکون اور پیسے کے نشے میں کھوئے ہوئے انھیں ہوش تب آیا جب صغیر اور کبیر کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پایا
خبر تھی ہی اتنی سفاک کہ رفیق کا ہاتھ بائیں طرف دھڑکتے لوتھڑے پر جا رکا صابرہ پہ تو مانو ایک ساتھ دو دو قیامتیں ٹوٹ پڑی تھی ایک طرف سر کا سائیں ہسپتال کے بستر پر پڑا تھا تو دوسری طرف مستقبل کے سہارے پنجرے میں قید تھے ایسے میں صرف گل افشاں ہی تھی جو کبھی ماں کی ڈھال بن جاتی تو کبھی محلے کے معزز لوگوں کی منت سماجت کرتی کہ اس کے بھائیوں کو رہائی دلا دی جائے مگر کوئی بھی حامی بھرنے کو راضی نہ تھا گویا وہ سب مطلب پرست پتلوں کو چھوڑے ایک حقیقی ہستی کے سامنے جا گڑ گڑائی وہ ہستی جو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ کیوں نہ اس کی سنتا۔ بالآخر کچھ کوششوں کے تحت وہ دونوں رہا تو ہو گئے مگر ساری جمع پونجی صرف ہو گئی جو باقی ماندہ تھی وہ ہسپتال کے بل بھر دیے گئے۔
اب کی بار رفیق نے لہجے کی گرمی دیکھائی اور ساتھ یہ بھی جتا دیا کہ آئندہ ایسا معاملہ ہوا تو وہ انھیں اپنی اولاد ہی تسلیم نہیں کرے گا لڑکے بھی جیل کی تازہ خاطر تواضع کے پیش نظر اس کام سے توبہ کر گئے۔زندگی اپنی روانی میں پھر سے بہنے لگی گل افشاں نمایاں کامیابی کے ساتھ اسکول سے کالج پہنچ چکی تھی لڑکے بھی باپ کا ہاتھ بٹانے لگے صابرہ پھر سے بے فکری کے جھولے میں جھولنے لگی۔لیکن ''سیانے کہتے ہیں زندگی دریا میں بہتے اس پانی کا نام ہے جو سدا ایک ہی روانی میں نہیں بہتا اس میں کبھی تغیانی تو کبھی بلا کا سکوت چھا جاتا ہے''
وہ دریا جو سکوت سے بہہ رہا تھا اس میں لالچ کی چمک نے ایک بار پھر بے نشان منزل کو پانے کیلئے طغیانی بھر دی۔بڑے دن وہ اسی سوچ میں رہے کہ کام کریں یا نا؟؟ مگر لالچ کی حرص نے سب وعدے توڑ ڈالے اور وہ بس آخری بار کرنا ہے کہہ کر پھر سے اس راہ کے مسافر بن چکے تھے۔برائی کے راستے کی کشش نے انھیں ایسا جکڑا کہ وہ چاہ کر بھی خود کو آزاد نہ کروا سکے
''حرام کے کڑک نوٹوں کی خوشبو ایسی من کو بھائی کہ پھر حلال کے پسینے کی بو میں اٹے نوٹ اچھے نا لگے''
جیب میں نوٹ آئے تو یہ چھوٹا سا محلہ انھیں اپنے سے بہت چھوٹا لگنے لگا دونوں بھائیوں نے مل کر ایک پوش ایریا میں گھر خرید لیا سب کی پیشانیوں پر رقم سوالوں کا جواب یہ دیا گیا کہ کچھ جمع پونجی ان دونوں نے کی تھی اور یہ گھر بیچ کر تقریباً آدھی رقم ادا کر دی

جائے گی اور باقی وہ اقساط میں چکا دیں گے۔سب اس من گھڑت بات پہ ایمان لے آئے ماسوائے رفیق کے جسے اس بات میں رتی برابر بھی سچائی کی رمق دکھائی نہ دی وہ اپنی برسا برس کی حلال کی کمائی میں اس گھر کی سیلن زدہ دیواریں نہ بدلوا سکا کجا کہ گھر نیا لیتا۔گویا اس نے گھر بیچنے اور ساتھ جانے سے انکار کر دیا دونوں لڑکے تو بپھر ہی گئے کہ اگر گھر نہیں بیچیں گے تو رقم کہاں سے ادا کریں گے۔صابرہ ہمیشہ کی طرح بیٹوں کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئی ''خدا کا واسطہ ہے رفیق کبھی تو شک کی عینک اتار کر دیکھا کر.....جو کچھ تو زندگی میں حاصل نہ کر سکا اگر تیرے بیٹوں نے کر لیا تو اس میں برائی ہی کیا ہے''

''بات حاصل اور لا حاصل کی نہیں ہے بات ذرائع کی ہے اور مجھے زندگی میں جو کچھ ملا میں اس پر صابرو شاکر ہوں''

''بس کر رفیق اتنا ہی تو صابرو شاکر ہے تو جب رات بھر کھانستا ہے تو کیوں دوا مانگتا ہے اپنی یہ صبرو شکر کی گھٹی کیوں نہیں لیتا؟؟؟اور کل جب اسے بیاہنا ہوا تب بھی اس کی جھولی میں جہیز کے نام پہ صرف صبرو شکر ہی ڈالنا.....کیوں کہ میرے بیٹوں کی کمائی لینا تو تجھے گوارہ نہیں ہے اور تیری کمائی میں سوائے صبرو شکر کے کچھ نہیں آتا'' صابرہ لڑاکا عورتوں کی طرح طعنے دے رہی تھی

''اس کمائی سے یہ کمائی لاکھ درجے بہتر ہے کم سے کم مجھے شکر کرنا تو سکھاتی ہے''

''یہ ساری باتیں بس سننے پڑھنے میں اچھی لگتی ہیں رفیق سچائی اس سے کہیں زیادہ تلخ ہے''....

''اماں ٹھیک کہہ رہی ہے ہم ایک بار کڑا وقت دیکھ چکے ہیں جب سب ساتھ چھوڑ گئے تھے۔اور پھر ان کے لئے نہیں تو میرے اور سعدی کے لیے ہی مان جاؤ سعدی اگر اسی ماحول کا حصہ رہا تو کیا گارنٹی ہے یہ وہ ویسا ہوگا جیسا آپ اسے دیکھنا چاہتے ہو''

گل افشاں کی بات حقیقت پر مبنی تھی نا چاہتے ہوئے بھی اسے یہ ناجائز مطالبہ ماننا پڑا اور گھر بیچنا پڑا۔

ماحول بدلا تو انداز میں بدلاؤ آپو آپ آ گیا وہ صابرہ جو اول جلول حلیے میں پھرتی تھی اب ذرا بن سنور کر رہتی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھی رہتی۔جہاں صغیر نے گھر میں بہت سا دوسرا سامان ڈلوایا وہیں وہ یہ بیماری بھی اٹھا لایا تھا جس کی سب سے زیادہ خوشی صابرہ کو ہی ہوئی اور اب اسی خوشی کے پیش نظر وہ وہاں سے ہلنے کا بھی نام نہ لیتی۔وہ رشتہ دار جو کبھی صرف اس لیے چھوڑ گئے تھے کہ کہیں آڑے وقت میں کچھ دینا دلانا' نا پڑ جائے اب حالت زار بدلتے دیکھ کر لہجوں میں شیریں گھولے پھر سے ملنے لگے تھے اور صابرہ جیسی بھولی خاتون ان پہ صدقے واری جاتے نا تھکتی۔باقی سب نے تو چلو میل ملاپ کی حد تک ہی رشتہ داری گانٹھی تھی مگر نجمہ اور اس کا بیٹا تو گل افشاں کو دیکھتے ہی فدا ہو گئے تھے اور اگلے ہفتے ہی باقاعدہ رشتہ لے آئے نجمہ جہاں گل افشاں کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہی تھی وہیں وہ اپنے بیٹے کا ذکر کرنا نا بھولتی

''میرا داؤ دایسا....میرا داؤد ویسا.......میرا داؤد پڑھا لکھا.....میرا داؤد خوبصورت'' اس کی ہر بات داؤد سے شروع ہو کر داؤد پر ہی ختم ہوتی تھی ''چاچی تیرے داؤد میں سب کچھ ہے پر نوکری بھی تیرے داؤد کے پاس نہیں'' منہ پھٹ صغیر بولا

''کیا ہوا صغیرا اگر آج نوکری نہیں ہے کل دیکھنا وہ بھی مل جائے گی ....اور بھائی رفیق میں کہے دے رہی ہوں مجھے بس ہاں میں جواب چاہیے'' نجمہ تو سب طے کیے بیٹھی تھی

یوں کچھ سوچ بچار کے بعد رشتہ پکا کر دیا گیا کیوں کہ داؤد ہر لحاظ

سے بہتر تھا ماسوائے نوکری کے... وہ بھی انشاءاللہ مل ہی جائے گی کہہ کر سب مطمئین ہوگئے اور شادی انٹر کے بعد طے کی گئی۔ بیمار رفیق کی آدھی بیماری یہ سوچ کر ہی ختم ہوگئی تھی کہ اس کی گل افشاں اپنے گھر کی ہونے والی ہے اور جو تھوڑی بہت رہتی تھی وہ سعدی نے پورے مڈل بورڈ میں ٹاپ کر کے ختم کر دی تھی اگر دونوں بڑے بچوں کو بگاڑنے میں صابرہ کا ہاتھ تھا تو چھوٹوں کو سنوارنے میں رفیق نے جی توڑ محنت کی تھی اور آج وہ اسی محنت کا صلہ وصول رہا تھا خوشی تو صابرہ کے چہرے پر بھی عایاں تھی آخر کو اس کی نا صرف خاندان میں بلکہ محلے بھر میں بھی ناک اونچی ہوگئی تھی ہر کوئی مبارک باد دینے چلا آرہا تھا گھر بھر میں خوشی کا ہی سماں تھا مگر۔۔۔

ان خوشیوں کو بری نظر کھا گئی رات واردات کے وقت پولیس کا چھاپہ پڑا اور پولیس مقابلے میں صغیر کو گولی لگ گئی جوان بیٹے کی موت انھیں توڑ گئی کبیر ایک بار پھر سلاخوں کے پیچھے تھا وہ صابرہ جو سارا دن بن سنور کر رہتی تھی اب پہروں ملگجے کپڑوں میں پڑی خلاؤں کو گھورتی رہتی نا کھانے کا ہوش تھا نا پینے کا.... بس آنسو تھے جو کسی وقت بھی رکنے کا نام نا لیتے رفیق کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نا تھی فرق صرف اتنا تھا کہ وہ صابرہ کی طرح رو نہیں سکتا تھا لیکن جوان بیٹے کو قبر میں اتارتے وقت وہ بھی سارے ضبط کھو بیٹھا تھا اس قدر دھاڑیں مار مار کر رویا کہ چپ کروانا مشکل امر لگنے لگا۔ سعدی الگ سہما ہوا تھا صدمہ تو گل افشاں کیلئے بھی بہت بڑا تھا لیکن اس وقت اسے ہمت سے کام لینا تھا کسی ایک کو تو ہمت کر کے اس ٹوٹے آشیانے کو جوڑنا تھا اسی لئے اس نے ہمت کر لی یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ کبھی وہ ابا کو سمجھاتی تو کبھی اماں کو.... انھیں بتاتی کہ وہ اسی کی امانت تھا اس نے لے لیا

''ابا' اماں زندگی صرف ایک کے جانے پر ختم نہیں ہو جاتی اگر ایسا ہوتا تو آج اس دنیا میں کوئی زندہ نا ہوتا ہر کوئی اپنے پیاروں کے ساتھ ہی اپنی قبر کھود والیتا جب کہ ایسا نہیں ہے آپ کو کچھ ایسے انسان بھی ملیں گے جو اپنا سب گنوا کر بھی زندہ ہیں زندگی جی رہے ہیں نا کہ زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ زندگی جینے اور گزارنے میں بہت فرق ہوتا ہے آپ لوگ زندگی گزار رہے ہیں ایک لمحے کیلئے صغیر بھائی کا دکھ بھلا کر ذرا سوچیں سعدی کا کیا قصور ہے اس سب میں' جو آپ لوگ اسے پس منظر میں دھکیل رہے ہیں جو چلا گیا اس کا غم ہے ہم سب کو مگر جو بچا ہے اسے تو آپ لوگ اپنے ہاتھوں سے گنوانے کی بجائے سمیٹ لیں کبیر بھائی کو سیدھی راہ پہ لے آئیں سعدی کی طاقت بنیں کمزوری نہیں'' اس کی تقریر کا ایک فائدہ ہوا اس دن کے بعد صابرہ اور رفیق ہر گذرتے دن کے ساتھ تھوڑا تھوڑا سنبھلنے لگے تھے سعدی کو سمیٹنے کو گل افشاں ہر قدم پہ اس کے ساتھ کھڑی ہوتی زندگی بہت اچھی نا سہی پر گذرنے لگی تھی دو ماہ میں ہی مالی مشکلات پیش آنے لگی ابا میں اتنی سکت نا رہی تھی کہ وہ کوئی مشقت کا کام کر سکتا جوان بیٹے کی جدائی اسے وقت سے پہلے بوڑھا کر گئی تھی اب کی بار بھی گل افشاں کو ہی کچھ کرنا تھا وہ ایک نیا عزم لئے اگلی صبح ڈاکومینٹس فائل اٹھائے وہ ہر اس جگہ گئی جہاں اسے لگتا تھا کہ شاید کوئی نوکری مل جائے مگر ہر جگہ سے وہ نامراد ہی لوٹی۔ اور پھر تو روز ہی ایسا ہونے لگا وہ ہر جگہ سے خالی ہاتھ ہی لوٹتی صبح کی ناشتے کے بنا ہی آگئی تھی اب اس کا بھوک سے برا حال تھا سڑک پار اسے برگر والا نظر آگیا پرس میں پیسے دیکھے تو وہ کم تھے مگر بھوک بھی عروج پر تھی کچھ سوچتے ہوئے اس نے آدھا برگر لے لیا اور چلتے چلتے

کھانے لگی کہتے ہیں خدا کی ہر بات میں کچھ نا کچھ مصلحت ضرور ہوتی ہے اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا وہ جس کاغذ پر رکھا برگر کھا رہی تھی اس اخبار کے ٹکڑے پر نوکری کا اڈ تھا اور گھر کا ایڈریس بھی زیادہ دور نا تھا کچھ سوچتے ہوئے وہ پیدل ہی چل پڑی اس امید پر کہ شاید کوئی بات بن جائے۔ آدھے گھنٹے تک وہ اپنے مطلوبہ پتے پر پہنچ چکی تھی بنگلہ اتنا بڑا تھا کہ اسے تو اندر جاتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا پر جانا تو تھا ہی سو ہمت کر کے وہ اندر چلی گئی اندر جس خاتون سے اس کا سامنا ہوا وہ بہت پر شفیق تھی چند منٹوں میں اس کا سارا ڈر اتر چکا تھا انھوں نے چند باتوں کے بعد اس کو کل سے کام پر آنے کا کہہ دیا وہ خوشی سے جھومتی گھر گئی اماں سے لپٹی انھیں بتانے لگی کہ اسے نوکری مل گئی ہے اور کام بھی زیادہ نہیں ہے بس اس بوڑھی پر شفیق عورت سے سارا دن باتیں کرنی ہیں اس کے ساتھ کھانا کھانا ہے چائے پینی ہے بس اتنا سا کام ہے"ایک تو یہ امیر اور ان کے چونچلے.....اس کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے کیا جو اسے تنہائی بانٹنے کیلئے ملازمہ کی ضرورت پڑ گئی ہے""پتا نہیں اماں مجھے تو وہاں ملازموں کے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا...یا پھر ہو سکتا ہے وہ سب کام میں اتنا مصروف ہوں کہ بوڑھی ماں کیلئے کسی کے پاس ٹائم ہی نا ہو"

اسے اس میڈم کے ہاں کام کرتے ہوئے ایک ماہ سے اوپر ہو چکا تھا مگر اس نے آج تک ملازموں کے علاوہ کسی کو میڈم کے آس پاس نہیں دیکھا تھا سو ہمت کرتے ہوئے آج پوچھ ہی لیا

"میڈم آپ کی اولاد نہیں ہے؟؟؟؟"

پہلے تو وہ اس کی بات پر ہنستی رہیں پھر بولی

"ماشاللہ سے میری دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹیاں اپنے اپنے گھروں کی ہو کر دیار غیر چلی گئی"

"اور بیٹا؟؟"

انھوں نے ٹھنڈی سانس خارج کی

"بیٹا میرے ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں ہے وہ رہتا تو اسی گھر میں ہے مگر اس کی راتیں اور دن کہاں گذرتے ہیں کوئی نہیں جانتا میرے پاس وہ صرف تب آتا ہے جب اسے پیسے چاہیے ہوتے ہیں"

"آپ کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر اس کی شادی کر دیں وہ اسے خود ہی سمیٹ لے گی اور جب ذمہ داری سر پر پڑی آپ دیکھے گا وہ کیسے ساری ایکسٹرا سرگرمیاں چھوڑتا ہے میرے ابا کہتے ہیں سمجھدار بیوی اپنے شوہر کی نا صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سنوار دیتی ہے"

"ہم م م م م"

بیٹے کے ذکر پر وہ افسردہ ہو گئی گل افشاں نے فوراً ٹوپک تبدیل کر دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔

اگلی صبح وہ جیل میں کبیر سے ملنے گئی

"گل افشاں کتنے دنوں بعد آئی ہو......اماں ابا کیسے ہیں؟؟؟تم نے میری رہائی کے لئے وکیل سے بات کی...خدا کیلئے مجھے یہاں سے نکالو.....میں اگر کچھ دن اور یہاں رہا تو ویسے ہی پاگل ہو جاؤں گا" وہ ایک سانس میں سب سوال جواب کیے جا رہا تھا

"میں نے وکیل سے بات کی تھی وہ جتنی فیس مانگتے ہیں اتنی تو میری ماہانہ تنخواہ بھی نہیں ہے....تمہارے اوپر مقدمے ہی اتنے ہیں کہ چھوٹے موٹے وکیل کے بس کی بات نہیں"

"خدارا مجھے یہاں سے کسی بھی طرح نکالو میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کروں گا بالکل ویسی زندگی گذاروں گا جیسی تم اور ابا چاہتے ہو" وہ بے بسی کی انتہا پر تھا

''ہا.....وعدہ..... بالکل ویسا وعدہ جیسا تم نے اور صغیر بھائی نے آج سے کچھ سال پہلے ابا سے کیا تھا'' لہجے میں طنز کی آمیزش نمایاں تھی

''تب اور بات تھی اس وقت صغیر میرے ارادوں کو بدلنے والا تھا پر اب ایسا نہیں ہوگا تم بس مجھے یہاں سے نکلواؤ''

وہ اسے جھوٹی تسلی دیے چلی آئی جانتی تھی اس کی رہائی اتنا آسان کام نہیں ہے اس پر مقدموں کی بھر مار تھی۔

اس کے بات کے ٹھیک ہفتے بعد میڈم رعنا ان کے گھر اپنے بیٹے کے لیے سوالی بن کر آ گئی وہ تو اسی صدمے میں تھی کہ بھلا وہ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں

''دیکھیے بہن آپ ہمارے گھر آئی آپ کا شکریہ مگر گل افشاں کی بات پہلے ہی ہمارے رشتہ داروں میں طے ہے جیسے ہی حالات اجازت دیں گے ہم اسے رخصت کر دیں گے'' رفیق نے نہایت عاجزی سے ان سے معذرت کی

''بھائی صاحب آپ پھر بھی ایک دفعہ سوچ لیں پھر جو آپ کا فیصلہ ہمیں منظور ہوگا'' گل افشاں انھیں دروازے تک رخصت کرنے آئی

''شکریہ گل افشاں تم نے اس دن مجھے یہ راستہ دیکھایا.... مجھے لگا میں واقع ہی اپنے بیٹے کو پھر سے پا سکتی ہوں''

''میڈم میں نے یہ بھی کہا تھا کہ کوئی اچھی لڑکی..... نا کہ اپنی بات کی تھی''

''بھلا تم سے اچھی اور کون ہو سکتی ہے.....سدا خوش رہو میری دلی تمنا ہے کہ تم میری بہو بنو باقی جو خدا کی مرضی'' وہ اسے پیار کر کے چلی گئی

رفیق نے نجمہ سے بات کرنے کی ٹھانی کہ آ کر دو جوڑوں میں اپنی امانت لے جائیں جبکہ صابرہ اس کی کم عقلی پر افسوس کرتی رہ گئی بھلا کیا تک بنتی ہے اتنا اچھا رشتہ پر کنگلے داؤد کو ترجیح دینے کی ۔

نجمہ تو ان کی بات سن کر تو ہتھے سے اکھڑ گئی کہ اسے نہیں چور اچکوں کے گھر میں بیٹے کو بیاہنا اس نے تو یہ رشتہ اسی دن ختم کر دیا تھا جس دن انکی اصلیت اس کے سامنے آئی تھی۔

''لیکن بہن اس میں گل افشاں کا کیا قصور؟؟؟؟''

''معاف کیجیے گا بھائی صاحب تالاب میں مچھلی چاہے ایک بھی گندی ہو اثر پورے تالاب پر پڑتا ہے اور پھر آپ کے گھر رشتہ داری کرنے سے ہمارے لڑکے بھی کل کو اسی راہ پہ چل نکلیں گے اور سچ پوچھیں تو ہم میں اتنا جگرا نہیں کہ جوان میتوں کو کندھا دیتے پھریں'' لفظ تھے یا کند چھری۔

وہ چپ چاپ گھر آ گیا۔گل افشاں کے لیے یہ بڑا دھچکا تھا کچھ نہ سہی اس رشتے کے ہو جانے پر تھوڑا بہت لگاؤ تو تھا ہی۔سوتے جاگتے دیکھے جانے والے خوابوں میں تھوڑی سی جگہ اس نے داؤد کو بھی دی تھی کچھ مستقبل کے خواب اس کے نام کے بھی دیکھے تھے مگر اس نے سب لمحوں میں ختم کر دیا یوں جیسے کبھی کچھ تھا ہی نہیں۔ایک بار اس سے بات کر کے وہ ان تمام سوالوں کے جواب چاہتی تھی جو اس کے من میں کلبلا رہے تھے سعدی نے داؤد کا فون نمبر دے کر اس کی یہ مشکل بھی آسان کر دی تھی اور وہ پہلے ہی سوال پر یہ کہہ کر بری الذمہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتا انھوں نے اگر انکار کیا تو گویا اس میں بھی میری بھلائی ہوگی۔

اگر وہ لڑکا ہو کر اپنے ماں باپ کا مان رکھ رہا ہے تو میں کیوں نہیں ؟؟؟

اس نے میڈم رعنا کے بیٹے کو ہاں کر دی۔اس کے اس فیصلے کی سب سے زیادہ خوشی صابرہ اور میڈم رعنا کو ہوئی تھی۔اب جب اس نے زندگی کو قسمت کی کسوٹی پر پرکھنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا تو کیوں نا وہ کچھ شرائط منوا کر کھیلتی ہار 'جیت تو بعد کی بات تھی۔اس کے اس فیصلے سے نا صرف کبیر کو رہائی ملی بلکہ سعدی کے بیرون ملک جانے کے انتظامات بھی ہو گئے۔کبیر رہا تو ہو گیا مگر پولیس ریمانڈ میں اپنی ٹانگیں گنوا بیٹھا۔

شادی کی پہلی رات ہی اسے یہ بات اچھے سے آشکار ہو گئی تھی زندگی اگر پہلے سہل نا تھی تو اب بھی کچھ خاص فرق نہیں تھا پھولوں کی سیج پر بیٹھا کر کوئی جب کانٹوں سے استقبال کرتا ہے تو نازک آبگینے جیسے جذبات اپنے پندھار کو ٹھیس پہنچنے پر بین کرنے لگتے ہیں اس وقت وہ بھی ایسی ہی کیفیت سے گذر رہی تھی کہتے ہیں عورت چاہے جتنی بھی مضبوط کیوں نا ہو آخر ٹوٹ ہی جاتی ہے کیونکہ ہوتی تو عورت ہی ہے کوئی مٹی کا مادو نہیں کہ جسے سرد و گرم سے فرق ہی نا پڑتا ہو اس رات وہ بھی ٹوٹ گی اسے لگا کہ شاید اب اس کا جڑنا ممکن ہی نہیں لیکن طلوع صبح ہوتے ہی اسے رعنا جیسی پر شفیق ساس نے اپنی آغوش میں لیکر اس کے دامن میں بھرے سارے کانٹے چننے کا وعدہ کیا تھا ان کی باتوں سے اسے اپنے فیصلے پر قائم رہنے کی جلا ضرور ملی تھی وہ ہر گذرتے دن کے ساتھ جڑنے لگی لحہ بہ لحہ خود کو تعمیر کرتی اور دانیال عمر کے چند تلخ جملے ہی اسے ڈھا دیتے اگلی صبح وہ پھر پر عزم ہوتی۔

وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار چلے جا رہا تھا وہ جو خود کی تعمیر میں گم تھی اپنے اندر تعمیر ہوتے وجود کی آگہی اسے پھر سے زندہ کر گئی یہ خبر روشنی کی وہ کرن ثابت ہوئی تھی جو اندھیروں میں ڈوبے کسی بھٹکے ہوئے کو اس کی منزل کا پتا دے دے اسے بھی منزل مل گئی تھی مگر اس منزل کی تکمیل

سے پہلے ہی خدا نے اس سے وہ مہربان گود چھین لی جو اسے اپنی آغوش میں لیکر سارے دکھ درد چن لیتی تھی ابر رحمت نے اس کی جھولی میں رحمت ڈال دی جسے اس نے امید کا نام دیا وہ امید جو لحہ لحہ پگھلتی زندگی کو پھر سے جینے کی امید دے۔

جہاں امید کو پا کر گل افشاں مصروف ہوئی وہیں دانیال کے رویے میں بھی تبدیلی آنا شروع ہو گئی یہ تبدیلی سراسر امید کیلئے تھی گل افشاں کے لئے لہجے میں وہی بر فیلہ پن تھا مگر اسے اب ان سب سے قطعی فرق نہیں پڑتا تھا وہ خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ چکی تھی۔

سعدی دور ہو کر بھی ہر لحہ اس کے پاس تھا بالکل ویسے جیسے وہ اس کے ساتھ ہوتی تھی اب وہ اس کی ساری محبتوں کا صلہ سود سمیٹ دے رہا تھا جب تک سعدی کو جاب نہیں ملی تھی وہ ہی اپنے اماں 'ابا کا بیٹا بنی ہوئی تھی جیسے ہی سعدی اپنے پیروں پر کھڑا ہوا ساری ذمہ داری اس نے اپنے کندھوں پر لے لی۔

گل افشاں نے اپنی زندگی کے دس سال پروانے کی طرح اس شمع کے گرد گذار دیے جسے قریب جانے پہ سوائے جلن کے کچھ نہیں ملتا مگر وہ پھر بھی اس کی محبت اور پانے کی چاہ میں اپنے پنکھ جلاتا رہتا ہے۔

جب اسے اپنی محبتوں کا خراج ملنے لگا تب قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا ایک رات دانیال کی طبیعت اس قدر بگڑی ڈاکٹرز کے مطابق الکوحلک اشیاء کے زیادہ استعمال سے اس کا لیور مکمل طور پر ڈیمج ہو چکا تھا اس کے بچنے کی امید بہت کم تھی اس کی تو دنیا ہی لٹ رہی تھی امید کا رو رو کر برا حال تھا

''پلیز ماما' بابا کو بچا لیں نا'' امید روتے ہوئے اس سے مطالبہ

کرتی وہ اسے خدا سے مانگنے کی تاکید کرتی بیٹی کے سائبان کو بچانے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا لیور ٹرانس پلانٹ۔ یہاں آکر زندگی کے آگے سوالیہ نشان تھا جس کا جواب دینا نا دینا اس پر منحصر تھا بہت سوچ کے بعد وہ اس سوال کا جواب دینے کا ٹھان چکی تھی وہ رفیق کی گل افشاں بن کر دانیال عمر کو زندگی کی نوید دے گئی وہ اس شمع کی آب وتاب زندہ رکھنے کیلئے خود کو دان کر گئی آج اسے لگا وہ اپنے نام کا صحیح حق ادا کر گئی ہے وہ ابتدا سے انتہا تک صرف روشنی اور پھول بن کر ہی برسی تھی۔

بیتے دنوں کو یاد کرنے پر دانیال عمر کو سوائے پچھتاوں کے کچھ حاصل نا ہوتا بالآخر ایک دن اس نے اس پروانے کو خراج عطا کر دیا

گل افشاں فاؤنڈیشن کا افتتاح کرتے رفیق نے خدا سے یہی دعا کی تھی خدا ہر گھر میں ایک گل افشاں ضرور دے۔

جبکہ وہ شکر گزار تھا ان ہستیوں کا جنھوں نے اسے ہیروں سے بڑھ کر گل افشاں عطا کی تھی

اپنے پیاروں کو آسودہ حال دیکھ کر وہ دور آسمانوں میں دانیال عمر سے یہ کہتے ہوئے مسکرادی

''میں سب کے دلوں میں زندہ ہوں مگر تم کیا کرو گے دانیال عمر تمہارے تو جگر میں رہتی ہوں کبھی یہاں سے نکالنے کی کوشش کرو گے تو بھی میرے پاس ہی آؤ گے میری امانت تمہارے پاس ہے اس کا بہت خیال رکھنا''

دانیال نے وعدہ کرتے ہوئے امید کی پیشانی چوم لی۔

ختم شد

آج کی بات

دعا کے تین پہلو ہوتے ہیں

- یا تو قبول ہو جاتی ہے
- یا آخرت کے لئے ذخیرہ کر لی جاتی ہے
- یا مصیبت کو ٹال دیتی ہے

مگر رد نہیں ہوتی

قالین پر دودھ گر جانے تو......

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بچے اپنا فیڈر قالین پر پھینک دیتے ہیں۔

اور قالین پر بدنما داغ دھبے پڑ جاتے ہیں۔

ایک سادہ اسفنج رکھیں جیسے ہی کوئی چیز گرے

اسفنج گیلا کر کے صاف کر دیں،

دودھ زیادہ ہو تو اسفنج کو نچوڑ کر دو تین دفعہ قالین صاف کریں

اس طرح آپ کا قالین خراب نہ ہوگا!

ماں باپ کے نام......

نیند اپنی بھلا کر سُلایا ہم کو

آنسو اپنے گرا کر ہنسایا ہم کو

درد کبھی نہ دینا اُن ہستیوں کو

اللہ نے ماں باپ بنایا جن کو

موسم سرما کی چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ دسمبر کی سردی میں یہ دھوپ بہت غنیمت ہوتی ہے۔ میں تمام کام سے فراغت پا کر دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے لیے آنگن میں آبیٹھی۔ سامنے لگے شہتوت کے درخت پہ بیٹھی ایک چڑیا بیٹھی زرد پتے کو چونچ مار رہی تھی۔ موسم کی شدت جس طرح انسانوں پر اثر انداز ہوتی ہے، دوسرے تمام جاندار بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔ ہلکی ہلکی گرمائش نے گویا سرد جسم میں خوشگوار سی حرارت بھر دی تھی اتنے میں دروازہ بجا میں نے کسلمندی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک خاتون کو کھڑے پایا وہ سرمئی پرانی سی چادر میں لپٹی ہوئی کھڑی تھی اس کا چہرہ عجب نقاب میں ڈھکا ہوا تھا کہ محض ایک آنکھ دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے اچھنبے سے اس عورت کی طرف دیکھا جی؟ اس نے سلام کر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں حالات کے پیش نظر تذبذب میں تھی کہ اسے اندر بلاؤں یا نہیں، شاید اس نے میری بے چینی بھانپ لی فورا بولی، باجی میں چور اچکی نہیں مصیبت کی ماری ہوں اور کام کی تلاش میں ہوں۔ آپ کی بڑی مہربانی مجھے کوئی کام دے دیں اس کے رندھے ہوئے لہجے اور اکلوتی نظر آنے والی آنکھ کے آنسو نے میرے سدا کے نرم دل کو موم کر دیا۔ میں نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا اور در بند کر کے پلٹی۔ وہ دھوپ میں بچھی چارپائی کے ایک کونے پر سمٹ کے بیٹھ گئی۔ میں نے اس کا نام پوچھا، اس نے اپنا نام زینت بتایا۔ کہاں سے آئی ہو؟ مطلب کہاں رہتی ہو؟ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں تفتیشی عنصر ابھر آیا۔ باجی وارڈ نمبر ۴ میں رہتی ہوں اس پاپی پیٹ کی مجبوری نہ ہوتی تو کبھی در در کی ٹھوکریں کھانے باہر نہ نکلتی یہ کمبخت ساتھ لگا نہ ہوتا تو دھکے کھانے کو کس کا دل کرتا ہے۔ اس کی فلسفیانہ گفتگو نے میرے اندر کے مصنف کو ہائی الرٹ کر دیا۔ میرے لہجے میں نرمی اور تجسس آگیا، زینت تم اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گی شاید میں کچھ مدد کر سکوں؟ میرے سوال کے جواب میں اس نے اپنے چہرے سے چادر ہٹا دی میں یک دم سراسیمہ اور چپ ہو گئی۔ اس کا نصف چہرہ جھلسا ہوا تھا ایک آنکھ سلامت تھی اور دوسری بند۔ جھرجھری لے کر میں نے اس کے چہرے سے نظر ہٹا لی لمحہ بھر کی خاموشی چھا گئی اس نے چہرے کا دوبارہ ڈھک لیا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ میں نے دکھ سے پوچھا۔ بس باجی مقدر کا لکھا کون ٹال سکتا وہ سر جھکا کے بولی۔ میں جانتی ہوں آپ ایک رائٹر ہیں اور میری کہانی جاننا چاہتی ہیں۔ اس کے لفظ رائٹر نے مجھے اور حیرت زدہ کر دیا تم پڑھی لکھی ہو؟ جی باجی میٹرک پاس

ہوں ۔ ہم میں نے ہنکارہ بھرا ۔تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ پلیز میں نے اس کو ٹٹولا۔اوراس کی ہامی بھرنے پہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔میرا تعلق متوسط گھرانے سے ہے میں تین بھائیوں کے بعد پیدا ہوئی۔ماں باپ اور بھائیوں کی لاڈلی تھی۔ پانچ سال کی تھی تو میری اماں حادثے میں چل بسی اور ابا کی ٹانگیں معذور ہوگئیں ،اماں ابا نے کسی کی زمین ٹھیکے پہ لے رکھی تھی وہاں سے واپس آرہے تھے کہ ٹرالی ٹرک سے ٹکرا گئی اس میں سوار اور لوگ بھی زخمی ہوئے مگر ہمارے گھر تو صفِ ماتم بچھ گئی ۔ مجھے تو سفید کفن میں لیٹی ماں کو دیکھ کر یقین نہیں آرہا تھا کہ ستی سویرا ٹھنے والی ماں اس وقت کیوں سورہی ہے؟ ماں مجھے بھوک لگی روٹی پکا دے ،مگر میرا رونا اور فریاد کا اس پہ کوئی اثر نہ ہوا وہ اسی طرح پڑی سوتی رہی میں ابا کے پاس گئی جو زخمی حالت میں سسک رہا تھا اس نے مجھے گلے لگا لیا نجانے کب میں روتے روتے سوگئی۔صبح بہت عجیب تھی اماں بھی نہیں تھی اور ابا کو بھائی اسپتال لے گیا تھا باقی چاروں بھائی کونے میں لگے بیٹھے تھے، پڑوس کی خالہ نے کھانا لاکر ہمارے سامنے رکھا مجھے اماں ہی کھلایا کرتی تھیں میں ٹکر ٹکر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی نظریں اماں کو ڈھونڈ رہی تھیں ۔ بھائی نے مجھے اپنی گود میں بٹھا لیا اور نوالے بنا کے منہ میں ڈالنے لگا کھانا کھا کے میں کھیل میں لگ گئی ۔ابا اب بیساکھیوں کے سہارے چلتا تھا مگر کام کے قابل نہیں رہا دو بڑے بھائی سبزی کا ٹھیلا لگاتے تھے ،ابا نے ان کی شادی اپنی بھانجیوں سے کردی تھی ۔ایک بھائی نے پانچویں کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔وہ ہر وقت دوستوں میں رہتا کب آتا اور کب جاتا کسی کو پتہ نہ ہوتا۔میں گورنمنٹ سکول میں دسویں جماعت میں آگئی تھی ۔ امتحان ختم ہوئے تو بھابی نے کہا بس اتنی پڑھائی کافی ہے ہم نے کونسی نوکریاں کروانی ہیں کوئی رشتہ ڈھونڈو اور رخصت کرنے کا سوچو ۔دوسری بھابھی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی ۔ بھائی خیر سے پہلے ہی زن مرید تھے اور ابا بچارہ خود ان کے رحم کرم پہ تھا وہ کیا کہتا۔ میں خاموش ہوگئی اس روز مجھے اماں کی بہت یاد آئی ۔ماواں ٹھنڈیاں چھاواں۔ جلد ہی میرا بر ڈھونڈ لیا گیا نہ مجھ سے کسی نے پوچھا نہ بتایا بعد میں پتہ چلا کہ بھائی کا کوئی دوست ہے۔

جلد ہی شادی ہوگئی اور میں ایک انجانے شہر آگئی ۔میرا شوہر جمیل صرف نام کا ہی جمیل تھا پکا رنگ، چالیس سال کی عمر ،گالی سے بات شروع کرتا اور گالی پہ ہی ختم کرتا۔ سسرال میں میری ساس دو بن بیاہی نندیں تھیں ۔قدم رکھتے ہی مجھے ان کے مزاج کا اندازہ ہوگیا۔اگلے دن جمیل نے اپنے دوستوں کی دعوت کی اور مجھے کھانا تیار کرنے کا حکم ملا اور ساتھ تنبیہ بھی کہ کھانا اچھا ہونا چاہیے۔ میں نے بہت دل لگا کر کھانا پکایا پھر نہا کر کپڑے بدل کر تیار ہوگئی۔ جمیل کی ماں اور بہنیں چارپائی پر چڑھ کے بیٹھی رہیں اور مجھے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتی رہیں ۔میرا شمار خوبصورت لڑکیوں میں ہوتا تھا خاص طور پر میرے بال بہت لمبے اور گھنے تھے ۔ مہمانوں کی آمد پر جمیل اندر آیا میں تیار ہو چکی تھی اس نے پسندیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا میں شرما گئی جیسا بھی تھا اب وہ میرا شوہر تھا۔ چلو کھانا رکھو اس نے حکم دیا، میں کھانا نکال دیتی ہوں آپ لے جائیں میں اٹھتے ہوئے بولی۔ جمیل وہیں رک گیا اور گھورتے ہوئے بولا نہیں کھانا تم لے کر آؤ گی ۔ بادلِ نخواستہ میں جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور سلام کر کے کھانا رکھنے لگی پانی لانے کے لیے واپس آئی تو میرے کانوں میں ایک خباثت بھری آواز ابھری او جیلے بڑا اونچا اور ستھری جگہ

ہاتھ مارا اب کے تو نے جواب میں جمیل کی زوردار ہنسی سنائی دی ۔ مجھے ایک لمحے کے لیے جمیل کے دوستوں سے اور اس سے نفرت محسوس ہوئی کیسا مرد ہے اتنی بے ہودہ بات پہ ہنس رہا۔

وقت کا کام گذرنا ہے گذرتا جا رہا تھا میں سارا دن کام میں جتی رہتی اس پہ بھی ساس نندیں مجھے کھری کھری سناتیں اور میری شکایتیں لگاتیں جس پہ جمیل مجھے روئی کی طرح دھنک دیتا۔اسی وجہ سے دو دفعہ میں ماں بنتے بنتے رہ گئی اور وہ معصوم روحیں دنیا میں آنے سے پہلے ہی رخصت ہوگئیں ۔میرا کوئی پرسان حال نہ تھا۔باپ اور بھائی تو گویا رخصت کر کے بھول گئے کبھی پلٹ کر خبر نہ لی کہ زندہ ہوں یا مر گئی۔ پانچ سال گذر گئے میری ساس مجھے بانجھ قرار دے کر بیٹے کی دوسری شادی کروانے کے درپے تھی میں ان کی نظر میں ایک نوکر سے زیادہ کچھ نہ تھی ۔ وہ قیامت کا دن آج بھی مجھے یاد ہے صبح سے مجھے بخار تھا۔جمیل نے اپنی اماں سے کہا اسے سرکاری اسپتال لے جانا۔اسپتال میں پرچی بنوا کا ڈاکٹر کے کمرے میں گئی دوائی لکھوا کر پلٹی تو میری نظر اپنے چھوٹے بھائی پہ پڑی اس کو دیکھ کر میں سب بھول گئی اور اس سے جا لپٹی ماں جائے نے مجھے پہچان لیا میرے آنسو پونچھے۔ساس نے کڑی نظروں سے مجھے گھورا تو بھائی نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کیا اور حال پوچھا۔ساس نے منہ بنا کر جواب دیا اور منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ بھائی کافی دیر تک باتیں کرتا رہا ابا اس دنیا میں نہیں رہا بھائی باہر ملک چلے گئے اور بھابھیاں بھی ساتھ لے گئے ۔ میں ایک بار پھر رو پڑی بھائی نے بتایا وہ بھی کل مسقط جا رہا میڈیکل بنوانے آیا تھا ۔ساس نے آ کر میرا بازو پکڑا اور بولی ڈرامے پورے ہوگئے ہوں تو گھر چلو ۔گھر آ کر وہ بڑبڑاتی رہیں اور مجھے منحوس کہتی رہیں بقول ان کے میری منحوسیت کی وجہ سے اس کی بیٹیوں کے رشتے نہیں آتے۔ شام کو جمیل آیا تو پہلے ہی کسی سے لڑ کر آیا تھا اس پر ماں بہن کی شکایتوں نے جلتی پہ تیل کا کام کیا اس نے خوب جی بھر کے مجھے پیٹا اور پھر شراب پی کر سو گیا میں حرماں نصیب اپنے نصیب کو کوستی سسکتی رہی خدا جانے میرا کتنا امتحان باقی تھا۔ساس اور نندیں جانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں، میری آنکھ لگ گئی۔آدھی رات کو مجھے جھنجوڑا کہ مجھے چائے بنا کے دو۔میں اپنے زخم زخم جسم و روح کے ساتھ باورچی خانے میں گئی اور ماچس جلائی ایک دھماکہ ہوا اور مجھے آگ نے لپیٹ میں لے لیا میں بے ہوش ہوگئی ۔نجانے کتنے دن ہوش و حواس سے بیگانہ رہی اللہ بھلا کرے پڑوسیوں کا جنہوں نے ترس کھا کر سرکاری اسپتال پہنچایا جب کچھ ٹھیک ہوئی تو بدنما جسم اور بدصورتی میرا مقدر بن چکی تھی ایک آنکھ بھی اس حادثے نے چھین لی۔جمیل اور اس کے گھر والے نجانے کہاں چلے گئے۔اب میں اس دنیا میں اکیلی ہوں اسپتال میں ایک بوڑھی اماں نے میرا خیال رکھا وہی مجھے اپنے ساتھ لے آئی۔ لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہوں مگر کوئی مجھے زیادہ دیر نہیں رکھتا نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ باجی میرا قصور کیا ہے؟؟

زینت کی آنکھ میں آنسو اور لب پہ سوال تھا۔ میں نے اپنے آنسو پونچھے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا کیوں کہ اس کا جواب میرے پاس بھی نہیں تھا اور نہ ہمارے اس معاشرے کے پاس جو خود کو باعزت اور مہذب معاشرہ کہتا ہے،

☆......☆......☆......☆

کہتے ہیں بچپن کا دور سب سے خوبصورت دور ہوتا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ جو لوگ اپنا بچپن بھرپور انداز میں گزارتے ہیں ان کی جوانی اور بڑھاپا بھی قدرے آسودہ گزرتا ہے اور جو لوگ بچپن سے محرومیوں کا شکار ہوتے ہیں تو وہ محرومیاں جوانی اور بڑھاپے میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی - ایسا میں سوچتی ہوں - شاید ایسا نہ ہوتا ہو۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا خود کو محروم پایا - یہ محرومی تھی محبت اور توجہ کی - ایسی بات بھی نہیں تھی کہ مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا تھا - میں پانچ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی سو میرے حصے کی محبت اور توجہ مجھے ملتی تھی - امی سارا دن گھر کا کام کرتیں، سلائی کڑھائی کرتیں اور پھر جو وقت بچتا اس میں محبت بھی دیتیں اور توجہ بھی۔

باقی سب شاید اتنی سی توجہ اور محبت سے ہی سیر ہو جاتے تھے مگر میرا تو خاک گزارا نہ ہوتا تھا - میں تین سال کی تھی - مجھ سے بڑے سب اسکول جاتے تھے - جیسے تیسے خود ہی ٹیڑھا میڑھا تیار ہو کر، آدھا پونا ناشتہ کر کے سب چلے جاتے تھے - اسکول سے آ کر کبھی کوئی وردی تبدیل کرتا تو کوئی نہیں - تیار شدہ کھانے میں سے خود ہی اپنے لیے نکالتے اور کھا کر کھیل کود میں مشغول ہو جاتے - ارے کپڑے بدل لو پھر کھیلنا - امی جو کسی کام میں مشغول ہوتیں ذرا کی ذرا دھیان ہٹا کر ڈپٹ کر کہتیں مگر وہ سب سنی ان سنی کر کے اپنا کھیلنے کا شغل جاری رکھتے تو امی بھی انہیں دو چار سلواتیں سنا کر پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو جاتیں۔

میں یہ سب کچھ بہت غور سے دیکھتی تھی اور میری چھوٹی چھوٹی آنکھیں جانے کون کون سے خواب بنتی کہ جب میں اسکول جانے لگوں گی تو امی سے بولوں گی کہ مجھے خود تیار کیا کریں، خود ناشتہ کروایا کریں اور مجھے لنچ باکس بھی بنا کر دیں - میں ہر روز آ کر امی کو اپنی نوٹ بکس بھی دکھایا کروں گی - اور پھر میری دونوں بہنیں بھی تو اسی اسکول میں ہوا کریں گی - ابھی تو یہ مجھے اپنے ساتھ نہیں کھیلنے دیتیں مگر اسکول میں تو ساتھ کھیلا کریں گی - میرا خیال بھی رکھا کریں گی۔

مگر کہتے ہیں نا کہ کچھ خوابوں کی عمر زیادہ لمبی نہیں ہوتی - سچ کہا ہے کسی نے میرا یہ خواب بھی چھناکے سے ٹوٹا تھا جب اسکول کے پہلے دن ہی میری دونوں بہنوں میں سے کسی نے بھی آ کر مجھے دیکھا تک نہیں تھا اور میں اکیلی بیٹھ کے روتی رہی تھی - وہ ہمیشہ کی طرح اپنی کھیل کود میں مشغول رہیں اور یوں روتے

دھوتے اسکول کا پہلا دن گزر گیا ۔چند دن امی نے خود تیار کیا اور پھر یہ ذمہ داری بلا آخر باقی سب کی طرح مجھے سونپ دی گئی ۔میں خود ہی تیار ہو کر، خود ہی ناشتہ کر کے باقی چاروں کی طرح بنا لنچ باکس کے ہی اسکول جانے لگی ۔اور یوں میری آنکھوں کا رو پہلا خواب اپنے اختتام کو پہنچا۔

اور یوں میرے چھوٹے چھوٹے خواب کبھی پورے نہ ہوئے اور مجھے ماں کا لاڈ، توجہ، بہن بھائیوں کے ساتھ مان اور پیار بھری لڑائیاں اور ابو سے چھوٹی چھوٹی فرمائشیں پوری کروانا کبھی نصیب نہ ہوئی ۔میں جانے حساسیت کے کون سے زینے پر کھڑی تھی ۔اور پھر ان چھوٹی چھوٹی محرومیوں تلے میرا بچپن کہیں دب گیا ۔اس طرح میں وقت سے پہلے بڑی ہو گئی ۔میں نے خود پہ بے حسی کا خول چڑھا لیا تھا ۔اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں رہی تھی۔

میری اپنی ایک الگ دنیا تھی جس میں روز میں اپنی محرومیوں کے ساتھ بیٹھتی ان کے دکھ سنتی اور تسلی دے کر دل میں ہی کہیں دبا دیتی تھی ۔دن گزرتے گئے میں پانچویں جماعت میں تھی کہ ایک دن ہم سب اسکول سے گھر آ رہے تھے تو میری منجھلی بہن نے بڑی سے کہنا شروع کیا ۔پتہ ہے آپی؟ میری دوست نے آج میرے ساتھ لڑائی کر لی اور اس نے جو مجھے عید پہ کارڈ بھیجا تھا وہ بھی واپس مانگا ہے ۔ارے وہ تو تمہاری بہت اچھی دوست ہے نا؟ بڑی نے حیرت سے پوچھا ۔جی آپی مگر آج اس نے ساری کلاس کے سامنے مجھے بہت برا بھلا کہا ۔میں بس اتنا ہی سن پائی تھی کہ اچانک ٹھوکر لگنے کی وجہ سے سنبھل نہ پائی اور زمین بوس ہو گئی۔

پاؤں کے انگوٹھے سے نکلتی سرخ لکیر نے قطرے کی شکل اختیار کرتے ہوئے زمین کے سینے میں پناہ لے لی تھی ۔میں نے آنکھوں میں چھائی دھند کے پار دیکھا میری دونوں بہنیں طنا پیچھے دیکھے آگے نکل گئی تھیں ۔میں زمین سے مٹی اٹھائی اور بے دردی سے زخم پر لگا کے اٹھ گئی ۔آج ہی تو کلاس میں ایک لڑکی نے کہا تھا کہ وہ میری دوست بنے گی ۔مگر دوستی تو کچھ بھی نہیں ہوتی ایک منٹ بھی نہیں لگتا ختم ہو جاتی ہے۔

میں کسی سے دوستی نہیں کروں گی نہیں تو آپی کی طرح مجھے بھی میری دوست جھگڑا کر کے رلائے گی ۔نہیں میں کبھی کسی سے دوستی نہیں کروں گی ۔دل میں یہ بات ٹھان کر میں گھر میں داخل ہوئی تھی میں نے اپنی کتابوں سے دوستی کر لی تھی۔

سارا وقت کتابوں کے ساتھ لگی رہتی ۔بڑی بہنوں کے کورس کی کتابیں بھی پڑھتی رہتی

۔گھرانہ مذہبی ہونے کی وجہ سے بچپن میں ہی نماز قائم کر لی تھی۔

میں دن بدن بے حس ہوتی جا رہی تھی ۔کوئی میرے پاس بیماری کی حالت میں تڑپتا رہتا، کوئی کتنے ہی دکھ یا پریشانی میں ہوتا اور میں آرام سے اپنے کاموں میں مصروف رہتی کیونکہ میں اپنے ارد گرد کبھی کسی کو کسی کا خیال رکھتے دیکھا ہی نہیں تھا ۔وقت کچھ آگے سرکہ تو بڑی بہن نے دسویں کا امتحان پاس کر لیا۔

بھائی نویں جماعت میں، منجھلی آٹھویں جماعت میں چلی گئی اور میں پانچویں جماعت کو پھلانگ کر مدرسہ میں چلی گئی جہاں پہ مجھے قرآن پاک حفظ کرنا تھا ۔ذہانت ہمیں ورثے میں ملی تھی ۔میں نے یہاں بھی اپنی ذہانت کا لوہا منوایا اور اللہ پاک کے کرم سے چند دنوں میں ہی ایک سپارہ حفظ کر لیا ۔اسکول کے اساتذہ کی طرح مدرسے کے اساتذہ بھی میری بہت تعریف کرتے تھے ۔ان سے تعریف سن کر امی کی آنکھوں میں فخر کے

دیئے جلتے جو زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوتے - بس ذرا کی ذرا میری طرف مسکرا کر دیکھتیں اور پھر کوئی اور بات کرنے لگ جاتیں - نہ کوئی حوصلہ افزا جملہ، نہ کوئی محبت بھرا لمس - امی شاید محبت جتانے میں کنجوسی کرتی تھیں ورنہ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ کوئی ماں اپنے بچے سے پیار نہ کرتی ہو یا اسے توجہ نہ دینا چاہتی ہو - امی کی اپنی ہی الجھنیں تھیں - امی، ابو کی چھوٹی لڑائیاں جو شاید امی کا دھیان اپنی طرف سے ہٹنے ہی نہ دیتیں جن میں وہ سارا دن الجھی رہتی تھیں اس بات سے بے خبر کہ ان کی ان الجھنوں میں میرا بچپن کہیں الجھ کر رہ گیا تھا - والدین یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کھانے پینے اور دوسری ضروریات پوری کرنا ہی اہم نہیں ہوتا بلکہ محبت اور توجہ بھی اولاد کا حق ہوتی ہے - اور پھر یونہی تین سال گزر گئے میں نے قرآن پاک مکمل حفظ کر کے آٹھویں جماعت کا امتحان بھی پاس کر لیا تھا - اب مجھے ہائی اسکول میں جانا تھا - مجھ میں اعتماد نام کو نہیں تھا - میری چھوٹی چھوٹی محرومیوں تلے میرا بچپن تو دبا ہی تھا اس کے ساتھ ساتھ میری شخصیت بھی کہیں دب چکی تھی - مجھے زیادہ لوگوں کے درمیان جانے سے خوف آتا تھا۔

مگر تعلیم حاصل کرنے کے شوق سے مجبور ہو کر مجھے ہائی اسکول میں داخلہ لینا ہی پڑا - شروع شروع کے دن بہت مشکل تھے - کلاس میں بہت سی لڑکیوں نے مجھے بیوقوف بنایا - دن گزرتے گئے اور میں نے یہاں بھی خود کو منوا لیا - میری ذہانت کی وجہ سے ہر استاد کی زبان پر میرا ذکر تھا مگر اس سب کے باوجود میں غیر نصابی سرگرمیوں میں ہمیشہ پیچھے رہتی تھی اور اس کی وجہ اعتماد کی کمی تھی - میں لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے اور دوستیاں کرنے سے آج بھی کنی کترا جاتی تھی۔

وہ اوائل نومبر کے دن تھے کہ جب ہماری ایک استاد کلاس میں داخل ہوئیں - وہ کچھ متفکر لگ رہی تھیں اور پھر انہوں نے کہا کہ میری بہترین دوست بیمار ہے ساری کلاس درود شریف پڑھ کر میری دوست کی صحت یابی کے لیئے دعا کرو - پریشانی ان کے چہرے سے ہویدہ تھی - ساری کلاس کے ساتھ میں نے بھی دعا کے لیئے ہاتھ اٹھائے اور صدق دل سے مس کی دوست کے لیئے دعا کی اور آج تک کرتی ہوں - حالانکہ اس وقت مجھے دوستی کی الف، ب بھی معلوم نہیں تھی الٹا میں یہ سوچ رہی تھی کہ مس اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ دوست ہی تو ہے - ہمارے تو گھر میں بھی کوئی بیمار ہو تو ہم اتنے پریشان نہیں ہوتے - پھر مس نے ہمیں ٹیسٹ لکھوا کر خود تسبیح پر کچھ پڑھنا شروع کر دیا تھا اور پھر سارا وقت وہ تسبیح پر کچھ پڑھتی رہی تھیں شاید وہ اپنی دوست کے لیئے دعا کر رہی تھیں - میں حیرت سے بار بار ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

نفسا نفسی کے اس دور میں بھی اس قدر اخلاص؟ وہ جانے کیوں مجھے کسی اور پلانٹ سے آئی ہوئی کوئی ہستی لگ رہی تھیں کیونکہ میں نے اپنے اردگرد رہنے والوں کو اس قدر مخلص اور خیال رکھنے والے نہیں پایا تھا - مس کی تسبیح پر تیزی سے حرکت کرتی ہوئی انگلیاں ٹیسٹ سے میری توجہ بار بار ہٹا رہی تھیں - میں نے سر جھکا اور لکھنے لگی مگر میں نے صرف سر جھکا تھا اس منظر کو نہیں جھٹک پائی تھی - اور پھر اس معمولی سے واقعے کی وجہ سے پندرہ سال کی عمر میں میرے بچپن نے ایک بار پھر سے انگڑائی لی تھی - ہاں باقی سب کے لیئے یہ ایک معمولی واقعہ ہی تھا مگر میرے لیئے معمولی نہ تھا۔

مس بہت اچھی تھیں اپنے نرم مزاج اور اعلیٰ عادات و اطوار کی وجہ سے وہ سبھی طالبہ اور اساتذہ میں بہت مقبول تھیں - مس

کلاس میں آتیں اور روزانہ سب سے پوچھتیں کہ کون کون ناشتہ کر کے آیا ہے؟ میں اکثر ہی ناشتہ کیئے بغیر اسکول جاتی تھی کیونکہ امی کی صحت اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی اور بہنیں کبھی ناشتہ بنا دیتیں اور کبھی نہیں ۔ میں چپ کی چپ رہ جاتی تو وہ سمجھ جاتیں کہ میں نے ناشتہ نہیں کیا ۔ وہ مجھے پیار سے ڈپٹ دیتیں ، ناشتہ کی افادیت بتاتیں اور میں ان کی باتیں سن کر مسکراتی رہتی کیونکہ یہ سب کچھ میرے لیئے بہت نیا تھا ۔ ہمارے ہاں تو جس کا دل کرتا وہ کھالیتا اور اگر کوئی نہ کھاتا تو کوئی بھی ڈپٹ کر یہ نہیں کہتا تھا کہ کھانا کھاؤ ورنہ صحت خراب ہو جائے گی ۔ وہ بلکل ویسی ہی تھیں جیسی محبت اور توجہ میں اپنی امی ، اپنی بہنوں سے چاہتی تھی اسی لیئے مجھے کبھی تو ان میں ماں کی پرچھائی نظر آتی ، کبھی بڑی بہنوں والا لاڈ تو کبھی ایک مہربان دوست ۔ اور یوں محبت اور توجہ کے لالچ میں میں ان کے قریب ہوتی گئی ۔

میں اپنا بچپن جینے لگی تھی ۔ میں ان سے نت نئی فرمائشیں کرتی اور وہ خندہ پیشانی سے میری ہر فرمائش پوری کرتیں ۔ مجھے کبھی ان کی کی چین والا چھوٹا سا کارٹون چاہیئے ہوتا تو کبھی کچھ اور ۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جب ایک بار میں نے مس سے اپنے لیئے لیز لے کے آنے کی فرمائش کی تھی ۔

پہلے تو وہ حیران ہوئی تھیں اور پھر انہوں نے ہامی بھر لی تھی کہ کل وہ اسکول آتے ہوئے میرے لیئے لیز لے کر آئیں گی ۔ اور پھر اگلے دن وہ سچ میں وہ لیز کے پیکٹ اپنے پرس میں چھپا کر لائی تھیں اور پھر ساری کلاس سے چھپا کر خاموشی سے مجھے تھماتے ہوئے ۔ وہ مجھے ایسی ماں لگی تھیں جو اپنے سبھی بچوں سے ایک جیسا پیار کرتی ہے اور کسی کا بھی دل نہیں دکھانا چاہتی ۔

اپنے پندرہ سالہ بچپن کی اس سوغات میں سے ایک پیکٹ آج بھی میرے اسکول بیگ میں محفوظ ہے ۔ کبھی کبھی میری اتنے چھوٹے بچوں والی حرکتوں پر وہ ہنس کر کہتیں ۔ تم تو بچوں والی حرکتیں کرتی ہو اور میرے مسکراتے لب سکڑ جاتے کہ میں بچی ہی تو بن گئی تھی ایک بار پھر سے ۔ مگر اپنی ذات کی محرومیوں کو کسی کے سامنے بیان کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا خواہ سامنے والا ہمیں کتنا ہی عزیز کیوں نا ہو ۔

اور پھر ان کی مہربان چھاؤں تلے جس نے مجھے بیک وقت ماں کا پیار ، بہن کا لاڈ اور دوست کا مان دیا تھا دو سال کیسے گزر گئے پتہ بھی نہ چلا ۔ میں نے دسویں جماعت کا امتحان پاس کر لیا تھا ۔ جانے انجانے میں ایک بار پھر مجھ سے میرا بچپن چھن رہا تھا ۔ وہ ہی محرومیاں ایک بار پھر منہ کھولے کھڑی میرا بچپن نگلنے کو تیار تھیں ۔ بہت کم لوگ ہوں گے جنہیں زندگی میں دو بار اپنا بچپن جینے کا موقع ملا ہوگا اور میں ان چند لوگوں میں سے ایک تھی ۔ مگر اس بار تقدیر کو شاید مجھ پر رحم آ گیا اور جس کالج میں میرا داخلہ ہوا وہ مس کے گھر کے پاس تھا اور یوں میں کالج کے بعد ان کے پاس پڑھنے لگی ۔ میں انہیں آپی کہنے لگی تھی کیونکہ مس کو میرا انہیں آپی کہنا زیادہ اچھا لگتا تھا ۔

مس کے گھر والے بھی ان کی طرح بہت اچھے تھے آنٹی بہت پیار سے بات کرتی تھیں اور مس کی بہن جو کہ مجھے کالج میں پڑھاتی تھیں وہ بھی بہت اچھی تھیں مجھے ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی ۔ میں کالج سے سیدھا مس کی طرف جاتی ۔ وہ مجھ سے پوچھتیں کہ کچھ کھایا ہے؟ اور میرا نفی میں ہلتا سر دیکھ کر شفیق ماں کی طرح پیار بھری ڈانٹ پلاتیں اور پھر ٹرے میں کھانا سجائے چلی آتیں ۔ میں کھانا کھا کے فارغ ہوتی تو مخلص دوست بن جاتیں سارے دن کی روداد سنتیں اور میں چھوٹے سے بچے

کی طرح جس نے ابھی اسکول جانا شروع ہی کیا ہو ہر بات انہیں بتاتی - میری باتیں سن کر وہ کبھی ہنسنے لگتیں تو کبھی بڑی بہن بن کر کسی غلط بات پر ڈانٹ دیتیں اور پھر وہ استاد بن جاتیں تو مجھے پڑھانے لگتیں اور ذرا جو میرا دھیان ادھر ادھر ہوتا کان سے پکڑ کر تھپڑ لگا دیتیں اور یوں میں اپنے بچپن کے چند گھنٹے جی لیتی تھی - اس عرصے کے دوران یہ ہوا تھا کہ آہستہ آہستہ بے حسی کا خول چٹخنے لگا تھا۔

میرے اندر بہت سی مثبت تبدیلیاں ائی تھیں - میں اب گھر میں سب کے ساتھ باتیں کرنے لگی تھی کوئی توجہ دیتا نہ دیتا مگر میں سب کا خیال رکھنے لگی تھی جیسے مس رکھتی تھیں - اعتماد بحال ہو گیا تھا اب مجھے لوگوں سے گھبراہٹ یا ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی - مگر کہتے ہیں نا کہ خوشی کے لمحے جلدی گزر جاتے ہیں اور دکھ کے لمحے کاٹے نہیں کٹتے۔

یہی ہوا تھا میں لوگوں کے لیئے بیسویں سال میں تھی یہ مجھے پتہ تھا کہ میں ابھی چار سال کی بچی ہوں دیکھنے والے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں باطن کے راز تو اوپر والا ہی جانتا ہے نا یہاں بھی صرف میرے ظاہر کو دیکھا گیا اور فتوی لگ گیا کہ میرا مس کے ساتھ اتنا لگاؤ ٹھیک بات نہیں ہے ایسا نہیں ہونا چاہیئے اور پھر مس مجھ سے کچھ کھنچی کھنچی رہنے لگ گئیں - میرے محسوس کرنے اور پوچھنے پر ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے بہت غلط کیا تمہیں اپنے اتنا قریب کر کے - مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا - اور میں تو کچھ سمجھ ہی نہ پائی تھی۔

ایک ماں کو اس کی لاعلمی اور مجبوریوں نے اسے مجھ سے دور کر دیا تھا اور دوسری ماں کو کسی کی باتوں یا پھر اس کے اپنے ہی کسی غلط اندازے نے مجبور کر دیا تھا لیکن دونوں صورتوں میں نقصان میرا ہی ہوا تھا - پتہ نہیں میں خوش قسمت ہوں یا بد قسمت کہ مجھے دو بار بچپن ملا اور دونوں بار چھن گیا۔

میں کسی بھی طرح خود کو دوبارہ مرنے سے بچانا چاہتی تھی اسی لیئے میں ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو اسے بھی غلط انداز میں لیا گیا - تو کیا جو ماں جنم دیتی ہے ہم صرف اس سے ہی محبت جتا سکتے ہیں؟ باقی سب محبتوں کو غلط نظریے کے کھاتے میں کیوں ڈال دیا جاتا ہے؟ میں انہیں کہنا چاہتی تھی کہ ایک بار پھر مجھے میری ماں، میری دوست، میری ڈانٹنے والی بہن جس کی پیار بھری ڈانٹ مجھے بہت عزیز تھی اور میری سب سے اچھی استاد سے دور نہ کریں - خدارا ایک بار پھر میرا بچپن اتنی بے دردی سے مسخ نہ کریں مگر میں اپنے اندر روتی چار سالہ بچی کی چیخیں انہیں سنا نہیں سکتی تھی تو وہ کیوں کر میری بات کا یقین کرتیں؟

تین سال گزر گئے اب میں سات سال کی ہوں اور سات سالہ بچی آج بھی کرلاتی ہے جب بہت زیادہ بین کرتی ہے کہ اس کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے تو انہیں فون کرتی ہوں اور بار بار کرتی ہوں مگر اسے بھی شاید غلط رنگ میں لیا جاتا ہے اور ایک بار بھی نہیں اٹھایا جاتا۔

بچی سہم کر چپ ہو جاتی ہے - کچھ دن بعد پھر سے سر پٹخنے لگتی ہے مگر دوسری طرف جانے بدگمانی کی کون سی گرہ ہے جو کھل کے نہیں دے رہی اور میرا پندرہ سالہ بچپن ایک بار پھر اپنی آخری منزل کی طرف گامزن ہے ۔۔۔۔

☆......☆......☆......☆

"آریان تم شادی کرلو" یہ وہ جملہ تھا جو وہ پچھلے چار سالوں سے سنتا آرہا تھا اور اس کا ہمیشہ یہی جواب ہوتا تھا

"میں شادی نہیں کرنا چاہتا"

آج پھر آپی آئی ہوئی تھیں اور آج پھر یہی موضوع زیر بحث تھا اور وہ اتنا ہی بے زار نظر آرہا تھا

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا آپی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"آریان! میں اس بار آئی ہوں تو تمھاری منگنی کروا کر ہی جاں گی.. اور پہلی ہی بتا رہی ہوں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گی"

انھوں نے دوٹوک لہجے میں بات کی..

"آپی میں آپ کو کتنی بار بتا چکا ہوں کہ نہیں کرنی مجھے شادی. آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں"

اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا.

"آریان تم جانتے ہو تمہارے سب دوستوں کی شادی ہو چکی ہے. تم کب تک کنوارے بیٹھے رہو گے، تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا. کسی میں انٹرسٹڈ ہو تو بتا ہم اس کے گھر والوں سے بات کریں".

"میں اس سے شادی نہیں کرسکتا".. وہ اتنی دھیمی آواز میں بولا کہ وہ بمشکل سن پائیں.

"لیکن کیوں! کیا اس کے گھر والے نہیں مان رہے" ؟

اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور سوال کرتیں، وہ جھٹکے سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا...

"میں نے سنا ہے کہ عینی آپی آئی ہوئی ہیں"

وہ آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب عالیان نے پوچھا۔ "تمہیں کس نے خبر دی؟ "اس نے حیران ہو کر عالیان کو دیکھا۔ "آنٹی سے بات ہوئی تھی. وہ ذکر کر رہی تھیں. اور یار تو نے ان لوگوں کو اتنا پریشان کر رکھا ہے. شادی کے لیے کیوں نہیں مان رہا

عالیان نے قدرے غصے سے کہا

"میں شادی نہیں کرسکتا".. اس نے تیزی سے جواب دیا.

"کیوں نہیں کرسکتے؟ .. اور شادی نہ کرنے کی وجہ "بس یار نہیں کرسکتا. میرا پیچھا چھوڑ دو تم لوگ. سکون سے جینے دو مجھے"..

اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو آریان تم جانتے ہو کہ تمہاری مما ہارٹ پیشنٹ ہیں. انھیں کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے. اگر کوئی لڑکی پسند ہے تو شادی کرلو. ان کی خواہش پوری کرلو". اس نے رسانیت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں اس سے شادی نہیں کرسکتا" اس نے آہستگی سے بتایا

؟" کیوں نہیں کرسکتے

"وہ اس دنیا میں نہیں ہے "اس نے اتنی آہستگی سے کہا کہ عالیان بمشکل سن پایا۔
"واٹ؟؟ "اسے لگا آسمان اس کے سر پر ٹوٹ پڑا ہے
"ہاں ..اس کی ڈیتھ ہو چکی ہے ..چار سال پہلے".
"کب؟ کون تھی وہ؟ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ "عالیان نے دکھی دل کے ساتھ پوچھا۔" کیا بتاتا ..وہ محبت شروع ہونے سے پہلے ہی مر گئی تھی ". کہتے کہتے وہ ماضی میں کھو گیا تھا..
مجھے پہلے اس کی آنکھوں سے عشق ہوا تھا اس سے محبت تو بہت بعد کی کہانی تھی "ارے دادا سنبھل کر. گر جائیں گے "..
وہ تھوڑی دیر ہوئی پارک میں آ کر بینچ پر بیٹھا تھا جب اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی .وہ جو کوئی بھی تھی اسے اپنی طرف متوجہ کر گئی تھی ۔اس نے گردن گھما کر دیکھا .ایک لڑکی سیاہ عبایا پہنے چہرے پر نقاب کیے ایک بوڑھے آدمی کو سہارا دیے چل رہی تھی.
مجھے نہیں پتا اس میں ایسی کیا بات تھی کہ میں اسی کی طرف دیکھتا رہا .وہ اس کے پاس سے گزر کر آگے چلے گئے.
کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہ اسے دوبارہ آتے دکھائی دیے .وہ اسی بینچ کی جانب آ رہے تھے جس پہ وہ بیٹھا تھا.
"سنبھل کے انکل "وہ اس بینچ کہ قریب پہنچے ہی تھے کہ وہ گرنے لگے .اس سے پہلے کہ وہ گرتے آریان نے انھیں گرنے سے بچایا اور پکڑ کر کھڑا کیا.
"شکریہ "..اس کی نگاہیں اٹھی تھیں اور جھکنا بھول گئی تھیں .وہ اپنی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے کھڑی تھی .آریان کو لگا وہ ان آنکھوں میں ڈوب جائے گا ..اتنی حسین آنکھیں . . .وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا. چونکا اس وقت جب دادا کی آواز سنائی دی تھی۔"چلو بیٹی .دیر ہو رہی ہے .انھوں نے کہا اور وہ لڑکی ان کو سہارا دیے چل دی اور اسکی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی.
وہ اس رات ایک منٹ کے لیے بھی نہ سو سکا تھا .وہ آنکھیں بار بار اسے یاد آتیں ..اور اس کا دل کرتا کاش وہ اس سے اس کا نام ہی پوچھ لیتا.
'بیٹا یہ دوائیاں دے دو "
وہ کال پہ عالیان سے باتیں کر رہا تھا جب اسے آواز سنائی دی.
وہ اسپتال میں آیا تھا جہاں عالیان ہاس جاب کر رہا تھا .وہ اس کا بیسٹ فرینڈ تھا .وہ کال کر کے پلٹا تو اس کی نگاہ اس بوڑھے پر پڑی جو ہاتھوں میں شاپر اٹھائے جا رہے تھے.
وہ وہی بزرگ تھے جو اس دن پارک میں تھے اور جنھیں وہ لڑکی دادا بلا رہی تھی" .لائیے انکل میں آپ کی ہیلپ کر دیتا ہوں ".وہ ایک دم آگے بڑھا اور ان شاپر لیے.
"بیٹا تمہارا بہت بہت شکریہ .میری پوتی اس اسپتال میں داخل ہے .ڈاکٹر نے اس کے لیے دوائیاں لانے کو کہا ".وہ چلتے چلتے اسے بتا رہے تھے".انکل آپ کے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟ "اس نے چلتے چلتے پوچھا"نہیں بیٹا .میرے بیٹے اور بہو کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا .رشتہ داروں نے منہ موڑ لیا. ایک پوتی ہی ہے " .وہ دکھ بھری آواز میں بولے.
وہ باتیں کرتے کرتے ایک وارڈ میں داخل ہوئے ..وہ بیڈ پر تھی .وہ آج بھی نقاب میں تھی .وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی.
"میری پوتی کے دل میں سوراخ ہیں .آج اس کا آپریشن ہے. ڈاکٹر نے کوئی امید نہیں دلائی ..بیٹا میرا میری پوتی کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے .اس کے لیے دعا کرو " .وہ ہچکیوں میں روتے ہوئے بولے...اسے لگا لینا بھول میں آنے سے پہلے ہی چلی جائے گی نہیں میں ایسا نہیں ہونے اسکی طرف دیکھتے ہوئے

بڑبڑایا اسکا بڑھے اسکا لیکن نہ جانے کونسی اسے ہوئے تھی یکدم اس کے دادا کی چیخنے کی آواز آئی ۔ وہ ہڑبڑایا ۔ ماہ جبین کی سانس اکھڑ رہی تھی ۔ وہ ڈاکٹر کو بلانے ایک دم باہر بھاگا ۔ ڈاکٹر نے اسے ائی سی یو میں شفٹ کر دیا ۔ وہ ائی سی یو کے باہر کھڑا اس دشمن جاں کو دیکھ رہا تھا جب ایک نرس آگے بڑھی اور اس کا نقاب ہٹایا اور آکسیجن ماسک اس کے منہ پہ لگا دیا ۔ بلاشبہ اپنے نام کی طرح خوبصورت تھی ۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا اسے لگا وہ شاید ساری زندگی اس کیفیت سے نہ نکل سکے۔ وہ مڑا اور تھکے تھکے قدموں سے چلتا دادا کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اسے ڈاکٹر باہر آتا دکھائی دیا ۔ وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھا "آئی ایم سوری، ہم پیشینٹ کو نہیں بچا سکے ۔ اپریشن سے پہلے ہی ان کی سانس اکھڑ چکی تھی۔ ڈاکٹر دکھی انداز میں کہتا اس کے کندھے کو تھپتھپاتا آگے نکل گیا "میری بیٹی مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی گئی وہ ہمیشہ سے ضدی تھی وہ آپریشن سے بہت ڈرتی تھی وہ کہتی تھی دادا کچھ بھی ہو جائے وہ آپریشن نہیں کروائے گی آج اس نے یہ ضد بھی پوری کر دی " کہتے ہی وہ دل پر ہاتھ رکھتے نیچے گر گئے وہ روتے ہوئے اسے بتا رہا تھا عالیان کو لگا اس کے پاس الفاظ ختم ہو گئے ہیں اسے بھول گیا کہ وہ کن الفاظ میں اسے تسلی دے وہ فقط اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ سکا میری محبت روع ہونے سے پہلے ہی مر گئی تھی میں چار سال سے اس ازیت میں گرفتار ہوں چار سال سے میں ہر روز جیتا ہوں اور ہر روز مرتا ہوں میں روز اس سے ملنے اسکی قبر پر جاتا ہوں مجھے لگتا ہے وہ میرا انتظار کرتی ہے میں نے اگر شادی کر لی تو میں اس لڑکی سے وفا نہیں کر سکونگا عالیان"

اس نے اپنا سر ہاتھوں پر گرا لیا

میری آنکھوں میں اگر
وہ مجسم دیکھ لے خود کو
مجھے پورا یقین ہے
اسے میری محبت سے
بلا کا عشق ہو جائے

پانچ سال ہو گئے تھے اسے اسکی قبر پہ آتے وہ ہر روز اس کی قبر پہ آ کر تازہ پھول رکھتا تھا وہ ہر روز اس کی قبر سے باتیں کرتا تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق تھا وہ اس کا کیا لگتا تھا کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کون سی چیز اسے یہاں کھینچ لاتی تھی لوگ تو زندہ لوگوں کو بھول جاتے ہیں اور وہ لڑکا اسکی قبر پر پانچ سال سے آتا تھا۔

وہ عشق کا روگی تھا وہ اس لڑکی کے عشق میں آتا تھا وہ لڑکی جسے اس نے تب دیکھا تھا جب وہ دنیا چھوڑ کر جا رہی تھی لیکن وہ تو آج بھی زندہ تھی اس کی یادوں میں اس کے دل میں....

اور جو دل میں بستے ہوں وہ بھی کبھی مرتے ہیں کیا؟؟؟

Email: khushboodigest@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

بارش

افسانہ

ازقلم آمنہ نثار، راولپنڈی

شب بارش اپنے زور وشور سے برس رہی تھی۔ جیسے بارش کا پہلا اور آخری روز ہو۔۔۔بار بار بجلی کی چمک اس کے وجود میں ایک نئے خوف کی لہر پیدا کر دیتی۔۔۔کسی انہونی کا خدشہ لاحق ہو جاتا۔۔۔جیسے یہ طوفانی بارش اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جائے گی۔۔۔اس کی جھونپڑی کو سر سے اٹھا لے گی اس کا واحد سہارا۔۔۔سر چھپانے کی جگہ۔۔۔چھت سے ٹپکنے والے پانی کے قطرے جیسے جھونپڑی پر نہیں بلکہ زنیت کے دل پر گر رہے تھے۔۔۔بڑے بڑے سوراخ کر رہے تھے۔۔

وہ بارش جو سب کے لیے باعث رحمت بن کر برستی ہے۔۔۔باعث مسرت ہے۔۔۔وہی بارش زنیت کے لیے اذیت بن گئی۔۔۔!!!

اسے اپنی تو فکر نہ تھی۔۔۔مگر۔۔۔اس کی تین سالہ بیمار ایمن اسے پریشانی میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔۔

اسے بار بار ایمن کی فکر ہو رہی تھی۔۔۔وہ ٹھنڈ سے کانپ رہی تھی۔۔۔اس کا پورا وجود بخار سے تپ رہا تھا۔۔۔

مگر۔۔

دوائیاں کہاں تھیں۔۔۔یہاں تو بارش تھی۔۔۔جو اس کی بیماری میں اضافہ کر رہی تھی۔۔۔۔۔اور۔۔

زنیت کے آنسوؤں میں بھی۔۔۔

زنیت کبھی بھاگتی جھونپڑی کے سوراخوں سے ٹپکتے پانی کے نیچے کوئی برتن رکھتی۔۔۔تو۔۔۔دوسری جانب اس کا خیال بار بار اپنی بیمار بیٹی کی طرف جاتا۔۔۔تو۔۔۔کبھی جھونپڑی کے ایک کنارے میں لیٹے ہوئے معذور شوہر کی طرف۔۔۔۔۔!!!

آج ایک جانب بارش زور وشور سے برس رہی تھی۔۔۔۔تو۔۔۔دوسری جانب زنیت کے آنسو۔۔۔آنسو کہاں۔۔۔وہ تو اشکوں کی برسات تھی۔۔۔وہ تو بارش پر بھی سبقت لے جانے کی کوشش میں جتے ہوئے تھے۔۔۔

مگر اس کے آنسو نہ بارش کو روک سکتے تھے۔۔۔۔۔نہ۔۔۔۔۔تکلیفوں سے نکال سکتے تھے۔

مگر۔۔۔

ایک آنسو ہی تو تھے جو اس مشکل وقت میں بھی اسکا ساتھ نبھا رہے تھے۔۔

زینت تھک ہار کر سر تھامے جھونپڑی کے ایک کونے میں بیٹھ گئی۔۔۔جہاں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا

تھا۔۔۔اور۔۔۔بارش کا گلہ شکوہ کرتی رہی۔۔!!!
بارش تو بھی کیا آج ہی برسے گی۔۔۔؟
میرے صبر کو آزمائے گی۔۔۔۔؟
ایک ٹھنڈا آہ بھر کر۔۔۔۔!!
بارش کا کیا قصور۔۔۔۔؟
آخر اس نے تو بلا امتیاز برسنا ہے جھونپڑی پر بھی اور محلوں پر بھی۔۔۔
ایک بارش ہی تو ہے جو ہم میں اور امیروں میں فرق نہیں رکھتی۔۔۔۔اور بس۔۔۔۔
زینت کے آنسو موتیوں کی لڑی بن کر ایک مالا کی شکل میں ڈھلنے لگے۔۔۔ایک ایسی مالا جس میں خوشبو تھی۔۔۔نمی تھی۔۔۔مگر آنسو کی۔۔۔۔!!!
اگلی صبح بارش تو تھم چکی تھی۔۔۔لیکن۔۔۔زینت کے نہ تھمنے والے آنسو کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔۔۔کیونکہ۔۔۔زینت اپنی بیٹی ایمن کو ہمیشہ کے لیے کھو چکی تھی۔۔

☆......☆......☆......☆

غزل

ابتداء نور

وہ جو آنکھوں کا خواب ہوتا ہے
اک مسلسل عذاب ہوتا ہے
روز چھینٹے لہو کے پڑتے ہیں
میرا پہلو خراب ہوتا ہے
جانے کیسے حساب رکھتے ہو؟
درد تو بے حساب ہوتا ہے
مے کشی تو فقط بہانہ ہے
ورنہ آنسو شراب ھوتا ہے
ریزہ ریزہ دلوں کو چننے میں
جانے کتنا ثواب ہوتا ہے

SMS (ایس ایم ایس)

آؤ دوستو!

اِک بات بتاؤں

آج تمہیں اِک روداد سناؤں

ایک دفعہ

کچھ یوں ہوا

دو دوست یونہی ہنستے مسکراتے

اِک دوسرے کو حالِ دِل سناتے

بے وَجہ لڑ پڑے

اِک نے کال کاٹ دی

دوسرا بھی غصے ہوا بھئی! نہیں کرنی بات

پھر کیا؟

دوستو سے بھی بھلا کوئی خفا رہ سکا

محبتوں کو بھی کوئی اَلوداع کہہ سکا

نہیں ناں؟

جس نے کال کاٹی تھی

اُس نے پھر کال کی

دوسرے کو غصہ بڑا تھا

کال کاٹ دی

اس نے پھر کال کی

اس نے پھر کاٹ دی

وہ کال کرتا رہا

اور وہ کال Disconect کرتی رہی

کوئی بیسیوں بار ایسا ہوا۔ پھر سلسلہ sms پر چلا

بھئی! اس کی زندگی روٹھ گئی تھی

آخر اُس نے منانا تو تھا۔

چلو دوستو! یہ سلسلہ بھی پڑھتے ہیں۔

دیکھتے ہیں

آخر محبت کرنے والے کیا کرتے ہیں

Request....m sorry

Reply.......No Reply

Request....M so sorry maaf kr do

Reply.......Nahi krni bat samjhy

Request....Galti ho gai

Reply.......Bas tum chaly jao meri zindgi se

Reply.......bus tum galtian kro mari bla se.
Request....acha ab maaf kr do last time plz.plz.plz
Reply.......q krun maaf, kia lgti hon, kia oqat hy meri . nahi krni bat jb sudhr jao bata dana.
Request....jaan bsi hay tum main meri aur haan tumhary sath k bagair kasay sudhr sakta hon?
Reply.......q ab tak mera sath ni tha? asmaan pa chmak rhay ho kia meray sath se?
Request....mat choro mujhy pher se tbah ho jaon ga bhtk jaon ga.ek baar maaf kar do.
Reply.......kia nahi kia tumhary lea, kitni mushqil
brdasht kar k tum se bat krti hoon,smjha samjha k thak gai -maaf krna tumhari waja sey ghar walon ko dhoka day rahi hoon main abu ami sb ko or tm wesy kay wesy ..bdal jaon ga....!
Request....Tumhari sub batein theak hein
Reply.......Theak to tumhein lagti hein par aml krty mooot parti hy ,

Request....Phir nahi kron ga.
Reply.Kia samjhty ho mujhy.dushman hoon tumhari...?
Request....nahi to!! dost ho ,tum to meri jaan ho
Reply.......bakwas band kro....?
Request....such bol rha hoon KHUDA janta hy
Reply.......to isi leay roz zalil krty hoo
Request....nahi kahon ga aainda bari mohbt krta hoon tum se...
Reply.......ALLAH bachaay tumhari mohbt sey
Request....Ab to ho gai na mohbt ..ab maaf kr bhi do na
Reply.......Roz bakwas krti hoon, ke chor do awara aur farig logo wali harktin, jaan k dil dukhaty hoo, ghar mein tkaay ki izat nahi hy, phir bhi mjal hy koi bat par amal ho, marzi hy
tumhari zindgi hy tmhari, jo dil chahay karo,
Request....agay say sb kahna mano ga ,koshish to krta hon pata ni pher Q galtian ho jati hain mujh se.

Request....Aik moqa akhri moqa day do agar na
badloon apny ap ko to jo saza do qabool ho gi.

Reply.......Such kahon to mera dil nahi krta bat krny ko ,kal ko koi bat ho jay mein apny ghar walon ka sir nahi jhuka sakti logon k samny. tum sey koi umeed bahi to nahi keh tum khud ko badlo gay .dost hoon tumhari is leay tumhary leay acha chahti hoon lekn ab nahi ab meri tarf sey azad ho bye.......

Request....Theak hy na meri lash dakhny to ao
gi na..? mujhy nahe jeena tumhary bageir ...achai
ka rasta dikhya aap ney ab us pa chlna chahta hoon to aap choor kay ja rahi ho to mein kia kron ga g ky khush raho ALLAH HAfiz...

Reply.......CALL(Roti dard bhari awaz mein)....

Shutup بند کرو اپنی بکواس۔
خود کیوں مرتے ہو مجھے ہی مار ڈالو۔
جب سب جانتے ہو
جو میرے دل میں ہے
سارے Sms-Req&Reply سب خود کر رہے ہو
تو کیوں کرتے ہو بار بار تنگ۔

Request....(Bhri se awaz mein) phir nahi kron ga, aj sey ahid -e-wafa krta hoon aj sey dakh lena
jan-e-wafa mein ab kia krta hoon -

پتہ ہے پھر کیا ہوا محبت آخر کیا کرتی ہے
موم سے بنی گڑیا تھی
کب تک نہ پگھلتی محبت کی تپش کے آگے ''آخر مان گئی''
''دونوں ہنسی خوشی پھر راستوں پر چل پڑے''
خوبصورت منزل کی تلاش میں نکل پڑے۔۔۔

☆......☆......☆......☆

وہ گزشتہ دو گھنٹوں سے آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے موسم کیطرح بدل جانے والے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی. بہار جیسا کھلتا ہوا چہرہ خزاں جیسی اجڑی' پھیکی' بے رونق شکل اختیار کر چکا تھا. ڈریسنگ ٹیبل پر سجے سنورنے کے لوازمات منہ چڑا رہے تھے. شکل دیکھو اپنی 'تم سے اچھے تو ٹیڑھی میڑھی شکلوں والے کارٹون ہیں. تم سے بہتر تو اوٹ پٹانگ کپڑے پہنے رنگین چہروں والے جوکر ہیں. تم ہو ہی کیا ایک موٹی کالی بھدی بھینس. اسکی کان کی لو پھر انہی تمسخرانہ جملوں سے دہکنے لگی. یکا یک اس نے طیش میں آ کر میک اپ شدہ چہرے پر مذید میک اپ تھوپنا شروع کر دیا۔

اب وہ بدصورت سے بدصورت ترین دکھائی دے رہی تھی. میں واقعی بدشکل ہوں, کالی ہوں, بھدی ہوں 'وہ زیرلب بڑبڑاء اور بیبسی کی ہنسی ہنستی چلی گ ء. یکبارگی اس نے بے آواز رونا شروع کر دیا.

اور آنسو کی پتلی لکیروں نے اس کی پاؤڈر سے اٹی ہوئی صورت کو یوں مسخ کر دیا جیسے نیا رنگ کی جانے والی دیواروں کو اچانک برسنے والی بارش تباہ و برباد کر دیتی ہے........

امبر اور آصف کی پسند کی شادی تھی. آصف امبر کی سحر انگیز خوبصورتی کا دلدادہ تھا اور اس کی ایک ایک ادا پر یوں قربان ہوتا تھا جیسے کوء وفادار غلام اپنے مالک پر جان لٹانے کیلیے ہر وقت آمادہ رہتا ہے. امبر بے پناہ خوش تھی مگر یہ خوشی ایک برس کی مسافت کے بعد ہی غم کی راہوں پر نکل گئی.. آصف کے دل میں امبر کی چاہت سے زیادہ جگہ اب بچے کی خواہش نے لے لی تھی.....

امبر نے بھی اپنے عزیز شوہر کی خواہش کی تکمیل کیلیے اپنے علاج پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی. مختلف ڈاکٹروں اور حکیموں کی ادویات نے ان دونوں کی مراد تو پوری ناں کی مگر امبر کے نازک سے سراپے کو بے ڈھنگا ضرور بنا دیا. اکثر آصف اس کے پھولے ہوئے گالوں کے سبب سکڑی ہوء آنکھوں اور پھیلی ہوء جسامت پہ طنز بازی کرتا تو وہ رنجور ہو جاتی. اس نے کچھ وقت تو محبت کے احترام میں صبر کے گھونٹ پیے. مگر جب برداشت کا دم گھٹنے لگا تو اسکی زبان نے بھی زندہ ہونے کا ثبوت دینا شروع کر دیا. ان کے مابین منہ ماری کی ہلکی ہلکی ہوائیں اب لڑائیوں کی تیز آندھیوں میں بدل چکی تھیں. اکثر نیلی جو آصف کی بہن ہونے کے علاوہ امبر کی گہری دوست بھی تھی.

اسے محبت سے سمجھاتی کہ دیکھو امبر 'تم جانتی تو ہو بھیا خوبصورتی

کے کس قدر اسیر ھیں. اپنے باھمی جھگڑے تحمل اور بردباری سے نبٹا. خود پے توجہ دو اور ان پر بھی مگر امبر کے سینے پر آصف کی کڑوی' چبھتی' تمسخرانہ باتوں نے اس قدر گھاؤ لگائے تھے کہ نیلی کی کوئی صلاح, کوئی مشورہ کارگر ثابت نہ ھوتا. ایک دن ان کے بیچ ھونیوالی جھڑپ نے اس قدر طول پکڑا کہ امبر گھر چھوڑ کے چلی گ ء. وہ جانتی تھی غلطی آصف کی ہےاس لیے پرامید تھی کہ آصف اسے منانے ضرور آ ے گا. مگر وہ تو اسے چھوڑنے کے پورے پورے انتظامات کیے بیٹھا تھا.

جب نیلی کی زبانی اسے معلوم ھوا کہ آصف دوسری شادی کے خواب سنجو رھا ھے تو اسکی آس کا وجود بری طرح تار تار ھو گیا.

جو بھی ھو میں اسے دوسری شادی نھیں کرنے دوگی.

وہ بھلے نہ چاھے مجھے.. میں تو اسے محبت کرتی ھوناں... وہ مجھے بھدی کہے' موٹی کہے' کالی کہے قبول ھے. مگر اس کا کسی اور کا ھونا منظور نھیں.. وہ اپنے آپ سے ھمکلام تھی.. خود کو مضبوط کر رھی تھی مگر دل کو خالی خولی تسلیوں سے کوئی تشفی نہ ھو ء.. بلآخر اس نے اپنی انا کو کچل کر پختہ ارادہ کیا کہ وہ خود آصف کو منائے گی.

اس نے رابطے کی ک ء کوششیں کیں مگر سب بے سود گئیں. آصف پے نئے عشق کا خمار تھا اس پے پرانی محبت کے واسطے کہاں اثر انداز ھوتے... اس نے ک ء وظیفے کیے, ک ء منتیں مانگیں, کہ تعویز پہنے... مگر سب حربے بے مراد ٹھہرے 'نہ آصف مانا نہ منانے آیا.

اب اسے یقین ھو چلا تھا کہ مقابل عورت کی چاھت اور حسن میں ضرور کوئی بات ھے ضرور کوئی طاقت ھے کہ آصف نے اس کے لیے دل اور گھر دونوں کے دروازوں پر قفل لگا رکھے ھیں. اس سمے امبر اور آصف دونوں ھی پاگل ھو رہے تھے... امبر آصف کی بیوفائی میں چور ھو کر اور آصف آنگن میں عنقریب گونجنے والی شھنائی میں مخمور ھو کر.....

اس گھر کے بزرگ سلامت ھوتے تو ان دونوں کے بیچ صلاح کی کوئی راہ ضرور نکل آتی.... نیلی نے لحاظ داری کی حد پار کر کے آصف کو سمجھانے کا جتن کیا تو آصف نخوت سے اس پے یوں برس پڑا 'مجھ سے قبل اپنی بدنما, بدمزاج سہیلی کو سمجھا.. سب اس کی حماقتیں ھیں... اسی کا قصور ھے سب... اپنی بری شکل اور بری زبان کا اب خمیازہ بھگتے...

رات کے بارہ بج رہے تھے وہ دھیمے دھیمے میٹھے لہجے میں شمع سے محو گفتگو تھا کہ کھڑکی سے ایک کڑاکے دار آواز ابھری, اسے لگا جیسے باھر سے کسی نے کھڑکی پے بھاری پتھر مارا ھو.. وہ گھبرا کر پھرتی سے کھڑکی کی جانب بھاگا.. کھڑکی کھولی تو سامنے لان میں کسی کو نہ پا کر متعجب ھوا...

کیا ھوا آصف ؟ شمع بھی اسکی چند ثانیے کی خاموشی سے فکرمند ھو کے بولی... کچھ نھیں یار مجھے لگا باھر کوئی ھے.. ھاں اس وقت تو کو ء چڑیل ھی ھو سکتی ھے... شمع نے اسکی پریشان آواز سے محظوظ ھو کر کہا... ایسا تو مت کھو تمھیں کیا پتا میں ان جن بھوتوں سے کس قدر ڈرتا ھوں... بچپن سے یہ خوف دل میں ایسے گھسا ھے کہ اب تک محو نھیں ھوا.

وہ پرانے قصے سنانا شروع ھی ھوا تھا کہ کھڑکی ایک بار پھر زور سے لرزی.. اب کی بار کھڑکی پہ پڑنے والی ضرب پہلے کی نسبت تیز تھی. معا کھڑ کھراھٹ کے اس نے ایک کرب ناک چیخ بھی سنی.. وہ دم بھر کے لیے اس کاروائی پر اندر تک ہل گیا. اس نے پوری ھمت مجتمع کر کے کھڑکی کیطرف دھیرے دھیرے قدم

بڑھائے... پسینے سے تر چہرے اور کانپتے ہاتھوں سے اس نے کھڑکی کے پٹ کھولے تو سامنے کے منظر نے پل بھر کے لیے اس کے ہوش وحواس ہی چھین لیے۔

لان کے عین وسط میں سفید لباس میں ملبوس ایک عورت گول گول گھوم رہی تھی۔ اسکے کالے الجھے بال یوں دائرے میں لہرا رہے تھے جیسے کہ سیاہ پرندے جھنڈ میں چکر کاٹ رہے ہوں. آصف آصف آصف.....

فون کے اندر سے شمع کی متفکر صدائیں آصف کی سماعتوں سے ٹکرا رہیں تھیں مگر وہ تو پتھر کا بن چکا تھا اسے لگا بچپن کی وہ چڑیل جس کے ذکر سے وہ سمیت سارے گاں والے تھر تھر کانپتے تھے اور مغرب کے بعد گھر سے ہی نہیں نکلتے تھے آج اس کے سامنے آ کھڑی ہے۔ اب وہ سفید وجود گھومنا بند ہو گیا تھا اور اسکے چہرے کا رخ بلکل کھڑکی کی طرف تھا اس نے لمبے ناخنوں والے ہاتھ کی مدد سے چہرے سے بال ہٹائے حد سے زیادہ سفید رنگ، کالی سیاہ بڑی بڑی وحشت ناک آنکھیں جس سے سرخ انگاروں جیسے شعلے لپک رہے تھے اور لمبے لمبے چار تھوڑی کو چھوتے ہوئے دانت دیکھ کر آصف بے ہوش ہوتے ہوتے بچا..

.اس نے ایک بلند دردناک چیخ مارتے ہوئے کھڑکی کو زور سے بھیڑ دیا... چڑیل چڑیل. چڑیل... کہاں ہے چڑیل ؟ شمع خود اسکی مسلسل چڑیل کی گردان پر مضطرب ہو کے بولی... شمع باہر ہے.. وہ گھر میں ہے... لان میں ہے... اندر آ جائے گی ..وہ خوف سے کہ جملے ھکلا ھکلا کہ بولا.. سٹھیا گئے ہو کیا آصف.. تم خوفناک باتیں کر رہے تھے اس لیے تمہیں وہم ہو چلا ہے... یہ وہم نہیں ہے شمع سچ ہے..۔

اس نے پھر لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں وثوق سے کہا... تم سے اب کوئی پیاری بات کی امید نہیں.. ویسے بھی ایک بج گیا ہے اب سو جاو.... مت جا شمع.. مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ... مرد بنو آصف کیا بچوں جیسی حرکتیں کر رہے ہو... صبح میں نے کالج بھی جانا ہے..

پھر شمع نے دو چار تسلی آمیز باتیں کیں اور آصف کی منت سماجت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دھڑم سے فون بند کر دیا.. آصف کو شمع کی اس بے پروائی پے شدید غصہ آیا... وہ رات ہولے ہولے سرک سرک کر بمشکل گزری... ساری رات وہ مختلف آیات کا ورد کرتا رہا. اگلے دن اس نے دو دن کے لیے نیلی کو اپنی خالہ کے گھر چھوڑا اور خود ایک دوست کی طرف چلا گیا... وہ دو دن اسکے شمع کو یقین دھانی کراتے گزرے اور شمع کے اسکو سمجھاتے.. تسلیاں دیتے۔

آخر ایسا کب تک چل سکتا تھا اسے گھر واپس تو آنا ہی تھا.. تیسری رات وہ گھر تھا.. ٹھیک بارہ بجے کھڑکی پھر چیخی تھی .. شمع اسکے ساتھ فون پر موجود تھی.. شمع شمع وہ آ گئی ہے.. وہ سہم سہم کے بولا.

آصف کی حالت کو دیکھتے ہوئے اب تو شمع کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ یا تو آصف کے گھر پر سایا ہے یا آصف پے خود ... روز رات کو اب یہی ماجرا ہوتا آصف ڈر کے مارے بہکی بہکی باتیں کرتا اور شمع اسکی دلجوئی کرتی۔ آخر وہ اس صورتحال سے اوب گ ء .. نہ اسے آصف سے کوء والہانہ قسم کا عشق تھا اور نہ اس کا اتنا بلند ظرف کہ وہ آصف کے اس پاگل پن کو مزید جھیلتی. ایک دن اس نے تنگ آ کر اپنا موبائل ہی بند کر دیا۔

آصف سارا دن اسے فون کرتا رہا مگر شمع نام کی امید تو اسکی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل ہو چکی تھی.. آنے والی رات

آصف کے لیے بھاری تھی...

آصف ڈرا سہما ھوا دبک کے اپنے کمرے میں بیٹھا تھا.. آج تو شمع کا بھی کوء سہارا نہ تھا. سخت سردی میں اسکے پسینے چھوٹ رھے تھے.. بارہ بجے... سوا بارہ... ساڑھے بارہ مگر کھڑکی پر کوئی چوں چاں نہ ھوئی۔

آصف نے کچھ سکھ کا سانس لیا.. اسی دوران اسے شمع کا پیغام موصول ھوا تو اس کا دل دکھ سے بھر

گیا.. شمع نے اسے نفسیاتی مریض قرار دے کر ھمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا. ابھی وہ شمع کی سنگدلی کا ماتم ھی کر رھا تھا کہ بے ھنگم انداز میں دروازہ زور سے بجا.. اسے لگا شاید نیلی کے ساتھ کوئی مسئلہ ھو گیا ھے.. اس نے فکرمندی میں جھٹ سے دروازہ کھول دیا .. لمحہ بھر کے لیے اسکی سانس رکی, چہرے کا رنگ متغیر ھوا اور چیخ گلے میں پھنس سی گئی.....

دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑی وھی ھیبت ناک چڑیل لمبے لمبے نوک دار دانت نکالے مکروہ انداز میں ھنس رھی تھی. آصف نے ایک جھرجھری سی لی اور اپنے منجمد ھوتے ھاتھوں کی مدد سے دروازے کو پوری شدت سے دھکیل کے بند کر دیا.

وہ ایک مشکل طویل رات تھی. ساری رات وہ گڑگڑا کے اللہ سے معافیاں مانگتا رھا اور قرآنی آیات کا ورد کرتا رھا.. صبح نیلی کو بھی اسکی اجڑی اجڑی حالت دیکھ کر تشویش ھوئی. نیلی نے اسکی پریشانی کی بابت دریافت کی. مگر وہ خجل کے مارے چپ ھی رھا. جو بھی تھا آخر کو اس نے مرد ھونے کا بھرم بھی رکھنا تھا. وہ صبح ھی مزید کوئی ساعت ضائع کیے بغیر امبر سے ملنے چلا گیا. اس نے رو رو کے امبر سے اپنے ناروا سلوک اور بیوفائی کی معافی مانگی امبر تو کب سے اسکی راہ دیکھ رھی تھی اسے اس اجڑے' بکھرے, نادم

شخص پر بہت ترس اور پیار آیا.. آج نیلی بہت خوش تھی. آصف نے فون پر ھی اسے اطلاع دے دی تھی کہ وہ شام کو اسکی بھابھی کو گھر لا رھا ھے... اس نے اپنی سہیلی اپنی بھابھی کے سواگت کیلیے خوب تیاریاں کیں...

.امبر نے دھلیز پار کی تو سامنے مسکراتی ھوئی نیلی باھیں کھولے اسکی منتظر تھی امبر نے دوڑ کر اسے گلے لگا لیا اور آنکھ دباتے ھوئے ایک ممنون مسکراھٹ اسکی جانب پھینکی . آج اگر وہ اس گھر میں واپس آئی تھی تو اس معجزے میں کء چیزوں کا ھاتھ تھا. جن میں اس کے پرس میں رکھے ھوئے نقلی بال, ناخن, دانت اور نیلی کا منصوبہ شامل تھے.....

☆......☆......☆......☆

افسانچہ طیبہ انصر ڈائجسٹ

میں صبح سے بے چین تھی. کبھی دروازے کی جانب دیکھتی اور کبھی گھڑی کی طرف . ایسا تو پہلے کبھی نہیں ھوا تھا کہ اسے آنے میں اتنی دیر ھو جاتی میری کوشش کے باوجود میری بے چینی سب سے چھپی نہ رہ سکی امی کو میری بے صبری پہ غصہ آ رہا تھا . پر میں بھی کیا کرتی آج وہ ایک دو دن نہیں پورا ہفتہ لیٹ ہو گیا تھا , میرے آنسو نکلنے ہی والے تھے کہ بیل کی آواز پہ میں نے دوڑ کر دروازہ کھولا اور اسے سینے سے لگا لیا ,,, آخر میرا ماہنامہ ڈائجسٹ آ ہی گیا تھا۔

☆......☆......☆

جی امی بس آئی۔

تم ہمیشہ اپنی پرواہ میں صفر ہی رہنا کبھی تو خود بھی اپنا خیال رکھ لیا کرو

اب جب آپ ہو میرا خیال رکھنے کیلئے تو میں کیوں خود کو یہ کام سونپوں امی جانی؟؟

اس طرح نہیں چلتا امی کی جان انمول جو انسان اپنا خیال نہیں رکھتا دنیا بھی اسی کو ستاتی ہے۔۔

چلیں اچھا میں چلتی ہوں امی مجھے ویسے ہی دیر ہوگئی ہے للہ حافظ

یہ اسکی روز مرہ کی صبح کی شروعات ہوتی تھی اور وہ اپنی امی کی ان باتوں کو سننے سے نا تھکتی تھی نا برا سمجھتی تھی بس اک احساس ہوتا تھا کہ خود کو اب مزید کب تک مضبوط رکھنا ہوگا؟؟ مگر وہ اس احساس کو بھی اپنے تک ہی رکھتی تھی انہی سوچوں میں گھری چلتے چلتے کب وہ اپنے اکیڈمی پہنچی پتہ ہی نہ چلا وہ اپنے علاقے کے ایک اکیڈمی میں ٹیچنگ کرتی تھی اسکے تین بھائی تھے اور وہ تینوں ہی اپنی زندگی میں بہت مصروف اور خوش تھے ایسا نہیں تھا کہ وہ اسے اور اسکی امی کو فراموش کرتے تھے بہت لاڈلی تھی وہ اپنے بھایوں کی مگر اس نے اپنے لاڈ کا غلط فائدہ کبھی نہیں اٹھایا وہ یہ ٹیچنگ اپنی خوشی سے کرتی تھی اور کچھ آنے والیوں یعنی کے اسکی بھابھیوں کے رویے بھی مجبور کرتے تھے انمول تم آج پھر پورے پندرہ منٹ لیٹ پہنچی ہو اسکی میڈم کے الفاظ اسے خیالی دنیا سے حقیق دنیا میں لائے تو اس نے فورن سے مسکرا کر معزرت کر لی اور آئندہ ٹائم پر آنے کا کہتی اپنی کلاس میں داخل ہوگئی

اسلام و علیکم ٹیچر کی صداں نے اسکے منتشر دماغ کو بہت پر سکون کر دیا تھا اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پڑھانے لگی جب اسکول کی چھٹی ہوئی تو گھر کی طرف جاتے جاتے اس نے رخ بازار کی سمت کر لیا

کچھ ضروری سامان لینے کا بہت دنوں سے سوچ رہی تھی آج تنخواہ ملی تو سوچا یہ کام بھی کر لے سامان لے کر جب گھر کی سمت بڑھی اور دروازے پر پہنچی تو بھائیوں کی موجودگی پر تھوڑی حیران ہوتی ہوئی ان سب کو سلام کرتی امی اور اپنے مشترکہ کمرے کی سمت بڑھ گئی کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اپنی امی کے چہرے کی چمک نے اسے خوشی اور حیرانی سے ملے جلے تاثرات اسکے چہرے پر بھی آگئے

اوہو آج تو امی جانی بہت خوش باش لگ رہی ہیں خیر تو ہے ناں؟؟ اس نے امی کے گرد بانہیں پھیلائے انکو چھیڑتے ہوئے کہا ہاں خیر ہی خیر ہے امی کی جان انہوں نے حسب عادت اسکے ماتھے پر اپنی

محبت کا اظہار کیا تو وہ روزانہ کی طرح مسکراتی رہی اچھا چلو جلدی سے فریش ہو جا اور اچھی طرح تیار ہو کر نیچے آ جا آج تمہیں دیکھنے لڑکے والے آ رہے ہیں اسکو لگا امی مذاق کر رہی ہیں کیونکہ اس نے اپنی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور نا ہی اسے اتنا موقع دیا گیا تھا کیا مجھے دیکھنے لڑکے والے آ رہے ہیں اور اپ مجھے ایسے بتا رہی ہیں

میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ مجھے نہیں کرنی شادی وادی منا کر دیں آپ انکو نہ آئیں وہ دیکھنے مجھے میں امی سے خفا خفا سی کہتی وہیں بیٹھ گئی ایسا نہیں کہتے امی کی جان زندگی میں کبھی نہ کبھی ہر لڑکی کو جانا ہی ہوتا ہے۔

اپنا گھر اپنے رشتے چھوڑ کر اور یہ رسم آج کی نہیں صدیوں پرانی ہے اس کو سب نے نبھایا ہے اور سب ہی کو نبھانا ہے مگر مجھے نہیں جانا آپ کو چھوڑ کر میں اتنی بوجھ بن گئی امی کہ آپ مجھے خود سے دور کرنے کا سوچنے لگیں؟؟

ایسا نہیں ہے امی کی زندگی کوئی ماں کبھی بھی اپنی بیٹی کو دور نہیں کرتی اگر یہ رسم ہمارے بڑے نہ کرتے ہمارے نبی نے اپنے جگر گوشے بی بی فاطمہ کو رخصت کیا یہ مثال کافی نہیں ہمارے لیئے ان سے بڑھ کر تو نہیں نا کوئی نا تم نا میں بیٹا زندگی کا ہر پہلو نیا ہے اور ہمارا فرض بنتا ہے ہم ہر پہلو کو جانیں اور اس سے زندگی جی کر دیکھیں اور ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے اپنی گڑیا جیسی بیٹی کو دلہن بنا دیکھنے کی تو بتا میں کہاں غلط ہوئی؟؟

وہ اب کدرے بہتر موڈ میں لگ رہی تھی خاموشی سے کپڑے پکڑ کے نہانے چلی گئی اور جب واپس آئی تو کمرہ خالی تھا شائد امی نیچے تیاریاں کرنے گئیں ہیں وہ یہ سوچتی جب شیشے کے سامنے کھڑی ہوئی تو خود کو دیکھے گئی گلابی اور آسمانی رنگ کے خوبصورت فراک اور پجامے میں وہ پہلی بار خود کو اتنا حسین دیکھ رہی تھی اور پہلی بار کسی کی چاہت اسکے دل میں سر اٹھا رہی تھی جو بھی تھا اسے اچھا لگ رہا تھا کیونکہ تھی تو وہ بھی ایک لڑکی ہی

جب لڑکے والے آ گئے اور اسکی بھابھی اسے لینے آئیں تو دھڑکتے دل کے ساتھ سر پر دوپٹہ ٹکائے گردن جھکائے وہ سہج سہج کے قدم رکھتی مہمانوں کے پاس پہنچی اور سلام کرتی امی کے ساتھ گردن جھکائے بیٹھ گئی اسے نہیں پتہ تھا کے جو شخص اسکے سامنے بیٹھا ہے وہ اسکی سادگی کا دیوانہ ہو چکا ہے وہ تو یہ تک نہیں جانتی تھی کہ اسکی جھکی نظریں کسی کے دل کے آر پار ہو بھی گئیں ہیں بیٹی آپکا نام کیا ہے۔جی؟

انمول نام ہے میرا ماشاللہ بہت پیارا نام ہے تمہاری طرح بہن ہمیں آپکی بیٹی بہت پیاری لگی ہے اور ہم اپنے بیٹے کیلیئے آپ سے انمول کا سوال کرتے ہیں انمول نے اتنا سنا اور وہ کمرے سے بھاگتی اپنے کمرے میں آ کر اپنی سانسیں ہموار کرنے لگی اسے پہلی بار اپنی معصومیت پر فخر ہو رہا تھا اور وہ پہلی بار کسی کی ہو جانے کا تصور کر رہی تھی اور اسے ایک عجیب سی خوشی اپے وجود میں سرائیت کرتی محسوس ہو رہی تھی

وہ آئینہ کے سامنے کھڑی خود کو محبت بھری نظروں سے تکتے ہوئے انہی سوچوں میں ڈوبی تھی کہ اسکی امی آ کر اسکا ماتھا چوم کر کہا کہ لڑکے والوں کی طرف سے ہاں ہے مگر میں چاہتی ہوں ایک نظر تم لڑکے کو دیکھ لو یہ تصویر لائی ہوں میں وہ لوگ ابھی کھانا کھا رہے ہیں تم جب تک لڑکے کو دیکھ لو پھر میں بات آگے بڑھانگی یہ رہی تصویر مجھے تو بہت اچھا لگا ہے لڑکا مگر تمہاری مرضی کے بنا میں کوئی فیصلہ نہیں کرونگی انمول سر جھکائے سب سنتی رہی جب امی باہر چلی گئیں تو اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ کھولا اور جب نظر

لڑکے پر گئی تو بے ساختہ دل میں محبت نے اپنا سر اٹھا لیا اور وہ مسکراتی ہوئی تصویر لفافے میں رکھنے لگی اسے پہلی بار زندگی آسان لگی تھی وہ پہلی بار اپنے دل کی ماننے جا رہی تھی امی کمرے میں آئیں تو اس سے پوچھا انمول کیسی لگی تصویر میں ہاں کیسی لگی تصویر میں ہاں کہہ دوں تو وہ بہت دیر کے بعد بس اتنا ہی کہہ پائی جیسا آپ کو ٹھیک لگے امی اور یہ سنتے ہی اسکی پیشانی پر دعاں کو سبط کرتی امی نیچے کی سمت دوڑی چلی آئیں آخر منہ میٹھا بھی تو انہوں نے ہی کروانا تھا سب کا اور وہ اپنے کمرے میں بیٹھی بس یہی سوچ رہی تھی کے راحت سب کے مقدر میں ہوتی ہے مگر وقت مقررہ پر ہی نصیب بنائی جاتی ہے اور وہ خوش تھی اپنے رب کے خوبصورت فیصلے پر۔۔

☆......☆......☆......☆

وہی خوشبو

اس کو برسوں کے بعد دیکھا ہے
کچھ زیادہ نہیں تھا بدلا وہ
ہوش اڑاتی ہوئی وہی آنکھیں
دل چُراتا ہوا وہی لہجہ
رکھ رکھاؤ وہی، وہی خوشبُو
پر نہ جانے یہ کیا ہوا جاناں
دل میں کوئی اُمنگ جاگی ہے
نہ کسی آرزو نے کروٹ لی
ہم تو جیتے ہیں اس طرح جیسے
کچھ زیادہ نہیں بدل پائے
اس کو برسوں کے بعد دیکھا تھا
بس یونہی آنکھ میں نمی آئی
ہم بھی چپکے سے رو دیئے لوگو!
وہ بھی چپکے سے ہو لیا رخصت

شاعرہ......صدف چوہان، ملتان

تعلیم کی اہمیت

اروشما خان

"رب زدنی علما"

پڑھا کریں تاکہ آپ کے علم میں اضافہ ہو
علم کا مطلب جاننا آگاہ ہونا علم کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا اور اس کو اپنے فرائض کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس مقصد کے لیے پیدا کیا اور اس کو اس دنیا میں کس طریقے سے رہنا چاہیئے انسان علم کے ذریعے ہی عظمت کو حاصل کرتا ہے تمام مسلمانوں پر علم حاصل کرنا واجب ہے تاکہ علم کے ذریعے انسان اچھاء اور براء کو پہچان سکے اور اس کے درمیان امتیاز کر سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ماں کی گود سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو یعنی حصول علم کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر کوء بچپن سے علم حاصل نہ کر سکا تو اس سے محروم نہ رہے جوانی میں حاصل کر لے اور اگر جوانی میں حاصل نہیں کر سکا تو تب بھی مایوس نہ ہو بڑھاپے میں علم حاصل کر لے علم کی بے شمار اہمیت اور فضیلت ہے

جو پایا علم سے پایا بشر نے! فرشتوں نے بھی وہ پایا نہ پایا!

ایک دفعہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کہ ہم دس آدمی ہیں اور سوال ایک ہی ہے لیکن جواب جداگانہ چاہتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں کہو اس نے سوال پیش کیا علم بہتر ہے کہ مال آپ رضی اللہ عنہ نے اس طرح جواب دینا شروع کیا علم اس لیے بہتر ہے کہ مال کی تجھے حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کرتا ہے اس لیے مال فرعون اور حامان کا ترکہ ہے اور علم انبیا کی میراث ہے مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم ترقی کرتا ہے پھیلانے سے مال دیر تک رکھنے سے فرسودہ ہو جاتا اور علم کو کچھ نقصان نہیں ہوتا مال کو ہر وقت چوری کا خطرہ ہوتا پر علم کو ایسا کوء آ خطرہ نہیں علم سے دل کو روشنی ملتی علم جتنا پھیلے گا معاشرہ بہتر ہو گا اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین #

☆......☆......☆

اسے میں نے سب سے پہلے اخبار کے دفتر میں دیکھا ۔۔میں اپنے دوست کو ملنے گیا تھا اور وہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔ دھیمے لہجے میں وہ کسی خبر کے بارے میں بات کر رہی تھی۔۔اک عجیب سا ٹھہرا تھا اسکی گفتگو میں جسے میں کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔۔میں بے وجہ ہی اسے دیکھے جا رہا تھا۔۔شاید میری نظروں کا ارتقاز اس نے محسوس کر لیا تبھی بات کرتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لئے رکی اور ایک نظر میری طرف دیکھا۔۔میں گڑبڑا سا گیا۔۔

اب پھر وہ اسے مخصوص لہجے میں میرے دوست کے ساتھ باتیں کر رہی تھی، میں نے سامنے پڑا اخبار اٹھا لیا مقصد پڑھنا یقیناً نہیں تھا صرف ایک تاثر دینا تھا کہ میں اخبار پڑھ رہا ہوں جب کے میرے پوری توجہ اب اسی کی جانب تھی۔اور میں گاہے بگاہے ایک نظر اسے دیکھتا رہا۔۔

میں خود نہیں جانتا تھا کہ اس میں کیا بات تھی جو میری توجہ بار بار اس کی جانب کھینچی جا رہی تھی۔۔میرا دوست جو کہ چلتا پرزا قسم کا آدمی تھا۔۔اس کی باتوں کے سامنے ڈھیلا پڑھتا جا رہا تھا۔۔مجھے حیرت ہوئی تھی کیوں مجھے یاد تھا کہ جب یونیورسٹی میں تب سے آج تک شاہد ہی ایسا ہوا ہو کہ وہ کسی کے سامنے لاجواب ہوا ہو۔۔لیکن آج وہ اس نامعلوم لڑکی کے سامنے لاجواب ہو چکا تھا۔۔

اور جب وہ لڑکی جانے کو اٹھی تو اس کی باتیں وہ یوں مان چکا تھا جیسے اس پر کبھی انکار کیا ہی نہ ہو۔۔جاتے ہوئی اس لڑکی نے ایک نگاہ مجھ ڈالی اور باوقار انداز میں چلتے ہوئے دفتر سے نکل گئی۔۔اس کی نگاہ نے مجھے باور کرا دیا تھا کے وہ جانتی تھی کے دوران گفتگو میری ساری توجہ اسی کی جانب ہے۔تھوڑی دیر اپنے دوست کے ساتھ گپ شپ کی اور وہاں سے میں اٹھ آیا واپسی پر بھی میں اس لڑکی کو بہت دیر تک سوچتا رہا۔۔اس واقعہ کو ایک مہینہ ہونے کو تھا اور اسے میں تقریباً بھول ہی چکا تھا جب ایک بار پھر اس کا میرا آمنہ سامنہ ہوا۔۔

میں یونیورسٹی میں اپنے سابقہ پرفیسر کو ملنے گیا تو حیرت انگیز طور پر پہلے سے ہی ان کے روم موجود تھی۔ پروفیسر صاحب کا رنگ دھواں دھواں ہو رہا تھا میرے روم داخل ہوتے ہی وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی میرا اندازہ تھا کہ شاہد وہ مجھے پہچان جائے گی لیکن شاہد نہیں کیوں کہ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک میں نے نہیں دیکھی۔۔

سپاٹ چہرہ لئے وہ اسی باوقار چال کے ساتھ روم سے نکل چکی

تھی ۔جب میں پروفیسر صاحب کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا مجھے واضع طور پر محسوس ہوا کے وہ بے ربط گفتگو کر رہے ہیں۔۔میرے پوچھنے پر وہ ٹال گئے۔۔جب میں یونیورسٹی سے نکل رہا تھا تب میں نے اسے ایک لڑکی کے ساتھ گارڈن میں کھڑا پایہ وہ شاہد وہ اسے کچھ سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھی

۔ان دو واقعات کے بعد میں لاشعوی طور پر اسے دیکھنے کی تمنا کرتا رہا۔کبھی دفعہ کسی اور لڑکی کو دیکھ کر مجھے شعبہ ہوا کہ وہ ہے اور میں چونک سا جاتا لیکن ہر مرتبہ ہی مجھے شرمندگی کا سامنہ کرنا پڑھا ۔۔وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا اور کبھی مہینے گزر گئے۔میں اپنی دانست اسے بھول چکا تھا۔۔لیکن نصیب میں اسے پھر ملنا تھا سو وہ مجھے ایک بار پھر دکھائی دی۔۔اب کے بار وہ وہ مجھے شہر کی سب سے بڑی لائبریری مین ملی وہ تصوف کے سیکشن میں شاہد کوئی کتاب تلاش کر رہی تھی اسے دیکھ مجھے اندازہ ہوا کے میں اسے اب تک یاد رکھے ہوئے ہوں۔میں بھول گیا کہ میں وہاں کیوں آیا تھا ویسے ہی کتابوں کو اوپر نیچے دائیں بائیں کرتے ہوئے میں مسلسل اسے چور نظروں سے دیکھ رہا۔۔

وہ ایک کتاب لیکر ٹیبل پر بیٹھ چکی تھی اور ورق گرادنی کر رہی تھی۔۔اب کے بار میں نے اسے مخاطب کرتہیہ کر لیا تھا۔۔ایک کتاب لیکر اسی میز پر میں بھی چلا آیا۔میرے سامنے بیٹھنے پر بھی اس نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا اس کی ساری توجہ اس کتاب پر مرکوز تھی۔

مجھے لگا وہ وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھی۔۔مجھے سخت حیرت ہو رہی تھی کے وہ تصوف پر ملک کے ایک بڑے سکالر کی کتاب پڑھ رہی تھی جب کے اس کی عمران کتابوں کو پڑھنے کی نہیں تھی۔۔میں اس کے سامنے بیٹھ تو چکا تھا لیکن ابھی تک اسے بات کرنے کا حوصلہ نہین کر پا رہا تھا۔۔یہ نہیں کے میں شرمیلہ قسم کا انسان تھا۔۔اخبارات کے لئے لکھتے ہوئے کافی عرصہ ہوا تھا مجھے اس دوران کبھی افسران اور وزرا سے بھی پالا پڑھا تھا۔لیکن اس لڑکی کے سامنے پتا کیوں میرے ہمت جواب دے رہی تھی مجھے اندازہ نہیں ہوا کے یہ سب سوچتے ہوئے میں مسلسل اسے گھورے جا رہا ہوں۔۔اچانک اس کی شفاف آنکھیں میرے جانب متوجہ ہوئیں،،اب کے بار اس کی آنکھوں میں شناسائی کو محسوس کر گیا میں۔۔

شاید آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟؟اس نے جیسے میرے دل کی بات پڑھ لی تھی۔۔لیکن میں اسے کے یوں اچانک مخاطب کرنے پر بوکھلا چکا تھا،،۔جی ہاں۔۔۔نہیں نہیں تو،،میرے منہ سے ٹکڑوں میں الفاظ براہد ہوئے تھے۔۔مجھے لگا وہ میری کیفیت سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔۔پھر آپ کیوں مجھے مسلسل گھورے جارہے ہیں اس کے سوال کرنے کا انداز تھیکا تھا

۔اب میرے خود اعتمادی بھی لوٹا آئی تھی۔ہاں میں نے کچھ پوچھنا تھا آپ سے اگر آپ برا نہ منائیں تو۔۔میں نے اس کی آنکھوں ں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

۔اس نے ایک نظر سامنے پڑھی کتاب پر ڈالی پھر مجھ پر شاہد وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ جواب دے یا نہ۔۔لیکن پھر اس نے اطمنان سے کتاب بند کر دی۔۔

اب میرے طرف سوالیہ نظروں سے میری جانب یکھ رہی تھی۔۔اور میں سوچ رہا تھا آخر میں اس سے کیا سوال کروں گا۔۔میں نیوز پیپر میں لکھتا ہوں میں نے اپنی تعارف شروع کیا تھا لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا اور بولی مجھے معلوم ہے

آپ اخبار کے لئے لکھتے ہیں آپ کا نام احسن ہے اور ماس کام کے سٹوڈنٹ ہیں اور مختلف اخبارات کے لئے لکھتے بھی ہیں۔۔آپ اپنا سوال کریں میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ۔۔ ایک نظر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھ کر اس نے کہا۔۔میں حیران رہ گیا تھا۔۔لیکن وقت حیرت کے اظہار کا نہیں تھا اسی لئے میں نے سوال کرنا ہی مناسب سمجھا

۔۔آپ کی لہجے میں ایک عجیب قسم کا ٹھہرا ہے میں نے اپنے دوست کو آپ کے سامنے ہار مانتے دیکھا پھر پروفیسر کے دفتر میں پتہ نہیں آپ نے ان کو کیا کہا کہ وہ سخت گھبرائے ہوئی لگ رہے تھے آپ کی ذات میں ایک عجیب قسم کا راز اور بھید چھپا لگتا ہے۔جس کی وجہ سے میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔۔

جتنے اعتماد کے ساتھ آپ گفتگو کرتی ایسا اعتماد میں نے کسی لڑکی میں نہیں دیکھا۔میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کے آپ کون ہیں اور ایک لڑکی ہوتے ہوئے اتنی پر اعتماد کیسے ہیں۔۔

میں ایک ہی سانس میں سب کہہ گیا تھا۔۔اس نے ایک طویل سانس لی ایک مرتبہ پھر اپنی کلائی پر بندگی گھڑی پر نظر ڈالی۔۔اور پرسوچ نظروں سے میری جانب دیکھنے لگی،، میں اندازہ نہیں کر پایا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔۔بس خاموشی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے میں اس کے جواب کا منتظر تھا۔۔کافی دیر وہ کچھ سوچتی رہی شاید کسی کشمکش میں تھی لیکن میں نے ایسا سوال تو نہیں کیا تھا کہ وہ اتنا سوچتی۔۔۔پھر وہ شاید کسی نتیجے پر پہنچی تبھی گویا ہوئی۔۔میں آپ کو ایک کہانی سناتی ہوں ایک جو ایک غریب لڑکی کی ہے آپ سننا چاہیں گے اس نے سوال کیا اور میرا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔۔پھر وہ ماضی کی سفر پر چلنے لگی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی میں سب سے بڑھی تھی مجھ سے چھوٹا ایک بھائی اور دو بہنیں تھی۔۔

میری ماں میرے چھوٹے بھائی کی پیدائش کے چند ماہ بعد فوت ہو گئی تھین۔۔میں اس وقت پندرہ سال کی تھی اور سکول میں تھی۔میرے ابو نے ہمیں بہت محبت سے پالا تھا اور وہ دن رات کام کرتے تھے ان کی خواہش تھی کے میں پڑھ لکھ کر کوئی بڑی جوب کروں۔وہ دن میں ایک فیکٹری میں کام کرتے اور رات کو محلے کے ایک سکول میں چوکیداری کرتے تھے۔۔میٹرک کا امتحان میں نے امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔میرا ارادہ شہر کے ایک بڑے کالج میں داخلہ لینے کا۔۔اور میرے نمبرا تنے شاندار تھے کے مجھے یقین تھا کہ مجھے داخلہ مل جائے گا۔۔لیکن ہوا اس کے برعکس مجھے داخلہ نہیں ملا جب کے مجھ سے کم تر اہلیت والی لڑکیاں سلیکٹ کر لی گئیں کیوں کہ ان پاس رشوت اور سفارش دونوں تھیں۔۔۔میرے ابو نے کہا کہ میں اپنے فیکٹری کے مالک سے بات کروں گا وہ ضرور کوئی نہ کوئی حل نکال لیں ان کے تعلق بہت سے لوگوں کے ساتھ ہیں۔۔ابو نے فیکٹری مالک سے بات کی تو انہوں نے کہا کے میں بات کروں گا۔۔چند دن بعد ابو نے کہا ان کے مالک نے بات کر لی ہے میں اب جا کر صرف ان کا نام بولوں۔۔میں جب دوسری مرتبہ کالج گئی تو کالج والوں کا میرے ساتھ برتا کچھ عجیب سا تھا جسے اس وقت میں سمجھ نہیں پائی۔۔مجھے داخلہ تو مل گیا لیکن میری ذات پر کیچڑ اچھالا جانے۔اس وقت پہلی مرتبہ مجھے اپنے عورت ہونے کا احساس دلایا گیا۔۔میں سمجھ گئی کہ جن کی سفارش سے مجھے داخلہ ملا ان کے ساتھ مجھے بلا وجہ منصوب کیا جا رہا ہے۔۔میرے سب ٹیچر کا

رویہ میرے ساتھ تحقیر امیز تھا۔۔کئی دفعہ جب میں نے کلاس میں کوئی سوال کیا تو جواب میں مجھے ذلیل کیا گیا۔میں کسی سے کہہ نہیں سکتی ٹیچرز کی دیکھا دیکھی میرے سب کلاس فیلو بھی میری تحقیر کرنے لگے۔۔کئی دفعہ میری موجودگی میں میری ذات کو زیر بعث لایا گیا۔۔میں اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔کئی دن ایسا نہ تھا جس میں مجھے ستایا نہ گیا ہو۔بس ایک لگن تھی کہ مجھے پڑھنا۔کالج کے سال گزر گئے۔۔اب یونیورسٹی کا مرحلہ درپیش تھا۔۔مجھے لگا اس بار بھی مجھے کسی کی سفارش پر داخلہ ملے گا ۔۔پچھلی سفارش کی بدولت جتنی اذیت مجھے ملی تھی اس کے بعد میں سفارش کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔اللہ پر توکل کر کے میں نے اپلائی کر دیا اور داخلے کا امتحان بھی پاس کر دیا۔۔میری قسمت اچھی تھی اس وقت یونیورسٹی کی چانسلر پروفیسر خاور تھے جن کے بارے میں مشہور تھا کہ انہوں اپنے بیٹے تک کو یہاں داخلہ نہیں دیا کہ وہ میرٹ پر نہیں آتا تھا۔۔ان کی بدولت ایڈمیشن مل گیا مجھے اور ایک نیا دور شروع۔۔اس دوران میں نے ٹیوشن پڑھانا شروع کر دئے اور مختلف گھروں میں بچوں کو پڑھانے جاتی رہی۔۔بعض دفعہ ایسا ہوا کہ جس گھر میں جاتی وہاں بچے کے ساتھ اس کا بڑا بھائی اور اس کے دوست ہوتے ۔۔وہ دن میرے لئے بہت مشکل ہوتا کیوں کہ اس دن میرے ساتھ کافی بے ہودہ گفتگو کی جاتی لیکن تین ہزار روپے کے لئے مجھے سب برداشت کرنا پڑھتا تھا۔۔گھر سے یونیورسٹی تک کا سفر میری زندگی کا تلخ سفر ہوتا۔۔سارے راستے مجھے اپنے جسم پر مردوں کی نگاہیں رینگتی ہوئی لگتی۔۔ہوس سے پر ان نگاہوں نے اسے کئی بار زخمی کیا لیکن ایک دھن تھی کی بس کچھ بھی ہو پڑھنا ہے۔۔۔یونیورسٹی میں بھی امیر ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولادیں اسے روزانہ عورت ہونے کا احساس دلاتی تھیں ان کے نزدیک مجھے خریدا جاسکتا تھا۔۔کبھی دفعہ باتوں باتوں میں مجھے روپے پیسے کی لالچ دی گئی۔۔ان کے نزدیک ایک غریب لڑکی پیسے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہے۔۔کیوں کہ پیٹ کی بھوک جسم کی بھوک پر غالب ہے۔۔لیکن میں ڈٹی رہی۔۔۔وقت گزر گیا اور میرا لاسٹ سمسٹر تھا اگیزیمز دے چکی تھی۔۔اس دوران وقت کے بے رحم ہاتھوں نے میرے والد کو نچوڑ ڈالا تھا وہ دمے کے مریض بن چکے تھے چند قدم چل کر بھی ہانپ جاتے ۔۔مجھے اپنے مستقبل تابناک لگ رہا تھا۔۔میں لگاتار تمام سمسٹر ٹاپ کرتی ہوئی آئی تھی سو اپنی کامیابی پر مجھے یقین تھا۔۔اگر میرا یہ سمسٹر بھی بہترین رہتا تو کوئی بھی کمپنی مجھے ہاتھوں ہاتھ لیتی۔۔لیکن پھر رزلٹ آیا اور میرے سارے خواب چکنا چور ہو چکے۔۔باقی سب مضامین میں تو میں ہمیشہ کے طرح اعلی نمبر لئے لیکن انگلش میں فیل تھی میں مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میرے ساتھ یہ کیا ہوا ۔۔میرا انگلش کا پرچہ تو سب سے بہترین ہوا تھا پھر یہ سب کیسے۔۔میرا دماغ ماف ہو چکا تھا۔۔کسی نے کہا انگلش کے پروفیسر خالد سے بات کروں وہ دوبارہ پرچہ دیکھ کر پاس کر سکتے ہیں۔۔میں انگلش کے پرفیسر سے ملنے گئی اس وقت وہ لائبریری میں تھے۔میں نے اپنے آنے مقصد انہیں بتایا اور کہا کہ وہ دوبارہ میرا پرچہ دیکھ لیں میرا انگلش کا پرچہ بہت اچھا ہوا تھا۔۔اتنا سننا تھا کہ وہ غصے میں آ گئے اور کہنے لگے میرا دماغ خراب نہیں کہ میں اچھے پرچے کو فیل کر دوں جو ہو چکا ہو چکا میں کچھ نہیں کر سکتا۔۔میری آنکھوں میں آنسو آ چکے تھے۔۔میں نے روتے

ہوئے کہا سر میرا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے۔۔جو میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا آپ جا سکتی ہیں۔۔پرفیسر صاحب کا لہجہ سر دتھا۔۔مجھے لگا میرا جسم مفلوج ہو چکا میرے ٹانگیں میر بوجھ اٹھا نے کی سکت کھو چکی ہیں۔۔شکستہ قدموں کے ساتھ میں واپسی کے لئے پلٹ آئی۔ابھی چند قدم چلی تھی کے پرفیسر صاحب کی آواز میرے کانوں میں پڑھی۔ایک حل ہے اگر آپ مان جائیں تو۔ان لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔۔میرے قدم رک گئے پلٹ کر دیکھا تو وہ میرے طرف ہی دیکھ رہے تھے۔۔وہ کیا سر میں نے بے قراری سے پوچھا،،انہوں ایک پرسوچ نظروں سے مجھے دیکھا۔۔پھر بولے آپ کو پانچ منٹ میرے ساتھ کمرے میں جانا ہوں۔۔مجھے لگا میرے کانوں میں کسی نے پگلا ہوا سیسا ڈال دیا۔۔پرفیسر کی آنکھوں میں ہوس کی چنگاریاں میں نے دیکھ لیں تھیں۔۔میرا وجود جیسے سن سا ہو گیا تھا۔۔

ایک مقدس رشتے کہ منہ سے ایسے الفاظ اس نے کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔سوچ لو تمھارے پاس کل تک کا وقت ہے ۔یہ کہہ کر وہ لائبریری سے نکل گئے۔۔میں گھر کیسے پہنچی مجھے نہیں پتا۔۔اپنی کم مائیگی کا احساس ایسا تھا کہ سانس لینا بھی دشوار تھا۔۔ایک طرف میرے باپ اور میری ساری عمر کی محنت تھی تو دوسری طرف میری عزت اور ایک شخص کی ہوس۔۔

وقت نے پھر مجھے ایک ایسے چوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ میں کسی بھی راستے پر قدم نہیں رکھ سکتی۔۔

میں عورت تھی۔۔۔اور یہی میرے سب سے بڑی غلطی تھی اور زمانہ یہ غلطی معاف کرنے پر تیار نہیں تھا۔وہ رات جس کرب اور عزیت میں گزاری شاہد اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے

صبح میرا جسم بخار میں تپ رہا تھا۔۔بابا الگ پریشان تھے۔۔میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی۔۔اچانک میرے دل میں پرفیسر شاکر کا خیال آیا۔۔

مجھے لگا میں جی سی گئی۔باباسے کہہ کر ان کے گھر گئی اور ساری بات انہیں بتا دی۔پھر کیا تھا انہوں وہیں سے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھایا اور سیدھا پروفیسر خالد کے گھر پہنچے۔مجھے پروفیسر خاور کے ساتھ دیکھ کر وفیسر خالد کا رنگ اڑ گیا تھا۔۔

پروفیسر خاور نے انہیں علحدہ لے جا کر تھوڑی دیر بات کی پھر پروفیسر خاور مجھے وہاں سے گھر چھوڑ گئے اور ساتھ ہی کہہ گئے کل تمھارا پیپر پاس ہوگا۔۔راستے میں گاڑی روک کر انہوں نے صرف اتنا کہا۔۔ہاتم عورت ہو لیکن اس کے یہ مطلب نہیں کہ تمھیں کوئی بھی استعال کر لے تم دنیا کے سامنے تن کر کھڑی ہو جا پھر دیکھو کوئی بھی تمھارے سامنے آنے کی ہمت نہیں کرے۔۔مجھے گھر چھوڑ کر وہ چلے گئے اگلے دن میرا پیپر پاس ہو چکا تھا۔۔ایک اچھے ادارے میں مجھے ملازمت بھی مل گئی۔۔اس کے بعد میں پکا ارادہ کر لیا ہمیشہ سر اٹھا کر جیوں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔یہ ہے میری کہانی نہ اس میں راز ہے نہ نیا پن۔۔۔وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔۔اور ہاں وہ جاتے جاتے رکی اور خدا کا شکر ادا کیا کرو کہ اس نے تمھین عورت نہیں بنایا۔۔وہ چلی گئی تھی لیکن اس معاشرے کے ایک اور بھیانک رخ سے پردہ اٹھا گئی تھی۔۔جب میں وہاں سے پلٹا تو شکر بجالا رہا تھا کہ اللہ نے مجھے عورت پیدا نہیں کیا۔

☆......☆......☆......☆

میرے پیارے ابو جان، آپ سوچ رہے ہونگے آج میں خط کیوں لکھ رہی ہوں. اسکا جواب بھی آپکو مل جائے گا. آپکو یاد ہے میری امی پر گھر کے مردوں پر کنٹرول تھا وہ صیح غلط پر ڈانٹتے تھے . اس بات نے انکو بغاوت پر مجبور کردیا وہ بھول گئی کہ باپ جتنا غصہ کرے کبھی بیٹی کی ضرورت نہ بھی سمجھے تب بھی والدین کا دل نہیں دکھانا چاہیے . امی اور آپ ملے محبت ہوئی دو خاندانوں میں بھونچال آیا . نہ آپکے گھر والے راضی تھے اور نہ امی کے بھائی بھی نہیں کیونکہ انکی بیویوں کو مفت کی نوکرانی ملی ہوئی تھی.

امی نیگھر سے بھاگ کر آپ سے شادی تو کرلی مگر نا قابل معافی جرم اپنے کھاتے لکھوا چکی تھی . سسرال کے ظلم وستم میکے کی جدائی شوہر کے ناروا سلوک سے تنگ میرء ماں پر موت کو ترس آ گیا. ماں پر آپکو اعتبار نہیں رہا کیونکہ آپ کہتے تھے کہ یہ میری زندگی سب سے بھیانک غلطی تھی . میری امی جس کے بھروسہ پر آئی اس نے بے آبرو کیا . بے شک اللہ حساب لینے والا ہے. اللہ نے آپکو صرف ایک بیٹی میری صورت میں عطا کی . میں بھی دو بھائیوں کا فخر بنانا چاہتی تھی . مگر وہ سوتیلے سوتیلے ہی رہے نہ صرف مجھ سے بلکہ آپ سے بھی . میری اور آپکی دوستی ہوگئی. ہم دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کے عادی ہوگئے . اس دوران مجھے ایک لڑکے سے پیار ہوگیا . اپنی ماں کی محبت کے حالات دیکھ چکی تھی . سو آپکی پسند سے شادی کی جب مجھے آپ سے ملنے کیلئے روکا جاتا ہے آپ میرے گھر کے دروازے سے لوٹ آتے ہیں تو مجھے نانا یاد آتے ہیں . گھنٹوں میرا باہر نکلنے کا انتظار کر آپ جب تھک کر واپس جاتے ہیں تو مجھے یاد آتا ہے میرے نانا اسی طرح چھپ کر آتے تھے اپنی بیٹی کو بھائیوں کے ہاتھوں قتل نہیں کروانا چاہتے تھے چپ کر کے آتے چھپ کر چلے جاتے . پھر ایک دن نانا نے مجھ سے پوچھا تمہاری ماں نہیں نظر آتی . میں نے انکی موت کا بتایا تو وہ کہتے وہ تو کب کی مر چکی ہے . اس وقت انکی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے اور ہاتھ میں پکڑی چھڑی ان سے پکڑی نہیں جا رہی تھی . مجھے پتا ہے کہ آپکو نانا کے آنے کا علم تھا مگر آپ بے حس بنے رہے ماں پر تو پہرے بٹھائے تھے . مگر آخری بار وہ مجھ سے ملنے کیلئے تڑپتیر ہے مگر آپ نے انکار کردیا یہ کہہ کر آپ اپنی بیٹی کی پرورش نہیں کرسکے میری کو بھی خراب کردیں مجھے آپکا قرض چکانا پڑا میرا شوہر آپ جیسا ہی ہے پر میں ماں جیسی نہیں ہوں . نیل جسم پر ماں کیطرح ہیں . پر میں چپ نہیں رہتی۔ ماں کی چپ محبت کی مار تھی . آج بھی اس نے بہت مارا خط بہت دنوں سے لکھ رہی تھی یہ نہیں پتا تھا کہ موت کے دن اسکو مکمل کرونگی۔ میں تڑپ تڑپ کر مر رہی ہوں۔ کوئی بھی نہیں میرے پاس۔ میں اللہ کو یہ خط امانت دے رہی ہوں۔ آپ تک پہنچا دے۔ آپکی بیٹی

☆......☆......☆......☆

وہ پودوں کو پانی سے سراب کر رہا تھا جب چھبیس سالہ جوان لڑکا اس کے پاس سے گزرتا ہوا گلے گنوں کے کھیت میں چھپ گیا۔ وہ بوڑھا مالی اپنے کام میں مگن رہا، اسے مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور دھرتی سے اگلنے والے کندن سے عشق تھا۔ اس کی توقع کے مطابق تھوڑی ہی دیر بعد وہاں پولیس کی گاڑی نازل ہوئی۔ پولیس کے تین جوان گاڑی سے نکل کر اس لڑکے کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ایک جوان نے مالی کے پاس رک کر پوچھا تھا

"سنو ابھی کوئی لڑکا گزرا یہاں سے گزرا ہے؟؟؟

بوڑھے مالی نے بہت غور سے سرخ گلاب کو دیکھا اور اسے توڑ لیا۔ پولیس نے کڑک لہجے میں غصے سے دوبارہ پوچھا تو مالی نے اسے دیکھے بغیر گنے کے کھیت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ گنے کے کھیت میں گھس گئے۔ نوجوان لڑکا پولیس کے ہاتھ لگ کر پھر فرار ہوگیا۔۔۔وہ آگے آگے بھاگ رہا تھا، پولیس اہلکار نے پستول نکالا، ادھر بوڑھے مالی نے بہت سے پھول توڑ لیے تھے۔۔۔

"میں آخری وارننگ دیتا ہوں، خود کو ہمارے حوالے کردو۔"

مگر وہ کہاں سننے والا تھا۔ موت سے پہلے موت کو گلے لگانا اس کے لیے اسان نہیں تھا۔ پولیس اہلکار نے پستول پر گرفت مضبوط کی اور اگلے لمحے بھاگنے والا زمین پر ڈھے چکا تھا۔ باقی دونوں پولیس بھی خون میں لتھڑے ہوئے لڑکے کے پاس کھڑے تھے۔ "پتا نہیں کمبخت ہے کون؟ اب اس کی لاش کس کے حوالے کریں۔۔۔" اس نے تنفر سے کہا۔

"اس مالی سے پوچھتے ہیں کیا پتا جانتا ہو اسے۔۔"

دوسرے پولیس اہلکار نے رائے دی۔

"ارے جانتا ہوتا تو ہمیں بتا تا کیوں کہ کہاں چھپا ہے۔۔۔"

بوڑھا مالی کانٹوں سے چن کر سرخ گلابوں سے اپنا دامن بھر چکا تھا۔ "ابا ابا پولیس میرے پیچھے لگی ہے۔۔۔"

چھبیس سالہ رافع نیا پنے بوڑھے مالی باپ سے کہا۔

"ابا میں چوری کرتے پکڑا گیا۔۔۔وہ میں نے ایک چھوٹی بچی کو ماردیا۔۔۔میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا ابا۔۔وہ شور مچا رہی تھی تو میں نے ماردیا اسے۔۔۔اب پولیس میرے پیچھے لگی ہے۔۔۔بچالو مجھے ابا۔۔۔"

اس کا سانس دھونکنی کی طرح بج رہا تھا۔ اور وجود پسینے میں شرابور تھا۔ مالی ہنوز پانی دینے میں مشغول تھا۔

"ابا میں تیری نو بیٹیوں کا اکلوتا بھائی ہوں، وہ لوگ مجھے ماردیں گے۔۔"

اس نے ابا کا دل نرم کرنے کے لیے کہا تھا، مگر ابا تو مٹی کھود رہے تھے۔ انھیں نیا پودا لگانے میں زیادہ دلچسپی تھی، نسبتاً اپنے بیٹے کو بچانے میں۔ وہ عاجز آ کر خود ہی گنے کے کھیت میں جا چھپا تھا۔ مگر یہ کیا، باپ نے بیٹے کی مخبری کر دی۔۔

اس سے قبل کے وہ مالی سے کچھ پوچھتے، وہ بہت سے پھول اپنے دامن میں ڈالے خود ہی لاش کے پاس آ چکا تھا۔ اور زمین پر دوزانو بیٹھ گیا۔ "میرے بس میں ہوتو میں ایسی نجس لاشوں کو اپنے وطنِ عزیز کی مٹی میں بھی جگہ نہ دوں۔۔۔ کہیں بھی دفنا دو اسے، کہ اس کہ لیے میرے دامن میں کوئی پھول نہیں۔ آج پاک دھرتی سے ایک نجس وجود کا خاتمہ ہوا۔ اس کے ورثہ نہیں ملیں گے آپ کو۔۔۔ کیونکہ وہ اپنی تربیت پر شرمندہ ہیں کہ وہ اپنی اولاد کو بری صحبت سے نہ بچا سکے۔ لیکن یہ مٹی۔۔۔ اور یہ پھول گواہ رہیں گے ایک باپ کی قربانی کے۔۔۔ سب اپنا فرض ادا کر رہے ہیں، میں نے کر دیا۔۔ تم لوگ ب اسے دفنا کر اپنا فرض ادا کر لو۔۔۔"۔ بوڑھے مالی کا گلا بھرا ہوا تھا۔ لیکن وہ بہت جدوجہد کر کہ اپنے آنسوں پر قابو پا چکا تھا۔ پولیس اہلکار حق دق مالی کو دیکھ رہے تھے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آخری نظر اپنے خون پر ڈالی جسکا بہت سا خون مٹی میں جذب ہو رہا تھا۔ وہ دامن میں پھول سمیٹے آہستہ آہستہ اپنے خون سے لتھڑے بیٹے سے دور ہو رہا تھا۔ آنکھ میں ضبط کے باوجود آنسو آیا تو وہ خود کو ڈپٹ رہا تھا اور جلدی سے آنسو صاف کیے۔ کہ اس کے آنسو اتنے ارزاں نہیں کہ وطن کے حریف کی لاش پر ضائع ہو جائیں۔۔۔ مگر دل کی ٹھیسوں کا مداوا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ وہ مٹی کو پانی کے ساتھ خون سے بھی سیراب کر گیا۔۔۔

☆......☆......☆......☆......☆

دوست ہو یا پرندہ دونوں کو آزاد چھوڑ دو لوٹ آیا تو تمھارا نہ لوٹ کے آیا تو تمھارا کبھی تھا ہی نہیں۔

دھنیا ایک فائدہ مند غذا

- دھنیا شوگر میں فائدہ مند ہے۔
- دھنیا ہیضہ اور ٹائیفائیڈ میں مفید ہے۔
- دھنیا جسم میں خون کی کمی کو روکتا ہے۔
- خون میں خراب کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔
- خون میں اچھے کولیسٹرول کو بڑھاتا ہے۔
- جوڑوں کا درد اور بے خوابی میں بہتر ہے۔

ماں .... یہ دیکھو ماں... میں کیسا لگ رہا ہوں؟ ننھا اسفند خاکی فوجی وردی پہنے، سر پر ٹوپی ڈالے، ہاتھوں میں ہم رنگ چھڑی پکڑے مسز ارسلان کے سامنے کھڑا تھا" -یہ... یہ وردی کہاں سے لائی تم نے"؟ ساجدہ بیگم کے سبزی کاٹتے ہوئے ہاتھ بیٹے کی آوز پر رک سے گئے تھے انھوں نے تجسس سے پوچھا -بتا نا ماں میں کیسا لگ رہا ہوں؟ ننھے اسفند نے پھر ماں سے پوچھا" -بالکل چاند کا ٹکرا لگ رہا ہے میرا بچہ انھوں نے اپنی بے چینی کو چھپاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اس کی بلائیں لی" -اسفند... اسفند.. یار جلدی کر نا؟ کرکٹ کھیلنے نہیں چلنا کیا؟ باہر سے کسی بچے کی آواز آئی -ابھ آیا -وہ زور سے بولا تھا ""اور وہ دوڑتا ہوا گیٹ سے باہر چلا گیا -ارسلان صاحب نیوز چینل پر خبریں دیکھنے میں مصروف تھے کہ مسز ارسلان کی آواز سنائی دی" -بات سنیں ارسلان "ہاں بولو "ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے انھوں نے جواب دیا" -اسفند کو وردی آپ نے لے کر دی ہے "ہاں میں نے ہی لے کر دی ہے کیوں کیا ہوا؟ اب وہ باقائدہ ان کی جانب مڑ کر پوچھ رہے تھے" -لیکن ضرورت ہی کیا تھی ارسلان صاحب اس کی بے جا باتوں اور فرمائشوں کو طول دینے کی؟ "مسز ارسلان غصے سے گویا ہوئیں-

"آپ تو جانتے ہیں مجھے فوج کے نام سے کتنی چڑ ہے اور نہ ہی میں اپنے بچے کے مستقبل کو خطرے میں ڈال سکتی ہوں، مجھ میں اتنی ہمت نہیں ارسلام صاحب کہ اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹے کو موت کے منہ میں دھکیل دوں "وہ پھر سے گویا ہوئی تھیں -ادھر بیٹھو بیگم انھوں نے ساجدہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھا دیا -اور بولے "آپ تو جانتی ہیں ہمارے اسفند کو فوجی بننے کا کس قدر شوق ہے -اس کی ننھی آواز جب میرے کانوں میں پڑتی ہے کہ "بابا دیکھنا جب میاں کیپٹین بن جاں گا تو تم سب کا کتنا نام روشن کروں گا، "تو مجھے اس کے ہونے پر فخر محسوس ہونے لگتا ہے -میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے یہ سوچ کر ہی- "اور بیگم تمھیں پتا ہے اس دن خبریں دیکھتے ہوئے اس نے مجھ سے کیا کہا" وہ کہنے لگا بابا دیکھو ہمارے لوگ مر رہے ہیں، انھیں مارا جا رہا ہے، ان کی زندگیاں برباد ہو رہی ہیں، میں جب کیپٹین بن جاں گا نا تو ان کو ان سب سے آزادی دلا واں گا، اپنے ملک کا نام بلند کروں گا، ان ظالموں کو مار ڈالوں گا "-میں حیران رہ گیا اپنے بچے کی اس گفتگو پر- ہے کیا ابھی وہ 15 سال کا کم سن بچہ مگر اس کی سوچ پر -- میں کیا ہر باپ کا بیٹا ایسا ہو تو فخر محسوس کرے وہ... ان کی نگاہوں میں اپنے بیٹے پر فخر کی ایک عجیب سی چمک تھی

مسز ارسلان دیکھتی رہ گئیں -وہ تھوڑا رکے اور پھر بولے "پھر جب کل ہم بازار کو نکلے تو اس نے دکان پر لٹکی ہوئی اس وردی کی فرمائش کی تو میں نہ رہ سکا ،میری ہمت نہیں ہوئی اس کی اس خواہش کو رد کرنے کی اور میں نے دلا دی" - لیکن... ارسلان صاحب.. ساجدہ پھر سے بولیں کوئی لیکن نہیں.. آپ صرف اس بات سے خفا ہیں نا کہ کہیں خدانخواستہ ہمارے اسفند کو کچھ ہو نہ جائے؟ وہ سولیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھنے لگے -". لیکن ساجدہ بیگم یہ بھی تو دیکھیں نا کہ کتنی ماں کے بچے سرحد پر ہماری جانوں کی حفاظت کر رہے ہیں ،ہماری خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے ،تو کیا ان ماں کے سینے میں درد نہیں ہوتا ،ان کا کلیجہ نہیں پھٹتا یا ان میں ماں کا ممتا بھرا جذبہ ہی نہیں ہوتا؟ انھوں نے نگاہیں ساجدہ پر مرکوز کی تھیں اور پھر گویا ہوئے". نہیں ساجدہ بیگم ان کا بھی دل ہوتا ہے جو اپنے بچے کے لیئے دھڑکتا ہے ،ان کی نگاہیں بھی اپنے لال کو دیکھنے کے لیئے تڑپتی ہیں سسکتی ہیں ،ان کے سینے میں بھی درد ٹھاٹھیں مارتا ہے مگر بیگم ان کو اس سے بڑھ کر انھیں اپنے وطن کی عزت و آبرو اپنی جان اپنے بچے سے بھی عزیز تر ہوتی ہے -انھیں یہ گوارہ نہیں کہ ان کے اطن کو کوئی میلی آنکھ اٹھا کر دیکھے -اور اس کے لیئے وہ اپنے ایک کیا دس بیٹے قربان کر سکتی ہیں - مسٹر ارسلان سانس لینے کو تھوڑا سا رکے اور پھر گویا ہوئے "تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم اپنے اس ننھے اسفند کی خواہش کو پروان چڑھائیں؟ اس کی حوصلہ افزائی کریں -انھوں نیا پنا سرد ہاتھ ساجدہ کے ہاتھوں پر رکھ کر پوچھا؟ .مجھے ڈر لگتا ہے ارسلان صاحب دیکھ رہے ہیں نا آجکل کے حالات ہر دوسرے دن کوئی نا کوئی فوجی جان کی بازی لگا بیٹھتا ہے -----موت سے ڈر.... بیگم کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی النفس الزائق الموت "ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے "لیکن بیگم تم یہ فضول سوچیں ذہن سے نکال دو مجھے یقیں ہے ہمارا اسفند اس ملک سے دشمنوں کا خاتمہ کر کے غازی بن کر لوٹے گا "-وہ مسکرائے تھے... ساجدہ بیگم بھی مسکرائیں اور اثبات میں سر ہلا دیا "وہ ان کی بات سے قائل ہو چکی تھیں جبھی انھوں کچھ سالوں بعد اسفند کو فوج میں جانے کی اجازت دے دی تھی--

اوکے کرتی ہوں... موبائل سے کر رہی نا جبھی دیر لگ رہی ہے.

**************** ارے بیگم آج تو کیپٹین اسفند تشریف لا رہے ہیں -ارسلان صاحب نے جوش و خروش کے ساتھ ساجدہ بیگم کو بتایا جو کچن میں کاموں میں مصروف تھیں .- سچ...؟ وہ خوشی سے بولی تھیں . -میں میں تو آج اس کی پسند کی ہر چیز بناں گی اتنے عرصے بعد آ رہا ہے میرا بچہ -- -وہ کچن میاں چیزوں کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگنے لگیں کہ اچانک ارسلان صاحب پر جا کر نظر ٹک گئی جو انھی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے . -آپ ایسے کیوں مسکرا رہے ہیں؟ ہاہا کچھ نہیں وہ زور سے ہنسے تھے.. دیکھ رہا تھا بس کے بیٹے کے آنے کی خوشی میں آپ کے چہرے پر کیسے رونق آ گئی ہے . -مسز ارسلام مسکرانے لگیں ہاں ہاں رونق کیوں نہ آئے ایک ہی تو بیٹا ہے ہمارا وہ بھی اتنا دور ---ساجدہ بیگم پھر سے رنجیدہ ہو گئی تھیں -ارے ارے اب کیوں منہ لٹکا لیا بیگم ،اب تو آ رہا ہے نا خوش ہو جایئے انھوں نے مسکراتے ہوئے ایک ہلکی سی چپت ان کے سر پر لگائی -ہاں کیوں نہیں وہ زبردستی مسکرائی تھیں -ارے آپ ابھی تک کھڑی ہیں کھانا نہیں بنانا آپ نے؟ ارسلان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا آپ ہی باتوں میاں لگا رہے ہیں وہ فورا

ہانڈی کی جانب پلٹی تھیں اور خفگی سے گویا ہوئیں .. ہاہاہا ایک زوردار قہقہ مسٹر ارسلان کی جانب سے لگا اور وہ ہنستے ہوئے کچن سے باہر چلے گئے

****

.. ارسلان صاحب اسفند ابھی تک نہیں آیا؟ وہ کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے کہ مسز ارسلان کی آواز پر اخبار نیچی کر کے ان کی جانب دیکھا - آ رہا ہوگا آپ کو تو پتا ہی ہے کہ جب تک وہ سارے محلے سے مل کر نہ آ جائے گھر میں قدم نہیں رکھتا... وہ ہلکے سے مسکرائے . ہاں... یہ تو ہے وہ بھی اب ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں - ویسے ارسلان صاحب میرا دل چاہتا ہے کہ اسفند کے سر پر سحرا سجا ہی لوں - ویسے بھی کب تک وہ بچی اسفند کے نام پر بیٹھی رہے گی - وہ خوابوان کی وادیوں میں کھوئی ہوئی بولیں - کہہ تو ٹھیک رہی ہیں آپ مگر گھر تو آنے دیں پہلے آپ اسے - اسلام علیکم خواتین و خضرات اچانک اسفند کی خوش کن ،آواز گونجی -.. دونوں نے گیٹ کی طرف دیکھا اور اسفند کی جانب لپکے - کیسے ہو برخوردار؟ ارسلان صاحب نے بے تابی سے اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا" . - میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟ دیکھو اور بھی جوان ہو گیا ہوں .. ہاہاہا دونوں کا ایک زوردار قہقہہ گونجا - اگر باپ بیٹے کی خوش گپیاں ختم ہو گئی ہوں تو اس معصوم ماں کو بھی اپنے بیٹے سے ملنے کا موقع ملے - ساجدہ بیگم مصنوعی خفگی سے بولیں "امی جان... اب وہ ماں کی طرف بڑھا - کیسی ہیں آپ؟ میں بالکل ٹھیک تم کیسے ہو اسفند؟ میں بھی اچھا ہوں مگر امی یہ آنسو اس نے بے چینی سے پوچھا " کچھ نہیں بیٹا... وہ بس یونہی... مسز ارسلان نے فورا انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھے کیا امی میرے آنے پر بھی آنسو اور میرے جانے پر بھی "وہ ناراضگی سے بولا - ارے برخوردا تم بھی کیا جانو ان عورتوں کو اپنی آنکھوں میں پانیوں کے سیلاب بسائے ہوتے ہیں جب دل چاہا نہ آو دیکھا نا تا بہا دیئے بس - ہاہاہاہا اسفند زور سے ہنسا... با مشکل اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے بولا "ابو جان... میں امی کے بارے میں کچھ نہیں سن سکتا ان کے بارے میں کچھ نہ کہیں- اس نے لاڈ سے ماں کے گرد بازو لپیٹ کر کہا - ہوں آیا ماں کا لاڈلا - ارسلان صاحب کھنکھار کر بولے - ارے امی یوں ہی کھڑے کھڑے مارنا ہے یا کچھ کھانے کو بھی ملے گا؟ پیٹ میں چوہے ناچ رہے ہیں بلکہ ڈانس کر رہے ہیں - اس نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایکٹنگ کی - ہاں... ہاں... ابھی... لگاتی ہوں تم منہ ہاتھ دو کر آ... وہ کچن کی جانب دوڑیں ... اور ایک خوشگوار موڈ میں کھانا کھایا گیا..

****

پیپ... پیپ موبائل فون کی گھنٹی بجی- اس نے فورا فون پک کیا" - ہاں بولو شیر خان ! سر وہ ابھی ابھی آرڈر آیا ہے کہ ہمیں خیبر ایجنیسی کی طرف نکلنا ہوگا - کیوں خیریت شیر خان صاحب وہ وہاں دہشت گردوں کا ٹھکانہ ہے جہاں سے وہ لوگوان کو یرغمال بناتے ہیں ،انھوں نے اپنے مورچے بنائے ہوئے ان کا میں ہدف شہر کی جانب ہے جسے کاروائی سے روکنا ہوگا ہمیں - اوکے شیر خان تم سب تیاری کرو میں آج شام تک پہنچتا ہوان پھر آگے کا لائحہ عمل طے کریں گے- اوکے سر اللہ حافظ - خدا خافظ -

****

.... Eham Eham تو کیا کر رہی ہیں محترمہ؟ وہ کھنکار کر بولا - میرب سے اس کی منگنی بچپن میں ہی طے ہو چکی تھی اور تب سے ہی وہ اسے بہت عزیز تھی - وہ باغوں میں پودوں کو پانی دے رہی تھی جب اس کی خوشگوار آواز سنائی دی - آ.. آپ کب آئے؟ وہ یکدم پیچھے مڑی اور حیرت سے ہوچھا - ابھی بس جب

آپ ہماری یادوں میں گم تھیں -تب ہی ہماری تشریف آوری ہوئی -اسفند نے شرارت بھری مسکراہٹ لیئے ہوئے کہا- ہونہہ... تو آ گئی ہماری یاد... دو دن ہو گئے آپ کو آئے ہوئے مگر آج منہ دکھا رہے ہیں جناب-- میرب نے خفگی سے منہ پھیرا ارے ارے یہ ناراضگی؟ اس نے دائیں ہاتھوں سے اس کا چہرہ اپنی جانب کیا -یوں نہ منہ پھیرا کروں میرب، مجھ سے یوں نا ناراض ہوا کرو اگر کبھی میں منہ پھیر لیا نا تو ساری زندگی ترستی رہ جا گی -وہ اسے زچ کرنے کے موڈ میں تھا -آ آپ... ہو گئی ایموشنل بلیک میلنگ شروع آپ کی -وہ غصے سے بولی ہاہاہاہا اب تو اچھا خاصہ پہچاننے لگی ہے آپ ہمیں اس نے مسکراتے ہوئے کہا -ہونہہ --ویسے آج میں واپس جا رہا ہوں؟ امی ابا کو بھی نہیں بتایا ابھی سوچا پہلے تم سے مل لوں -تم تو جانتی ہو امی کے مزاج فورا پریشان ہو جاتی ہیں.. سنجیدگی سے کہہ رہا تھا میرب نے اس کی طرف دیکھا وہ خود بھی خاصہ پریشان لگ رہا تھا -مگر دو دن پہلے ہی تو آئے ہیں آپ اتنی جلدی؟ وہ تجسس سے گویا ہوئی -ہاں مگر اج ہی شیر خان کا فون آیا تھا فورا بلایا ہے -اک ضروری مشن پر جانا ہے -منع کر دیں آپ؟ اس نے فورا کہا.. نہیں کر سکتا -میں خود بھی نہیں جانا چاہتا ابھی تو ماں کی گود میں جی بھر کر پیار سے لیٹا بھی نہیں، بابا ک سائے کو ان کے پیار ابھی تک تو حاصل ہی نہ کر پایا تمہاری صورت کو جی بھر کر دیکھا ہی تو نہیں ہے ابھی نہیں جانا چاہتا مگر میرب جب سوچتا ہوں کوں وہ ہمارے گھروں ہماری بچوں، ہمارے بیٹوں کو مار رہے ہیں، ان کی زندگی تباہ کر رہے ماں کی گودیں اجاڑ رہے ہیں، ہماری بہنوں کے سر سے باپ کا شفیق سایہ چھین رہے ہیں، ہماری پھول سی کلیوں کو مسل رہے ہیں تو دل کرتا ہے بھاگ کر جاں اور ان کے نام کو بھی خاک میں ملا دوں -دعا کرنا میرب پتا نہیں اب کی بار میں لوٹ سکوں گا یا.... میرب نے فورا اس لے لبوں پر اپنی نرم و نازک انگلیاں رکھ دیں -ایسے ایسے لفاظ... ایسا سوچا بھی کیسے آپ نے؟ آپ آپ... جانتے ہیں ہم ہم کیسے اپنے شب و روز آپ کے بغیر کاٹتے ہیں، خالہ خالو جان کیسے رہتے ہیں آپ کے بغیر... آپ ہی کی یاد سے تو ہمارے ہم سب کے دل کی دھڑکن رواں ہے ہماری زندگی رنگین ہے اور آپ .... آنسو اس کے رخساروں سے بہہ رہے تھے -ارے پگلی روتے نہیں اس نے ہلکی سی چٹکی اس کی چھوٹی سی ناک پر کاٹی -تم جانتی ہو جب تم روتی ہو یہ ناک اور بھی سرخ ہو جاتی ہے اور رو کیو رہی ہو جلد ہی تمہیں اپنی دلہن بنا کر لے جاں گا -اب اتنی سی جدائی بھی نہیں برداشت کر سکتی؟ اس نے مسکراتے ہوئے بات کو مزاخ کا پہلو دینا چاہا -اور مارے شرم کے اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں... وہ بڑے محو کن انداز میں اس کی یہ حرکتیں دیکھ رہا ہے، جیسے آخری بار اس چہرے کو دیکھ رہا ہو ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس نے پوچھا "دیکھ رہا ہوں کتنی خوبصورت ہو تم، اس حسین سراپے کو اپنی آنکھوں میں بسا رہا ہوں کیا پتا دوبارہ دیکھنے کا موقع ملے یا نہ ملے -آپ.... اس نے کچھ کہنے کے لیئے لب وا ہی کیئے تھے کہ وہ بولا او کے چلتا ہوں خیال رکھنا اپنا -وہ مسکراتا ہو گیٹ سے باہر نکل گیا -اور وہ کھڑی اس کی چوڑی پشت کو دیکھتی رہی، دل نے چاہا کہ اسے روک لے، اج اسے جانے دے مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی -بس اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی آنسو ایک بار اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے-

****

وہ سوٹ کیس میں کپڑے ڈال رہا تھا جب ساجدہ بیگم اور ارسلان صاحب دونوں اس کے کمرے میں داخل

ہوئے -یہ... یہ اسفند کپڑے؟ ساجدہ بیگم پریشانی سے اس کے ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کو دیکھ رہی تھیں" *-مجھے جانا ہوگا امی ...اس نے نگاہیں جھکائے جواب دیا " مگر... تم تو ماہ لے لیئے آئے تھے اب تو دو ہی دن ہوئے ہیں اتنی جلدی؟ "اب کی بار ارسلان صاحب گویا ہوئے -ہاں... مگر بابا خیبر ایجینسی میاں کاروائی کے لیئے جانا ہوگا - کک... کیا؟ ساجدہ بیگم کے ہاتھوں سے دودھ کا گلاس چھوٹا اور کچرے کچرے ہو گیا- نن... نہیں تم وہاں نہیں جا گے میاں تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گی... وہ روتے ہوئے وہیں صوفے پر ڈھے سی گئیں "... امی..امی... وہ لپکا میرا دل بہت گھبرا رہا ہے بیٹا نن نہیں جانے دوں گی تمہیں وہاں -انھوں نے دبوچ کر اسے سینے سے لگا لیا- ارسلان صاحب سمجھائیں نہ اسے روکیں نا اسے آپ تو جانتے ہیں وہاں کے حالات -اب وہ روتے ہوئے ارسلان صاحب سے مخاطب تھیں "امی سنبھالیں خود کو -اسفند نے ملتجی نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا -ساجدہ یہ یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ سنبھالیں خود کو انھوں نے ساجدہ بیگم کے سر پر ہاتھ رکھا -لیکن ارسلان صاحب اسے کہیئے نا مت جائے...وہ..وہ اچھ جگہ نہیں ہے وہ سسک رہی تھی -وہاں ہر روز کوئی نہ کوئی .... کچھ نہیں ہوگا امی ادھر دیکھیں؟ اس نے ماں کے چہرے کو اپنی جانب موڑا کتنے ہی لوگ ہیں امی کتنے ہی نوجوان جو وہاں ہماری اور آپ کی خاطر لڑ رہے ہیں، ہماری خاطر اپنی زندگی کی آخری شام بھی اس ویران واجنبی سرزمیں میں گزار دیتے ہیں، سال گزر جاتے ہیں مگر اپنے گھر والوں کے لیئے تڑپتے رہتے ہیں... اور امی میرے ساتھ تو آپ کی دعائیں ہیں نا؟ آپ کی دعا ہو تو مجھے یہ آندھی بھی نہیں چھو سکتی -یقین ہے نا آپ کو اپنی ماتا پر؟ اپنی دعاں پر؟

مسز ارسلان نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا -میں جلد واپس آں گا امی، آپ کا خواب پورا کرنے آپ کی بہو کو لانے ہوں..اسفند نے اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو چھپایا اور ماں کے آنسو پونچھے" . -ہاں اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے...وہ رندھی آواز میں بولیں -اوکے پھر چلوں میں .. مت جا...وہ پھر سے رونے کے قرجب تھیں " ....امی اگر آپ ایسے ہی کریں گی تو میں سچ میں یہیں بیٹھ جاں گا اور آپ چاہتی ہیں کہ لوگ آپ کے بیٹے کو ڈرپوک اور بزدل کہہ کر پکاریں؟ نرم لہجے میاں محوِ گفتگو تھا -نہیں..انھوں نے نفی میں سر ہلایا...ویسے بھی وہ جانتی تھیں کہ اب وہ وہ نہیں رکے گا...اس لیئے اسے جانے دیا -ساجدہ نے یکدم اس کے ماتھے کو چوما اور اسے الوداع کہا -اب وہ ارسلان صاحب کے گلے لگا -اوکے ابو اپنا بے حد خیال رکھیئے گا اور امی کا بھی -ارسلان صاحب کی کوشش کے باوجود آنسو کے قطرے اس کی پشت پر گرنے لگے تھے آخر تھے تو وہ ایک باپ ہی نا -ابو... آپ بھی... میں جلد آ جاں گا ابو ایسے تو نہ کریں... برخوردار وہ تو آنکھوں میاں گرد چلی گئی تھی جبھی آنسو آ گئے انھوں نے بامشکل مسکرانے کی کوشش کی مگر آنسو بہتے ہی چلے گئے ... اور پھر، وعدے، امیدیں دلاسے، تسلیاں دلائے وہ چلا گیا...

************** وہ صبح تک پشاور کیمپ پہنچ چکا تھا- آج اسے خیبر ایجینسی لے لیئے روانہ ہونا تھا -السلام علیکم سر -وہ جونہی اندر داخل ہوا ایک فوجی اہلکار نے اسے سلیوٹ کیا -وعلیکم السلام وہ سلام کا جواب دے کر آگے بڑھا -ہاں شیر خان تیاری ہوگئی؟ اس نے اپنے ساتھ چلتے ہوئے شیر خان سے پوچھا -جی صاحب تیاری مکمل ہے بس آپ کا انتظار ہو رہا تھا "-اس نے

تفصیل سے بتایا -او کے پھر سب نوجوانوں کو میٹنگ کے لیئے میرے کیبن میں بلا اور خود وا پنے کیبن کی طرف بڑھ گیا - کچھ دیر بعد ہی تمام اہلکار کمرے میں موجود تھے ... کیپٹین اسفند نے نقشے کے ذریعے تفصیلات سے آگاہ کیا -اس نے نقشے پر نشان لگاتے ہوئے بتایا کہ یہ خیبر ایجینسی ہے اوراس کے ساتھ یہ وادء تیرہ --اورہمیں آج ہی نکلنا ہوگا اور اندھیرے میں وادٹ تیرہ کی اس چوٹی پر پہنچنا ہوگا -اس نے نشان لگاتے ہوئے انھیں آگاہ کیا" - مگر خیال رہے وادح تیرہ پر پہنچنا آسان نہیں ہے- یہاں معلومات کے مطابق ہر پندرہ منٹ کے فاصلے پر اک بارودی سرنگ نسب کی گئی ہے ،اور آپ سب کو اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو مدِ مظر رکھتے ہوئے اس کو غیر فعال بنانا ہے- دہشت گرد زیادہ تر رجگال کے علاقے میں موجود ہیں اور اب دن بدن شہر کی جانب بڑھ رہے ہیں ..وہ سانس لینے کو رکا اور پھر بولا "پہاڑی پر دہشت گردوں کے اس مورچے تک ہم نے آج رات ،ہم نے سفر کرنا ہے اور سگ صفحہ ہستی سے مٹانا ہے- رجگال کے علاقے میں فضائی حملوں سے انھیں نشانہ بنایا جا رہا یہ پاک افغان سرحد کے قریب واقعہ ہے ... مگراس بار ہمارا نشانہ رجگال نہں بلکہ وادء تیرہ ہےAny Question ? is - it Clear Guys?اس نے نقشہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا- Yes Sirسب ایک آواز میں بولے Okay you -. may go now...اس نے مسکرا کر کہا-

**************شام چھ بجے وہ سب خیبر ایجینسی پہنچ چکے تھے 7 -بجے اندھیرا ہونا تھا اور اسی دوران ان سب نے اپنی کاروائی مکمل کرنی تھی - تھوڑی دیر آرام کے لیئے وہ سب لیٹ چکے تھے" . مگر آج صبح سے ہی اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا-

امی ابو بے انتہا یاد آ رہے تھے -اس کا دل چاہا کہ سب کچھ چھوڑ کر واپس ان کی محبتوان کی چھاں میں چلا جائے -اسفند نے پینٹ کی جیب سے موبائل فون نکالا اور گھر کال ملائی؟ ہیلو...اماں ساجدہ بیگم کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی - اسفند..اسفند.. کیسا ھۃ تو؟ وہ بے چینی سے بولیں ..میں ٹھیک ہوں اماں... آپ کیسی ہیں. ؟اور بابا کہاں ہیں کیسے ہیں؟ میں ٹھیک..اور وہ نماز پڑھنے مسجد گئے ہیں ...اماں...وہ پھر بولا بے چینی اس کے لہجے سے عیاں تھی -اماں آج دل بہت گھبرا رہا ہے، آپ کی گود میں سر رکھنے کرسونے کو دل چاہ رہا ہے، بابا سے اپنے ناز اٹھوانے کو دل کر رہا ہے ---بہت یاد آ رہے ہو آپ سب اماں .. آنسو اس کی آنکھوں میں تیرنے لگے نہ جانے کیوں اماں منزل قریب ہے مگر دل چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ کر تمہارے قدموں سے لپٹ جاں، تمہیں کہیں جانے نہ دوں پتا ہے اماں ایسا لگ رہا ہے تم سب مجھ سے بہت دور ہو رہے ہو،تمہارے ماتا بھرے جزبوں میں کھو جاں...جو جوں قدم آگے بڑھ رہا ہے گھٹن مزید بڑھتی جا رہی ہے ---ایسا لگ رہا تم سب کو چھوڑ رہا ہوں دور ہوتا جا رہا ہوں تمہاری آغوش بابا کی محبت سے محروم ہوتا جا رہا ہوں...دل چاہتا ہے اماں واپس آ جاں مگر اماں میں بزدل نہیں کہلانا چاہتا ...آنسو اس کے رخساروں سے بہہ رہے تھے" ... کیا کیا ہوگیا ہے میرے بچے تم تو اتنے کمزور نہ تھے، تمہیں تو لڑنا ہے اپنی ماں کے لیئے ،بہنوں کے سر پر سائے کے لیئے ،ماں کی اجھڑتی گود کے لیئے تم...تم کیسے کمزور پڑ سکتے ہو " ---نا جانے ساجدہ بیگم کے اندر اتنا حوصلہ کہاں سے آیا تھا کہ وہ اسے حوصلہ دے رہی تھیں...بے چینی ان کی رگ رگ سے عیاں تھی دل تو چاہتا تھا کہ اسے واپس

بلالیں... مگر وہ جانتی تھیں کہ آج اگر وہ بزدلی دکھا گیا تو ساری زندگی سر اٹھا کر نہ جی سکے گا اور وہ اسے بزدل نہیں بننے دینا چاہ رہی تھیں" - میرے بچے یہ ہونٹ یہ بام و در تشنہ ہیں تمہارے لیئے تمہیں آنچل میاں بھرنے کے لیئے، تم بس جلدی سے غازی بن کر لوٹ آ میری آغوش سونی ہے تم بن - تیری ماں کی گود تیرا باپ تیرے لیئے تڑپتا ہے میرے بچے - مگر بزدلوں کی طرح نہیں تمہیں بہادروں کی طرح لوٹنا ہے " - آنسو آنکھوں سے ٹپ ٹپ گر رہے تھے مگر وہ اسے کمزور نہیں دیکھنا چاہتی تھیں - اچھا اماں رکھتا ہوں دعاں میں یاد رکھیئے گا -- ابا کو ڈھیر سارا پیار اور سلام کہیئے گا - اور فون رکھتے ہی مسز ارسلان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں....

*********** فون رکھتے ہی اس نے ٹائم دیکھا 6:30 بج رہے تھے اس نے کاپی پنسل نکالی اور میرب کے نام اک خط لکھا - پیاری میرب ! مجھے پتا ہے میرے خیبر ایجنسی جانے کا سنتے ہی تم بہت اداس ہو گئی ہو گی .... مگر یوں اداس نہ ہوا کرو جانِ اسفند تم اداس ہوتی ہو زندگی ویران لگنے لگتی ہے - میری دل مرجھا جاتا ہے... تم خوش ہوتی ہو تو میری زندگی میں خوشیوں کی بہار آ جاتی ہے... اماں ابا تم کسی کو بھی اداس نہیں دیکھ سکتا میری زندگی کا اثاثہ ہی تم لوگ ہو.. اس لیئے ہمیشہ خوش رہنا پیاری تمہیں پتا ہے آج میری زندگی کا اک بہت بڑا امتحان ہے مگر دل ہے کہ بہت ڈوبا جا رہا ہمت کھوتا جا رہا ہے نہ جانے کیوں قدم ڈگمگا رہے ہیں - آج.. آج رات میں نے خواب دیکھا کہ اک حسین وادی جہاں ہر طرف رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے ہیں، دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں، ایک کانچ سا خوبصورت گھر جس کا کبھی میں نے خواب دیکھا تھا.. ایسی دنیا جہاں ہر چیز موجود ہے، مگر تم نہیں ہو میری ماں بابا وہاں نہیں ہیں، میاں چلا چلا کر تم سب کو پکارتا ہوں، تم سب کو آوازیں دے رہا ہوں مگر کوئی نظر نہیں آتا تم سب ایسا لگتا ہے بہت دور جا چکے ہو - میں... میں دعا کرتا ہو روتا ہوں مگر تم لوگ نہیں ملتے... میں اس حسین دنیا سے واپس اپنی دنیا میں آنا چاہتا ہوں مگر آ نہیں سکتا --+ تم لوگوں سے بہت دور بہت دور ہوتا جاتا ہوں میں --- جانِ اسفند! میں نہیں جانتا میں واپس لوٹ سکوں گا یا نہیں مگر پیاری میرب اپنا بہت خیال رکھنا، میری موت پر ہر گز نہ رونا زندہ رہا تو بہت جلد دلہن کے روپ میں تم سے ملاقات کروں گا اگر مر گیا تو میرے ماں باپ کو حوصل دینا، وہ ٹوٹ جائیں گے بکھر جائیں گے انھیں سنبھال لینا انھیں بکھرنے نہ دینا، اور ہاں میرے پیچھے اپنی زندگی برباد نہ کرنا ... اپنی نئی زندگی کی شروعات کر لینا .. اس نے قلم رکھ کر آنسو صاف کیئے اور پھر لکھنے لگا مگر میرب دل کے ایک کونے میں ہمیشہ میری یاد بسائے رکھنا، مجھے مت بھولنا یہ سوچ کر ہی دم گھٹنے لگتا ہے کہ تم بھلا دو گی مجھے ------ خواہش تھی تمہیں دلہن بنا ہوا دیکھوں، چاندنی راتوں میاں تمہاری زلف کے سائے میں زندگی کی شام گزار دوں گی، اگر لوٹ آیا تو جلد ہی تمہیں اپنا بنا لوں گا اگر زندگی نے وفا نہ کی تو فی امان اللہ .. اپنا بہت سا خیال رکھنا اپنے لیئے نہیں تو میرے لیئے بہت چاہتا ہوں تمہیں ... اب چلتا ہوں ہمیں وادء تیرہ کی طرف نکلنا ہے اللہ نگہبان ... مجھے تمہارے مہندی والے ہاتھ بہت پسند ہیں واپس آیا تو اپنے ہاتھوں سے تمہیں اپنے نام کی مہندی لگاں گا - ہاہا اللہ نگہبان ****--- اس نے خط فولڈ کیا اور اسے خیمے کے باہر کھڑے ولید کو دے دیا اس ہدایت کے ساتھ کہ اگر واپس نہ آیا تو گھر پہنچا دے...

*Are You ReaDy Guyss ? کیپٹین اسفند نے بلند آوز میں سب کو پکارا ...Yes Sir سب با آواز پکارے ...اور سب نے چاند کی روشنی میں اپنے مشن کا آغاز کیا -وہ دیکھ رہے ہو صبح ہوتے ہی ہم کو اس پہاڑی تک پہنچنا ہے - کیپٹین اسفند کی آواز گونجی اور سب نے ان کی راہنمائی میں اپنے مشن کا آغاز کیا -نعرہ تکبیر سب بلند آسلواز میں پکارے اور قدم آگے کو بڑھا دیئے -دھیان سے سرنگوں سلے بچ کر کسی نے آواز لگائی -انتہائی احتیاط سے وہ رائیفل ،بیگ اور دیگر سامان کے ہمراہ پہاڑی کے وسط تک پہنچے - تقریبا رات کے 3 بجے وہ سانس لینے کو رکے - تھک گئے ہو؟ کیپٹین اسفند نے پوچھا جی سر راستہ بہت کٹھن اور جھاڑی دار ہے اوپر سے چڑھائی -بلال احمد نے پھولے ہوئے سانس سے کہا -سر پیاس لگ رہی ہے؟ اب کے شیر خان بولا -میرے بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر پی لو اور جلدی سے آگے بڑھو ..سب نے بیگ کندھے پر لگایا اور سب پھر پہاڑی کی جانب رواں دواں تھے- سر روشنی پھیل رہی ہے ہاں بس فاصلہ بھی کم ہی رہ گیا ہے تم سب اپنی پوزیشن سنبھالو - کیپٹین اسفند نے سب کو ہدایت کی اور آگے بڑھے -ابھی وہ پہاڑی سے تین منٹ کی دوری پر تھے کہ ایک بارودی گولہ ان کے قریب آ کر پھٹا -سب زمین پر لیٹ گئے اور جوابی کاروائی کرنے لگے - کیپٹین اسفند نے آگے بڑھ مورچے میں کھڑے شخص کو مارنا چاہا کہ ایل تیز رفتار گولی آئی اور ان کے بازو کو چھلنی کرتے ہوئے گزر گئی -آہ...وہ زور سے کراہا اور بازو پر ہاتھ رکھ لیا سر سر آپ ٹھیک تو ہیں؟ شیر خان اپنی پوزیشن سے ہٹ کر رینگتا ہوا اس کے قریب آیا -ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں شیر خان تم اپنی پوزیشن سنبھالو -نہیں سر آپ کو گولی لگی ہے آپ زخمی ہیں .. کچھ نہیں ہوا شیر خان میں ٹھیک ہوں...اس نے کراہتے ہوئے شیر خان کو بولا -میں آگے جاتا ہوں شیر خان یوں چھپ کر پیچھے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں -وہ زمین سے کراہتا ہوا اٹھا اور دوڑتا ہوا آگے بڑھا سامنے بنے مورچوں پر بارود اود گولیوں سے دھاوا بول دیا -باقی اہلکاروں نے بھی اس کا ساتھ دیا دشمن کو ان کے یوں آگے آنے کی بالکل امید نہ تھی وہ بوکھلا گئے ان کے حملے کا سامنا نہ کر سکے -وہ دشمن کو زیر کر ہی رہا تھا کہ اچانک گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی اور گولیاں اس کے سینے کو چھلنی کر گئیں ...سر...شیر خان کی کی زوردار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی -سینے سے خون کا فوارہ پھوٹا اور وہ دھڑام سے لڑکھڑاتا ہوا زمیں پر گر گیا -سر...سر...شیر خان چلایا مگر تب وہ نیند کی وادیوں میں سوتا جا رہا تھا --مت جا بیٹے مجھے ڈر لگتا ہے،اسے ماں کا روتا ہوا چہرہ یاد آیا سلیم صاحب کی آنکھوں کے آنسو اسے یاد آنے لگا اور آخر میں میرب کا رویا ہوا حسیین سراپہ ..آنسوں اس کی پلکوں سے لڑھکے اور اس نے ہمیشہ کے لیئے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں ...سر کیپٹین اسفند از نو مور کسی کی آواز گونجی ...اور ہم نے وادء تیرہ پر پاکستانی جھنڈا لہرا دیا ہے ...شیر خان پھوٹ پھوٹ کر رو دیا ...میرے وطن میرے بس میں ہو تو تیری حفاظت کروں میں ایسے خزاں سے تجھ کو بچا کر رکھوں بہار تجھ پہ نثار کر دوں******************

کک کیا؟ ارسلان صاحب کی درد سے بھری آواز ابھری فون ان کے ہاتھوں سے چھوٹا اور نیچے جا گرا - مگر وہ ساکت و جامد وہیں کے وہیں کھڑے رہ گئے - کیا ہوا ارسلان صاحب؟ کس کا فون تھا؟ مسز ارسلان بے چینی سے گویا ہوئیں وہ....وہ...اسفند کیا ہوا اسفند کو؟ بولتے کیوں نہیں؟ وہ چیخیں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے وہ

روتے لگیں بولتے کیوں نہیں -ہمارا اسفند اب نہیں رہا... نہیں رہا ہمارا اسفند مر گیا ہے وہ... وہ چیخے تھے ساجدہ بیگم سنتے ہی اپنے ہوش کھو بیٹھیں ... جھوٹ بولتے ہیں آپ؟ کہیئے کچھ نہیں ہوا ہمارے اسفند کو؟ بولیئے؟ وہ مسٹر ارسلان کا گریبان پکڑے چیخ رہی تھیں... آنکھوں سے سیلاب کا ریلا رواں تھا - چھین لیا آپ نے میرا بیٹا مار دیا آپ نے اسے کہا تھا مت جانے دیں اسے مگر آپ... آپ.. نے اسے چھین لیا مجھ سے میرا لختِ جگر چھین لیا... میری دنیا ویران کر دی "وہ ارسلان صاحب کا گلا پکڑے چیخے جا رہی تھی مگر ارسلان صاحب بے سود کھڑے تھے، اپنی جان کو کھو چکے تھے --آپ... آپ... کو کیوں کہہ رہی ہوں میں نے مارا تو میں نے ہے موت کے منہ میں نے بھیجا ہے اسے... کال کی تھی اس نے کہہ رہا تھا ماں دل کر رہا ہے واپس آ جاں مگر نہیں میں نے کہا بہادروں کی طرح آنا میں نے مار دیا اسے وہ فریاد کر رہی تھیں آ رہا ہے بہادر بن کر کفن میں لپٹ کر وہ اب دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں --نن.. نہیں یہ نہیں ہو سکتا دروازے پر کھڑی میرب یہ سب سن رہی تھی.. آنسو آنکھوں سے رواں دے .. نن نہیاں ہو سکتا... ایک زوردار چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر ڈھے گئی -سارے گھر میں عالم سکوت کی فضا چھائی ہوئی تھی ...ان کی زندگی کی پونجی لٹ چکی تھی وہ برباد ہو چکے تھے

****

-مہندی میں تم بہت خوبصورت لگتی ہو "اس کی آوز گونجی تمہیں خود اپنے نام کی مہندی لگاں گا "- آ اسفند دیکھو یہ میں نے مہندی لگائی ہوئی ہے آنا آتے کیوں نہیں آنا دیکھو میرے ہاتھ مہندی میاں کیسے لگ رہے ہیں؟ آ بتا مجھے وہ اس کا خط پڑھ کر چیخ رہی تھی -چلا رہی تھی تم میری زندگی ہو بہت پیار کرتا ہوں تم سے "اپنی زندگی کو ہی ویران کر کے چلے گئے وہ سسک کر رہ رہی تھی -مجھے کبھی بھولنا مت "بھلا اپنی دھڑکن کو بھی کوء بھولتا ہے -میں.. میں.. کیسے بھولوں گی پھر ...وہ خط پڑھ کر چلا رہی تھی مگر کوئی اس کو تسل دینے والا نہیں تھا سب اپنا اپنا سوگ منا رہے تھے... لوٹ آو پلیز لوٹ آو یہ در و دیوار یہ دل یہ آنکھس ترس گئی ہیں تمہیں دیکھنے کو... لوٹ آو بس اک بار آنسو اس کی گردن کو بھگو رہے تھے... مگر کوئی ان کو پونچھنے والا نہ تھا تیری اک جھلک کے واسطے ہیں تشنہ یہ لب، بام و در

"امی! میں نے کچھ نہیں کیا، امی! وہ تو"____
ابھی اس کی بات ادھوری تھی کہ ایک اور زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر اپنا نشان چھوڑ چکا تھا____ بیٹیوں کو پڑھانے کا ابھی اتنا رواج نہیں تھا، پانچ جماعتیں بھی بہت ہوتی تھیں گاں میں اسکول بن چکا تھا مگر گاں اور محلے کی کئی ماں کے برعکس نسرین نے اپنی بیٹیوں کو یہ کہہ کر اسکول نہ بھیجا کہ
" کیا کرنا ہے پڑھ لکھ کر، بس گھر داری سیکھ لیں یہ، جو آگے جا کے ان کے کام آئے گی۔"
لیکن بیٹیوں سے چھوٹے دو بیٹے اسکول جاتے تھے۔ دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے تھے اور دونوں چوتھی جماعت کے طالب علم تھے -بڑی بیٹی کبری کی شادی اسی کے تایا زاد سے ہو چکی تھی، اس کے تایا کے دو ہی بیٹے تھے امتیاز اور اعجاز۔ بڑا بیٹا امتیاز نسرین کا داماد تھا۔نسرین کا گھر سادگی اور صفائی کی مثال تھا اور گھر میں رہنے والوں کے سگھڑ پن اور سلیقہ مندی کا گواہ بھی۔ لیکن اس بات کا سہرا صرف اس کی چھوٹی بیٹی صغری کو جاتا تھا جو دن رات گھر کے کاموں میں شوق سے لگی رہتی۔ بیس سال کی تھی اور سارا گھر سنبھالا ہوا تھا۔گھر کے کاموں کو لے کر صغری کی ماں بے فکر تھی۔گھر کا جتنا بھی کام ہوتا۔مہمانوں کے آنے پر کھانا بنانا، برتن ، بستر، صفائی ستھرائی سب صغری سنبھال لیتی، سیرت کے ساتھ ساتھ صورت سے بھی خوب نوازا تھا اسے رب نے ،۔خاندان میں اس کی مثال دی جاتی تھی۔
لیکن نسرین نے آج اسے کسی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دیا۔سارا کام خود کرتی رہی۔صبح سے رات ہو گئی تھی، اور نسرین کو جب موقع ملتا وہ صغری کو بری طرح پیٹنے اور کوسنے لگتی ____ صغری اپنے ہاتھوں سے بچا کرتی اور صفائی دینے لگتی____
"امی میں نے کچھ نہیں کیا ، امی وہ تو جبرو"
ابھی اس کی بات ادھوری ہی تھی کہ ایک اور زناٹے دار تھپڑ اس کی گال پر اپنا نشان چھوڑ چکا تھا۔۔۔
" شرم کر بے حیا، اب تو صفائیاں دے رہی ہے، پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہیں گئی تو"
نسرین کی ساس کمرے میں داخل ہوئی، اسے تو اپنی بہو کو باتیں سنانے کا موقع ملا ہوا تھا۔۔۔
" پہلے وقتوں میں لوگ اسی ڈر سے اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، ، سارا قصور تیرا ہے نسرین تو تربیت نہ کر سکی"
نسرین کی ساس یہ کہتے ہوئے خود کو دکھاوے کے طور پر پیٹنے لگی۔
ساس کی باتوں اور اس کے عمل نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"تجھے مر ہی جانا چاہیے تھا۔"
یہ کہتے ہوئے نسرین صغریٰ کا گلہ دبانے لگی۔ ساس نے آگے بڑھ کر نسرین کو پیچھے ہٹایا اور حقارت سے صغریٰ کے پیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:
"بشیراں دائی سے مل کر آئی ہوں، نکال لیا ہے اِس کا حل میں نے، صبح ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ جبرو اور اس کی ماں سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔"
اماں نسرین نے اپنی ساس سے ایک آس بھرے لہجے میں کہا:۔
"وہ تو ویسے بھی اِس کا ہاتھ مانگ رہی تھی جبرو کے لئے۔"
اس کی ساس نے ایک لمبی آہ بھری اور اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے بولی:۔
"پاگل نہ بن، وہ تب اس کا رشتہ مانگ رہی تھی جب اِس میں کوئی عیب نہیں تھا اور اب کوئی فرشتہ بھی آ جائے تو اس سے شادی نہ کرے، پتا ہے مجھے جبرو کا، وہ تو صاف مکر جائے گا، اس کی ماں یہ الزام بیٹے پر ہرگز برداشت نہیں کرے گی، نہ جانے کس کس کا نام جوڑے گی اِس کلموہی کے ساتھ، نصیباں ماری، پھر سوچ کہ وہ کبریٰ کا سسرال ہے اگر اِس وجہ سے اس کا ہنستا بستا گھر اجڑ گیا تو۔"
"لیکن اماں"!
نسرین نے کچھ کہنا چاہا تو اِس کی ساس بول پڑی:۔
"تو بس ویسا کر جیسا میں کہہ رہی ہوں۔"
یہ کہتے ہوئے ساس نسرین کو پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئی اور جاتے ہوئے صغریٰ سے کہا:۔
"خبردار جو کمرے سے باہر قدم نکالا، کوئی تمہیں آواز بھی دے تو کمرے سے باہر مت آنا۔"

صبح سے صغریٰ اتنا روئی تھی کہ اس کی ہچکی بندھ بندھ کر ٹوٹ چکی تھی، مگر آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے۔ وہ اب زمین پر خاموشی سے بیٹھی ایک بازو چارپائی پر رکھے ایسے رو رہی تھی جیسے چارپائی پر اس کی زندگی مری پڑی ہو۔ اس کی قسمت کی لاش دھری ہو ____ نامعلوم کب نینداس پر مہربان ہوئی۔ صبح سے اب تک یہ پہلا لمحہ تھا، جو اس پر مہربان ہوا تھا۔ جس نے اسے اپنی آغوش میں لیا تھا، ہر تکلیف سے پناہ دی تھی۔
صغریٰ کے باپ کا زیادہ تر وقت کھیتوں پر ہی گزرتا تھا۔ صبح تڑکے وہ لسی پی کر کھیتوں پر چلا جاتا اور دوپہر میں اس کا کھانا ماں یا کھیتوں پر جاتا پڑوسی پہنچاتا۔
بھائی سکول سے آتے تو سپارہ پڑھنے، اور پھر کھیلنے چلے جاتے تھے۔ صغریٰ گھر میں سب کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی، مگر آج کسی کو اس کی کمی محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔ گھر والوں کو صرف اپنی ضروریات سے مطلب تھا۔ اور ان کی ضروریات، اور ان کے سارے کام آج ماں کر رہی تھی۔ بس چھوٹے بھائی نے اس کے بارے میں پوچھا، تو ماں نے جواب دیا:۔
"وہ سو، مر رہی ہے اندر۔"
وہ یہ سن کر چھت پر سونے چلا گیا۔ رات تو ساس بہو نے جیسے تیسے کاٹی۔ صبح صندوق سے کپڑے نکالتے ہوئے ماں صغریٰ سے مخاطب ہوئی:۔
"منہ ہاتھ دھو، کے یہ کپڑے پہن لے، جانا ہے کہیں۔"
وہ بے تحاشا رونے کے سبب سوجھی ہوئی آنکھوں سے ماں کو دیکھ رہی تھی جو کپڑے چارپائی پر پھینک کر اب جا چکی تھی۔ صغریٰ کے لئے اتنا کافی تھا کہ ماں نے اس سے سیدھے منہ بات تو کی، ورنہ کل سے وہ اسے کوسنے دے رہی تھی۔

اس کا تایا زاد اعجاز جسے سب لوگ جبرو کے نام سے بلاتے تھے۔اس کا نام تو سکول میں داخل تھا مگر پڑھائی سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ تفریح کے وقت ہی اکثر و بیشتر سکول کی دیوار پھلانگ کر بھاگ جاتا۔ تیس سال کا ہو چکا تھا مگر اب تک میٹرک نہ کر سکا تھا۔ دن میں اس کا ٹھکانہ قبرستان ہوتا، جہاں وہ جامن اور بیر کھاتا، نہر میں نہا کر دن ضائع کرتا۔ راتیں گاں سے باہر ایک ویران حویلی میں اوباش دوستوں کے ساتھ گزرتا۔

اس حویلی کے مکیں ساری زمینیں ٹھیکے پر دے کر شہر میں رہائش اختیار کر گئے تھے۔حویلی میں تاش اور جوئے سے لے کر سگریٹ اور پاؤڈر تک ان کو میسر ہوتا تھا۔ یہ سامان ان کو کون مہیا کرتا۔ کسی کو خبر نہ تھی۔ والدین کو ان کے کارناموں کی خبر تھی مگر جوان بیٹوں پر ہاتھ اٹھانا مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔وہ سمجھاتے رہتے تھے مگر سب بے سود۔

صغری کی بدنصیبی تب شروع ہوئی، جب کبری کی ساس اپنے بڑے بیٹے کے ولیمے والے دن نسرین سے کہہ رہی تھی:۔

" کبری کو تو میں لے آئی ہوں اور اگر اللہ نے چاہا تو صغری بھی میرے گھر کی بہو بنے گی، اپنے جبرو کے لئے اِس سے اچھی لڑکی نہیں ملے گی مجھے۔"

بڑوں کی اِس رضامندی نے ان دونوں کو مستقبل کے خواب دیکھنے کا بہانہ دے دیا۔ تائی کو کھانے کی پلیٹ پکڑاتی ہوئی صغری یہ سن کر کچھ جھنیپ سی گئی۔ جبرو نے یہ بات سن لی تھی جوان سے زرا فاصلے پر کھڑا تھا۔سوئے نصیب کہ اچانک صغری کی نظر اس پر پڑی اور فوراً ہی جھک گئی، جبرو کے چہرے پر جو مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ دراصل نظر بن کر صغری کو لگ گئی۔اور پھر شادی کے مہینوں بعد دونوں سے ایسی حماقت سرزد ہوئی جس کی سزا رجم ہے۔۔۔

گھر کے چند ضروری کام نبٹا کر وہ تینوں گھر سے نکلیں۔نسرین نے دروازے کو تالا لگایا، اس کے ایک ہاتھ میں کالا شاپر اور دوسرے میں چابی تھی۔ وہ شاپر ساس کو پکڑاتے ہوئے بولی:۔

"آپ اڈے کی طرف چلیں، میں یہ چابی کبری کو دے آں، بچے گھر پر تالا لگا ہوا دیکھیں گے تو سیدھا کبری کے گھر جائیں گے، اسے کہہ دوں گی کہ ہم شہر جا رہی ہیں، شام تک آ جائیں گی"۔۔

اڈے سے ان تینوں نے ویگن پکڑی، پچیس منٹ بعد وہ ایک غیر سرکاری ڈاکٹر کے گھر کے باہر کھڑی تھیں۔دادی نے دائی بشیراں کا حوالہ دیا۔ ڈاکٹر کے گھر پر کوئی پندرہ، بیس منٹ ماں، دادی اور ڈاکٹر کے درمیان سرگوشیوں میں گفتگو جاری رہی، وہ ان سے زرا فاصلے پر بیٹھی آسمان کو دیکھتی رہی۔ یہ ڈاکٹر کسی دائی کی پوتی تھی، جو شہر سے نرس کا کورس کر کے آئی تھی اور یہاں گاں کی غیر سرکاری لیڈی ڈاکٹر بنی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر اٹھی اور صغری سے کہا:

"میرے ساتھ آ"

صغری ڈاکٹر کے آگے پیچھے اور کبھی برابر چلتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچی۔ جس کے دو دروازے تھے ایک گھر کی طرف کھلتا تھا اور دوسرا باہر، ایک پگڈنڈی کی طرف جس کے ساتھ ایک گندہ نالہ بہتا تھا۔ جہاں سے اکثر و بیشتر قصبے کے آوارہ جانوروں اور چیل کوں کو رزق میسر آتا تھا۔

وہ ابھی تک دروازے پر ہی کھڑی تھی۔ جیسے اس کی موت کا پروانہ لکھا جا رہا ہو۔ اتنے میں ڈاکٹر نے دیکھا اور کہا

"آ جا اندر"

کمرے سے عجیب سی بدبو باہر آ رہی تھی۔صغری واپس جانا چاہتی تھی مگر مڑ کر دیکھا تو اس کی ماں اور دادی کی نظریں اسی پر جمی

تھیں۔ اسے اپنا وجود پگھلتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ ان نظروں سے بچنے کے لئے کمرے میں داخل ہوگئی۔ کچھ دیر کھڑی رہی اور غیر ارادی طور پر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ایک بڑے سے پلاسٹک کے ڈبے میں کچھ آلاتِ جراحی پڑے ہوئے تھے۔ جن کو وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوئی تھی۔ بچپن میں ایک دوبار اس کے جسم پر چھوٹے چھوٹے دانے ابھرے تھے، مگر اسے نہیں یاد کہ وہ کبھی ڈاکٹر کے پاس گئی ہو۔ کمرے کا اکلوتا بیڈ چارپائی کو ساتھ لئے پڑا تھا۔ جسے شاید ڈرپ سٹینڈ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ پاس کوڑے دان پڑا تھا۔

بدبو سے اسے متلی آنے لگی تو ڈاکٹر نے باہر کی طرف کھلنے والا دروازہ کھولا اور اسے پکڑ کر دروازے کے پاس لے گئی اور کہا:

"تیز تیز سانسیں لو۔"

باہر چیل کوے اور دو چار جانور ایسے چکر کاٹ رہے تھے جیسے انھیں یقین ہو کہ آج ان کو نوالہ ملنے والا ہے۔ اس راستے سے لوگوں کا آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ کچھ دیر میں جب

اس کی طبیعت سنبھلی تو ڈاکٹر نے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے بیڈ پر لیٹنے کو کہا۔ میلی چادر پر بیٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، مگر مرتی کیا نہ کرتی، چاروناچار وہ جوتے اتار کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد اسے اپنے جسم میں سوئی چبھنے کا احساس ہوا تو اس کی ہلکی سی آہ نکلی۔ پھر تو جیسے سارے وجود میں سوئیاں چبھنے لگی ہر چیز اسے گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ جیسے وہ کسی بھنور میں پھنس گئی ہو۔ اسے یاد آیا بچپن میں اس نے دیکھا تھا کہ گرمیوں میں ہوا کے بگولے ایسے ہی گول گول تیز تیز گھوما کرتے تھے۔ اس کی سہیلیاں کہتی تھیں ان بگولوں کے پاس نہیں جانا چاہیے یہ بندے

کو ایک جگہ سے اٹھا کے کہیں دور لے جا کر پھینک دیتے ہیں۔ وہ بھی تو اب کہیں دور کسی اور دنیا میں تھی۔ زندگی اور موت کے بیچ ______ اسے گھر یاد آیا اس کا دل چاہا یہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے مگر وہ لاکھ کوشش کے باوجود ہل تک نہ سکی، اتنی بے بسی اتنی لاچاری۔

وہ بس گھر جانا چاہتی تھی یہاں سے نکلنا چاہتی تھی مگر گول گول چکر اس پر بھاری پڑ رہے تھے اسے امی کا چہرہ یاد آیا۔ اسے کبری یاد آئی۔ دادی کا چہرہ نظر میں آیا۔ ابا اپنے سپاٹ چہرے کے ساتھ دکھائی دیئے۔ وہ سب کو بلا رہی تھی۔ چھوٹو اپنے تیکھے نقوش کے ساتھ یاد آیا۔ اسے جبرو کی چہرے پر نمودار ہوتی ہوئی مسکراہٹ نظر آئی مگر کوئی اسے یہاں سے لے جانے کے لئے نہیں آیا۔ اب اس کی یادداشت نے چپ سادھ لی تھی۔ ہوش ٹھہر گیا تھا وہ بھنور وہ چکر اسے پاتال میں چھوڑ آیا تھا۔۔۔

اسے اپنے جسم سے کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا، جیسے کوئی اس کے جسم کا ٹکڑا ٹکڑا نوچ رہا ہے ریزہ ریزہ توڑ رہا ہے۔ نہ جانے کوئی اسے کتنی دیر نوچتا رہا اور کتنا توڑ کے لے گیا اور کتنا چھوڑ گیا۔۔۔

جب اس کا ہوش بحال ہوا جب اس نے اپنی سانسوں کی روانی کو محسوس کیا اور اسے ابھی اندھیرے سے اندھیرے میں آنکھیں کھولے چند ثانیے ہی گزرے تھے کہ روشنی کی ایک لکیر اندھیرے کمرے میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر نے باہر سے دروازہ کھولا۔ اندر آ کر اس کی نبض ٹٹولی اور اس کی قمیض اٹھا کے چیک کرنا چاہا تو صغری نے فوراً جتنی قوت جمع ہوسکی جھٹکا دے کر قمیض نیچے کر دی اور اس کے ماتھے پر ایک بل نمودار ہوگئے ... ڈاکٹر نے عجیب انداز سے اسے دیکھا اور طنزاً کہا:

"اور کتنا سوگی، دوپہر کے تین بج رہے ہیں، باہر جا تمہاری امی اور دادی انتظار کر رہی ہیں"

وہ کچھ کہے بغیر اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر کی طرف چل پڑی۔ ڈاکٹر نے آواز دی اور کہا:

"جوتا تو پہن لو"

اور پاں سے جوتا گھسیٹتے ہوئے لا کر اس کے برابر میں چھوڑ دیا۔ اس نے جوتا پہنا اور کمرے سے باہر نکلنے لگی مگر سورج کی تیز روشنی سے اس کا سر چکرانے لگا، وہ گرنے ہی والی تھی کہ ڈاکٹر نے بڑھ کر اسے تھام لیا۔۔۔

اسے ہرآتا دیکھ اس کی دادی اور ماں بھاگی چلی آئیں، تو ڈاکٹر نے صفری کو ان کے کندھوں پر ڈال دیا۔ انہوں نے ایک تشکر آمیز نگاہ ڈاکٹر پر ڈالی تو جواباً ڈاکٹر انہیں مجبوراً ہلکی سی مسکراہٹ دے سکی اور ہاتھ دھونے چلی گئی۔۔۔ اس کی ماں نے کچھ بڑبڑاتے ہوئے شاپر سے سیاہ رنگ کی بڑی سی چادر نکال کر اسے لپیٹ دی۔ اس کی ساس عادتاً اپنے فلسفانہ انداز میں بولی "سیاہ رنگ تو ہے ہی ایسا جس کا کام ہی پردہ ڈالنا ہے۔

چھپا لینا ہے اور ایک سفید رنگ ہے جس پر ایک بار دھبہ لگ جائے تو نشان چھوڑ کے ہی جاتا ہے۔ جواباً صغری کی ماں بھی خود کلامی کرتے ہوئے ساس کو سنانے لگی۔ سزا صرف صغری کو بھگتنی پڑی۔ وہ ماں بنی جبکہ باپ بھی تو کوئی ہوگا مگر اس پر تو تقدیر نے پردہ ڈال دیا۔ موت کا پروانہ جو ڈاکٹر کے گھر سے لکھا جانا شروع ہوا تھا مکمل ہونے والا تھا۔ وہ جب وہ تینوں ویگن سے اتر کر اپنے گاں کی چھوٹی نہر کے پاس پہنچیں، تو گھر دس منٹ دور رہ گیا تھا۔۔۔

نہر کو دیکھ دادی نے کہا:

"صغری کو نہلا دو یہیں۔ گھر سے رنگ بدلا پانی جاتا دیکھ کر لوگ طرح طرح کے سوال پوچھیں گے۔"

صغری کو نہر کے بیچ بیٹھا کر چلو بھر بھر کر اس کے سر پر ڈالنا شروع کیا۔ نہلانے والوں کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ نہلانے سے مریضہ صحت بگڑ بھی سکتی ہے۔ راستے میں دھوپ نے اس کے کپڑوں کو خشکی دی تو دونوں کے یہ الفاظ اجلے دکھائی پڑ رہے تھے۔

"اگر کسی نے کہا کہ شہر سے کیا لائی ہیں تو ہم کہیں گی کہ صغری کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اس لئے ہم کچھ خرید نہ سکیں۔۔۔"

گھر پہنچتے ہی دونوں نے صغری کو چارپائی پر لٹا دیا۔ گاں کی عورتیں اس کا پتا کرنے آتیں تو ماں کہہ دیتی:

"کسی چیز کا سایہ ہے، ایسی بیماری جس کا علاج ہی نہیں، میں تو تھک گئی ہوں دوائیاں دے دے کر۔۔۔"

مگر گاں کی عورتیں اچھی طرح سمجھ چکی تھیں۔ پیٹھ پیچھے چہ مگوئیاں کرتیں۔ منہ پر ترس کھاتیں اور صغری کی حالت پر افسوس کرتیں۔ گھر میں ہی دیسی دواں سے علاج اور گھریلو ٹوٹکے صغری پر آزمائے جاتے رہے۔ مگر ان بے سود کوششوں سے اس کی طبیعت دن بدن اور بگڑتی چلی گئی اور دو ہی مہینوں میں وہ بستر سے قبر میں جا لیٹی۔

☆......☆......☆......☆

میری کتابِ زندگی کے صفحے پر ایک لفظ مل ہی تو ہے اِتنا روشن جسکی سپیدی میں سب تاریکی میں چلا جاتا ہے، اِتنا واضح جسکے آگے تمام حروف چھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ روز صبح کتاب مل اپنی تمام تر روشنیوں کیساتھ کھلتی ہے۔ الساعات صبر کنید آغاز شدہ۔ جیسے جیسے دِن ڈھلتا ہے حسرتوں کا دیا بجھنے لگتا ہے اور رات کو کتاب اس دِن کے باب کیساتھ آنسو، دم توڑتی حسرتیں اور آس کیساتھ بند ہو جاتی ہے کبھی نہ کھلنے کیلئے لیکن کہتے ہیں۔۔

نہ کہ جہان درامید تاسیس شدہ است۔

کوئی سراہاتھ لگے تو پتہ چلے، تھمی دِل کی دھڑکن پھر سے ذرا چلے
بہت تھک چکے چل کر تنہا، کوئی تو پوچھے اے صاحب ! کہاں چلے
مل کے دیئے میں جلا کر چراغ ندم
اسکو ڈھونڈنے کی جستجو میں کر کے سب بیاباں چلے
ٹوٹ جائے نہ آس نگاہیں پتھر نہ ہو جائیں
ہم اب مل اور عمل کے درمیاں چلے !!

جیسے جیسے قلم چل رہا تھا آنسو ڈائری میں جذب ہو رہے تھے۔ یہ ڈائری ہی تو تھی جو ہمیشہ اسکے آنسو اور شکوں سے سیراب ہونیکو بیقرار رہتی تا کہ دِل کا بوجھ ہلکا ہو سکے۔ لیکن بارِ قلب کبھی ہلکا نہیں ہوتا بلکہ اِسکو اٹھائے اِنسان ہلکان ہو جاتا ہے، تھک جاتا ہے مگر بوجھ کم نہیں ہوتا۔

بہت مصروف رہتی ہو صبح سے شام ہونے تک۔ حسن نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

چائے کا شکریہ۔ بہت طلب ہو رہی تھی۔ مصروفیت کہاں۔ بس یونہی لکھ رہی تھی۔ ڈائری کو دراز میں رکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

یونہی صحیح لیکن اچھا لکھتی ہو۔ چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

ہمم شکریہ ! لیکن اچھا لکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ بات تو تب بنے جب آپ اپنی بات سے کسی کو قائل کر سکیں۔ شاید آپ بھول رہی ہیں آپ میں قائل کرنے اور اپنی بات منوانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہیں بیگم صاحبہ۔

ایمان خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

ایک بات کہوں ایمان؟

جی۔ سوالیہ نظروں سے دیکھا

تم ایک اچھی رائٹر ہو، لفظوں سے کھیلنا اچھے سے جانتی ہے۔ تم جانتی ہو کس طرح پڑھنے والے کو اپنی لکھائی کے سحر میں قید کرنا ہے، کس جگہ کیا بات کہنی ہے جو ریڈرز کو ہمیشہ یاد رہے۔ لفظوں

کے انتخاب سے لیکر اسکے استعمال کیا وقات تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ کب کیا

کیا میری تعریف کرنی تھی۔ بات کاٹ کر ہنستے ہوئے پوچھا۔

نہیں تمہیں یہ بتانا تھا اگر تم اپنے الفاظ سے اپنی باتوں سے کسی کو قائل نہیں کر سکتی بقول تمہارے تو۔۔ آہ آئی ایم سوری تب تم اچھی لکھاری نہیں بالکل نہیں ہو۔تم فلاپ ہو؛

کسی سے بات نہ منوانے کا مطلب میرا لکھنے سے ہرگز نہیں تھا حسن۔ایمان سنجیدہ ہوگئی۔

مجھے سمجھ نہیں آتی میرے سامنے تو تم بات کلیئر کر نہیں سکتی ریڈرز کو کیسے گرویدہ کیا ہوا ہے؟

اصل زندگی میں اور کہانی میں فرق ہوتا ہے

غلط کہانی اصل زندگی سے لئے گئے سبق پر مشتمل ہوتی ہے۔نام، جگہ اور کچھ الفاظ کی ہیر پھیر کر کے آپ اپنے مشاہدات اور کبھی تجربات کو قلمبند کرتے ہیں۔

دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔دونوں چائے پینے میں مگن تھے ایمان کسی سوچ میں گم، حسن اسکے چہرے کا مشاہدہ کرنے میں مصروف۔ایمان !اس موضوع پر آج میں آخری بار بات کرونگا۔اگر بات تمہاری سمجھ میں آجائے تو بہتر ورنہ یہ خناس کوئی نہیں نکال سکتا کہ تم میں اپنی بات منوانے کی صلاحیت نہیں۔حسن نے چائے کا خالی کپ ٹیبل میں رکھ کر دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا۔میں سب کی بات نہیں کرتی حسن۔لفظوں کا انتخاب ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک کی بجائے سب کہہ جاتی ہوں۔

اس نے صفائی دینی چاہی لفظوں سے کھیلتی ہو اور لفظوں کے انتخاب میں پریشانی چہ معنی دارد؟

میں نہیں جانتی۔۔وہ الجھی گئی۔

بات بہت آسان ہے اگر سمجھ لو تو آسانی ہوگی۔دیکھو آپ ہر کسی کو اپنی بات سے اپنے دلائل سے قائل نہیں کر سکتے، اسکو مطمئن نہیں کر سکتے ہیں۔ہر کسی کا اپنا پوائنٹ آف ویو ہے، سوچنے کا انداز الگ ہے، چیزوں کو سمجھنے اور ہینڈل کرنے کا طریقہ مختلف ہے۔آپ اپنی بات کہیں، ماننا نہ ماننا اس پر ہے۔ آپ اپنی بات منوانے کیلئے زور نہیں لگا سکتیں۔

میں نے کسی کو کیا کہنا۔میری طرح شاید میرے الفاظ بھی ادھورے ہیں، غیر موثر، غیر کامل، درماندہ، آس و امید کی کشمکش میں جھولتے کچے پکے لفظ جو کب سے کن کے منتظر ہیں گردن گھما کر وہ سرگوشی کے انداز میں

بولی۔لہجے میں شکست وریخت اور چہرے میں پھیلی اداسی وہ دیکھ سکتا تھا۔

اللہ کے آگے الفاظ معنی نہیں رکھتے نیت معنی رکھتی ہے۔جیسی نیت ہوگی ویسی مراد۔بس تمہاری نیت اچھی اور پر امید ہونی چاہیے۔مایوسی گناہ ہے یہ تم مجھے سمجھاتی تھی جب میرا کام مندہ جا رہا تھا اور آج خود اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔اوہ کم آن ایمان۔

میں مایوس ہرگز نہیں۔البتہ اداس ہو جاتی ہوں ایمان نے وضاحت دی۔ایک بات کہوں، جی بولیں، کن فیکون پہ یقین ہے؟۔

اسکے بغیر ایمان مکمل ہے کیا؟۔الٹا سوال کیا۔

پھر تم ادھوری کیسے ہوئی؟۔۔حسن نیا نگلی سے اسکی طرف اشارہ کیا تو واقعی لاجواب ہوگئی۔

دیکھو ایمان الفاظ ادھورے ہو سکتے ہیں بقول تمہارے درماندہ، عاجز، خستہ اور غیر موثر وغیرہ وغیرہ۔لیکن یاد رکھو انسان کبھی ادھورا نہیں ہو سکتا ایک نظر اسکو دیکھا جو اسی کی

جانب متوجہ تھی۔کم از کم جب تک یقین کامل ہے کہ اس پاک ذات کے کن کہنے سے سب ہو جائے گا اور جو ہوگا آپکی سوچ سے بالاتر اور آپکے حق میں بہت بہتر ہوگا؛۔ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

وہ جب کن کہنا ہے پتہ بھی نہیں چلتا۔سب ہو جاتا ہے جو مشکل ہوتا ہے وہ بھی جو ناممکن لگتا ہے وہ بھی جانتی ہوں۔لیکن کبھی کبھی مایوسی اِس قدر بڑھ جاتی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتا۔۔ایمان نے ہار مانتے ہوئے کہا ناامید نیست ؛۔اسکے ہاتھوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا امی کو کب تک بہلاں۔وہ ماں ہیں سب جانتی ہیں بار بار اسکو فون کرنے کا کہتی ہیں۔پوچھتی ہیں کب آئے گا۔

اسکے بہانے پھر میرے عذر۔تھک گئی ہوں اب تو؛۔

تمہیں کیا پتہ وہ بہانے بنا رہا ہے۔مجبوریاں اِنسان کو بہت مجبور کر دیتی ہیں ایمان۔بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اِنسان

چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا بلکہ حالات اِجازت نہیں دیتے کچھ کرنے کی مگر یہ بات وہی سمجھتا ہے جو فیس کر رہا ہوتا ہے تاکہ وہ جسکو پریشانی و مجبوری بتائی جائے۔۔

ہاں وہ یہی کہتا ہے میری مجبوریاں ہیں لیکن مرد کیلئے تو کوئی مشکل نہیں ہوتی ،کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔مجبور

تو ہم عورتیں ہوتی ہیں۔یہاں بات ساری چاہت کی ہے۔

یہ تم کہتی ہو۔حقیقت میں مرد کو بہت سی چیزوں کو لیکر چلنا پڑتا ہے۔کسی کے کہہ دینے سے کام ہو جائے تو کیا

ہی بات ہو۔اسکو اپنی بیوی کو اپنی سوتیلی ماں کو قائل کرنا ہوگا تمہیں اور امی سے ملنے کیلئے۔وقت لگتا ہے ہر کام

میں۔سب ایس کتنا وقت حسن؟ کتنے سال گزر گئے۔۔بات کاٹ کر بولی

دیکھو ایمان تم پھر مایوسی کی باتیں کر رہی ہو اور کہتی ہو مایوس نہیں ہو۔۔وقت سے پہلے کچھ نہیں ہوگا چاہے وقت گھنٹوں پر محیط ہو، ہفتوں ،مہینوں یا پھر برسوں۔جب اللہ نے کہنا ہے ہو جا تو سب ہو جائے گا سب یعنی سب۔تب دنیا کی کوئی طاقت اسکو تم سے اور امی سے ملنے کیلئے نہیں روکے گی۔اور رہی بات چاہت کی تو اسے پہلے کیطرح اسکے حال پر چھوڑ دو۔آنا ہوا آ جائے گا ورنہ جہاں رہے آباد رہے۔امی کا کیا؟۔سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔وہ بھی سمجھدار ہیں بس ممتا کے ہاتھوں مجبور ہیں تبھی تمہیں فائق سے رابطے میں رہنے کیلئے کہتی ہیں۔ورنہ وہ

جانتی ہیں کن جھمیلوں میں ہے وہ ہاں سو تو ہے تمہیں ان سے سیکھ لینی چاہیے زندگی پرسکون ہو جائے گی۔۔حسن نے کمبل سیدھا کرتے ہوئے کہا میں سمجھی نہیں ؛۔۔اس نے ناسمجھی کے انداز میں دیکھا۔تمہیں اتنا اِنتظار کہاں کرنا پڑا جتنا اس ماں نے کیا جو کتنے

سال اپنی اولاد کی شکل دیکھنے کو ترس گئی لیکن کبھی

ناامیدی کی بات نہیں کہی ،کبھی صبر کا پیمانہ لبریز نہیں ہوا اور نہ اللہ سے شکوہ کیا۔آہ !کاش میرے بس میں ہوتا تو ماں جی کیلئے کچھ کر سکتا۔میں ذرا آرام کر لوں ؛۔حسن لیٹ چکا تھا۔ایمان باہر کے منظر میں گم ہوگئی۔مما باہر کوئی انکل آئیں ہیں آپکا پوچھ رہے ہیں ؛۔۔آٹھ سالہ شزا نیماں کو مطلع کیا جو کھانا بنانے میں مصروف تھی۔کتنی بار منع کیا ہے آپ کو۔آپ دروازہ مت کھولا کریں۔۔ ایمان نے سختی سے شزا کو ڈانٹا جو ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی پانی پی رہی تھی۔سوری مما۔دو بار بیل ہوئی آپ نہیں آئیں تو میں پوچھ لیا لیکن گیٹ نہیں کھولا اندر سے ہی پوچھا تھا۔

ایمان نیا جنبی کے منہ سے اپنا نام سنا تو اسے لگا سناٹا چھا گیا ہو۔ کانپتے ہاتھوں سے گیٹ کھولا تو ساکت نظروں سے سامنے

کھڑے لمبے چوڑے مرد کو دیکھا۔ یکلخت تمام تر شدتوں سے اس سے لپٹ گئی۔
آپ آ گئے بھائی؟ گھر کا کیسے پتہ چلا؟ مجھے بتایا کیوں نہیں میں امی کو بلواتی؛۔۔ایک ہی پل میں کتنے سوال کر ڈالے۔
پتہ تم نے دیا تھا میرے دِل پر نقش تھا۔ علاقے تک آ گیا پھر ایک دو لوگوں سے پوچھتا پوچھتا آ ہی گیا۔۔مسکراتے
ہوئے بولا تو ایمان نے بغور جائزہ لیا۔
ماموں۔۔شزا نے آواز لگائی اور آ کر فائق سے لپٹ گئی۔ ایمان اپنی ماں کو فون کرنے گئی تاکہ اسکو بھی یہ سرپرائز
دے سکے۔
تینوں بیٹھے کتنی دیر تک باتیں کرتے رہے۔شکوے شکایتیں، دوری کا غم، اپنوں کے رویوں کی مار۔ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ ماں کے ہونٹوں کی مسکراہٹ دیکھ کر ایمان بار بار جی اٹھتی۔
کتنی خالص مسکراہٹ تھی، آنکھوں میں
محبت کے رنگ لئے وہ بیٹے سے باتوں میں مصروف، اطراف سے بے نیاز بیٹھی تھیں۔۔کتنا طویل سفر کیا ہے اسکی
ماں نے لیکن بیٹے سے ملنے کی امید کبھی نہ ٹوٹی۔
ایمان نے جلدی سے برتن دھو کر کچن سمیٹا اور وضو کرنے چلی گئی تاکہ شکرانے کے نفل ادا کر سکے۔
امی بہت خوش تھیں آج ;۔۔حسن نے پوچھا
بہت۔ کتنے سال بعد بھائی کو دیکھا۔ امی نے بھی کتنے سال انتظار کیا کب وہ بڑا ہو اور ان سے ملے۔۔کبھی کبھی لگتا
تھا وہ نہیں ملے گا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے اس نے ملنے کیلئے دروازہ
کھول دیا;۔ایمان واقعی چہک رہی تھی اور حسن
اسکے چہرے پر حقیقی مسکراہٹ دیکھ سکتا تھا جو آج تک نہ دِکھی۔

اب یہ دروازہ کبھی بند نہیں ہوگا خواہ وہ دِلوں کا ہو یا چار دیواری کا۔ وہ امی سے اور ہم سے ملنے آتا رہے گا
اِنشا اللہ۔ حسن نے پر امید ہو کر کہا تو اس نے اِنشا اللہ کہہ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔
آج مجھے زندگی کا کلیہ سمجھ میں آ گیا کہ اِنسان ادھورا نہیں ہوتا ادھوری اسکی سوچ ہوتی ہے اِنسان تو نامکمل ہوتا
ہے بنا رشتوں کے۔ اللہ نے اِنسان کو عقل و شعور اور علم سے نوازا ہے پھر وہ غیر کامل کیسے ہو سکتا ہے؟ بالکل اسی طرح کن فیکون پر یقین رکھے بنا مل غیر کامل ہے، نامکمل اور ناپائیدار۔۔آج مجھے مل اور عمل کا فرق بھی پتہ چل گیا۔ مل ایک امید ہے، توقع ہے جبکہ عمل ایکٹ ہے، ایک پلان ہے، ایک ترتیب ہے جو بغیر مل کے ممکن نہیں۔ اِسکے درمیانی راستے کا نام کنفیوژن ہے جو اِنسان کو آگے بڑھنے اور مثبت سوچنے سے روکتا ہے۔
ہم اب مل اور عمل کے ہمراہ چلے!
آج ڈائری اسکے آنسوؤں سے نہیں اسکی بلکہ اسکے تبسم سے سیراب ہو رہی تھی۔ وہ گواہ تھی اس خوشی کی جو قلم سے لکھتے ہوئے پھوٹ رہی تھی، اس مسکراہٹ کی جو مسلسل اسکی آنکھوں اور ہونٹوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

☆......☆......☆......☆

ماہرہ اپنے چار سالہ بیٹے فرقان کے ساتھ بالکونی سے باہر کا نظارہ کر رہی تھی -جب اسے کچھ بچے نظر آئے جو رام نام سچے ہیں کی گردان کر رہے تھے کہ اچانک کسی کی آواز گونجی

تمہارا باپ مرگیا ہے کیا؟

یہ سن کر بچوں کو سانپ سونگھ گیا اور وہ خاموشی سے وہاں سے چلے گئے-

مما: یہ کیا کہہ رہے تھے؟ ننھے فرقان نے سوال کیا

کچھ نہیں بیٹا یہ بہت گندے بچے تھے یہ بہت بری بات کر رہے تھے چلو بس اب اندر چلتے ہیں

ٹن ٹن ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ٹن ------------- مما پپا آگئے پپا ایک منٹ رکیں-

مما پپا کی آرتی اتارتے ہیں دیکھیں نا پپا کتنے اچھے لگ رہے ہیں-

ماہرہ نے اپنی شرمندگی پر بامشکل قابو پاتے ہوئے کہا

دیکھا آپ نے یہ کتنا شریر ہو گیا ہے-

☆……☆☆……☆……☆

موت پہ نہیں شائد جنازے پہ کہرام سا مچا ہوا تھا میت کو گھسیٹ کر ایمبولینس میں ڈالا

جا رہا تھا بچوں کی چیخ و پکار، پاپا کو مت لے کے جائیں شوہر کے غم میں نڈھال وہ ڈھے سی گئی

محبت کی شادی تھی

اچھا کیا میت کو ہم لے آئے ہمارا بھائی لاوارثوں کی طرح دفن ہوتا ہمیں کسی صورت گوارا نہیں تھا.بہن کا مغرور لہجہ

مما! پاپا نے بتایا تھا دسمبر میں سردی ہوتی ہے پھر اتنی گرمی کیوں لگ رہی ہے مجھے، پیٹ پہ ہاتھ رکھے ایک نحیف آواز ماں سے سوال کر رہی تھی

☆……☆……☆……☆

تم بانجھ ہو اولاد پیدا کرہ نہیں سکتی تین سال گذر گئے ہماری شادی کو کوئی پیر فقیر ڈاکٹر نہیں چھوڑا تم کیوں مان نہیں لیتی بانجھ ہو تم بانجھ۔۔۔

افضل غصے سے نور پہ برس رہا تھا اور نور کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھی

مدھم آواز میں بولی افضل آپ میری بات مان لیں ایک بار اپنا چیک اپ کروالیں

بکواس بند کرو اپنی شرافت سے بول رہا ہوں اجازت دے دو دوسری شادی کی ورنہ۔۔۔

افضل اور نور دونوں ہی سفید پوش گھرانے سے تعلق رکھتے تھے نور گھر والوں کی پسند تھی من چاہی بہو تھی ابھی تک افضل ان کے کنٹرول میں تھا شادی کے دن مہینوں سال میں گذرے تو تمام گھر والوں کے ماتھوں پہ تیوریاں نظر آنے لگی

نور کی گود خالی ہے درگاہ، پیر و فقیر ڈاکٹر سب سے علاج کروا لیا مگر سب بے سود رہا

افضل کی دوسری شادی کی ضد حقیقت میں بدل گی نئی نویلی دلہن کے آنے سے نور کی حیثیت نوکروں سے بدتر ہوگی اور اب انتظار تھا تو دوسری بیوی کی گود ہری ہونے کا گھر کے وارث کی خبر کا افشاں جو افضل کی دوسری بیوی تھی

وہ بھی پریشان تھی کچھ حالات سے واقف بھی شدت سے دعا کر رہی تھی اللہ اسے اولاد دے

روز کی لڑائی اور افشاں کی ضد سے ہار مانتے ہوئے افضل ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کروانے گیا دل میں شکر ادا کر رہا تھا افشاں کو ساتھ نہیں لیا ڈاکٹر کے کیے گئے انکشاف نے اسے سوچنے پہ مجبور کردیا

جس عورت کو ساری زندگی بانجھ کہا سوکن لے آیا اپنی حکمرانی کرتا رہا تذلیل کرتا رہا

اور وہ خد کیا تھا نامرد؟

☆.....☆.....☆.....☆

سو لفظی کہانی

اعتبار

سیدہ عروج فاطمہ

عائشہ تمہیں اعتبار ہے نا مجھ پر تو بس بے فکر رہو بیگم صاحبہ میں تمہارا اعتبار کبھی نہیں توڑوں گا۔ صفدر یہ کہنے کے بعد کسی ضروری کام کے سلسلے میں باہر چلا گیا۔

صفدر تم نے دو بجے کا وعدہ کیا تھا کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ کورٹ میں ہوں وکیل صاحب آ گئے ہیں دولہے صاحب!

آج صفدر صرف اپنا موبائل ہی گھر نہیں چھوڑ گیا تھا بلکہ وہ اس اعتبار کو بھی توڑ گیا تھا جو عائشہ اس پر آنکھیں بند کر کے کرتی تھی۔ عورت آخر کس پر اعتبار کرے۔

☆......☆......☆

دسمبر کی یخ بستگی منفی درجہ حرارت کے سبب عروج پہ تھی سورج بھی شاید پہاڑوں سے ناراض تھا

کیپٹن احمد پانی کی تلاش میں فوجی چوکی سے کافی دور آ چکا تھا اچانک دشمن کیمپ اس کی نظروں میں آیا احمد محتاط انداز میں لمبا چکر کاٹتے ہوئے کیمپ کے پچھواڑے میں پہنچ گیا

اسلحے اور بارود کی کھیپ دیکھ کر احمد حب الوطنی کے جذبے سے سرشار کیمپ کو تباہ کرنے کے لئے میدان میں کود پڑا دشمن کیمپ بیخبری میں تباہ ہوا اور ایک حب الوطن کا جسد خاکی برفانی پہاڑیوں پہ کہہ رہا تھا

"الوداع دسمبر"

"ڈاکٹر بن کر وہ گاں کے لوگوں کی خدمت کر رہا تھا اور غریبوں کا مفت علاج ۔ "ڈاکٹر صاب ابا جی چنگے بھلے ہو گئے ہیں " وہ مریض کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا جب نوری نے خوشخبری سنائی ۔ " یہ تو بہت اچھی بات ہے میری دوا اثر کر گئی " ڈاکٹر مسکرایا۔

" نہ ڈاکٹر صاب آپ کی دوا سے نہیں"

نوری ہنسی۔

" پھر؟

ڈاکٹر حیران ہوا۔

" ہم ابا کو شہر لے کر گئے جہاں بڑے ڈاکٹر نے ابا کا بڑا ہی اچھا علاج کیا۔۔۔ ڈاکٹر صاب وہ بڑا ڈاکٹر بڑا ہی اچھا تھا جی " چھوٹا ڈاکٹر مسکرا کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

"اماں میں کیا بتاں تمھیں۔

یہ لوگ بڑا تنگ کرتے ہیں مجھے

تین مہینے میں ہی اولاد کا طعنہ بھی دینے لگے۔

"رفعت بیگم اپنی بیٹی کے لفظوں میں چھپے کرب کو اپنے اندر اترتا محسوس کر رہی تھیں۔"

اچھا میرا بچہ نہ رو اللہ رحم کرے گا۔ " وہ پانی لینے کی غرض سے کچن کی جانب بڑھیں

جہاں گھر کی نوکرانیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں "یاد ہے صغری ! بی بی جی نے چھوٹی بہو کو بھی ایسے ہی ستایا تھا۔۔

"قدم ٹھہر گئے ۔لب سل گئے ۔وقت پلٹ چکا تھا۔ آج بہو کی جگہ بیٹی کھڑی تھی۔

☆......☆......☆......☆

شانزے پھپھو کے ساتھ بازار شاپنگ کے بعد بضد تھی کہ اسے چارٹ کھانی ہے۔ پھپھو صحت وصفاء کی نہایت پابند تھیں۔ آرڈر دیتے ہی انہوں نے پرس کنگھالا اور ایک عدد چمچ برآمد کی۔ ساتھ بیٹھی لڑکی نے دیکھ کر ہنسی دبائی۔ مگر پھوپھو کے چہرے کی ہوائیاں اڑی دیکھ کر شانزے گویا ہوء" کیا بات ہے پھپھو پریشان ہیں۔؟"

"ہاں گلاس گھر رہ گیا۔" جس پر شانزے نے تمسخرانہ انداز میں کہا "اب آپ کیا کریں گی۔۔؟"

پھپھو نے شانزے کو گھورا اور جگ اٹھا کر منہ کے ساتھ لگا لیا۔

اردگرد سے کھسیانی ہنسی کی آوازیں گونجنے لگیں۔

☆......☆......☆......☆

سعودی عرب ایسا ملک ہے جہاں کوئی سینما نہیں ہے

معلومات

*قرآن مجید میں آسمان کا ذکر 123 بار آیا ہے

*زمین پر پہلا درخت کھجور کا پیدا کیا گیا

*بغیر پانی پیئے چوہا، اونٹ سے زیادہ دنوں تک زندہ رہ سکتا ہے

*نر مچھر کسی کو نہیں کاٹتا، صرف مادہ مچھر کاٹتی ہے

*ہابیل وہ شخص تھے جس کے ماں باپ تو تھے لیکن نا کوئی دادا تھے نا کوئی نانا

رضیہ فیاض - صادق آباد

*پاکستان کا پہلا سکہ 1948 کو ایجاد ہوا

*فلسطین کو پیغمبروں کی سرزمین کہتے ہیں

*ہالینڈ کو پھولوں کا ملک کہتے ہیں

*موٹر کار 1768 میں ایجاد ہوئی

*تھائی لینڈ کے ایک چڑیا گھر میں ننھا ہاتھی سائیکل چلانا سیکھ چکا ہے اور وہ اپنے کرتبوں سے سیاحوں کو خوب محفوظ کرتا ہے اور اس سے چڑیا گھر کی آمدن میں بھی خاصا اضافہ ہوا ہے

رانا ہادی - سعودی عرب

*دنیا میں سب سے زیادہ ایجادات تھامس ایڈیسن نے کیں تھامس ایڈیسن نے کیں جن کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے

"انار"

*انار کھانا 40 روز تک شیطان کو غمگین کرتا ہے

*انار کھانے سے وسوسوں کا نفسیاتی مرض دور ہوتا ہے

"زعفران"

*زعفران کے استعمال سے ہاضمہ ٹھیک ہوتا ہے اور بھوک بڑھتی ہے *زعفران جوڑوں کے درد اور پیٹ کی بیماریوں کے لئے مفید ہے

فاطمہ عبدالخالق - فیصل آباد

☆......☆......☆......☆

کاجل ہر زمانے میں مقبول رہا ہے۔ عرصہ دراز سے خواتین کاجل کا استعمال کرتی رہتی ہیں۔ قدیم تہذیب میں بھی اس کے استعمال کا ذکر موجود ہے۔ 70 کی دہائی کی فلموں میں بالی ووڈ کی ہیروئنیں کاجل کے ساتھ دیکھی گئی ہیں۔ کاجل آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافہ کا کام کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی کے دل میں بسنے کیلئے آنکھوں کا خوبصورت ہونا بہت ضروری ہے۔ کاجل آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافہ اور اس کو پرکشش بنانے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کاجل آنکھوں کو رعنائی بخشتا ہے اور اسے جاذب النظر بھی بناتا ہے۔ آئی میک اپ میں کاجل کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کاجل کی باریک لکیر نہ صرف خوبصورت آنکھوں کو نمایاں کرتی ہے بلکہ یہ آپ کے چہرے کو چمک اور رونق بھی بخشتی ہے۔ کاجل کا استعمال مختلف امراض کے علاج میں بھی کیا جاتا ہے۔ کاجل لگانے سے آنکھیں نرم تاثر دیں گی بلکہ چہرہ بھی خوشنما دکھائی دینے لگے گا۔ کاجل لگانے سے قبل آنکھوں کو ٹھنڈے پانی سے دھولیں تاکہ پلکوں اور آنکھوں کے اطراف گرد صاف ہوجائے۔ آنکھوں کے اطراف جلد خشک ہے تو آپ موئسچرائزنگ لوشن لگائیں یا اس لوشن کا آنکھوں کے اطراف ہلکا مساج کریں۔ اس کے خلاف آپ کی جلد روغنی ہے تو آپ اس شکایت کو دور کرنے کیلئے پاؤڈر بھی استعمال کرسکتی ہیں۔ بازار میں کاجل کے مختلف برانڈز دستیاب ہیں مگر معیاری کاجل ہی خریدیں یا پھر گھر میں کاجل بنائیں۔ غیر معیاری اور سستا کاجل قطعی استعمال نہ کریں۔ اس سے آئی انفیکشن کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں نیم لہسن کا کاجل تیار کرنے کا فن جانتی ہیں۔ بہتر رہے گا کہ بڑی اور معمر عورتوں سے کاجل بنوا لیں۔ نیم کے پھولوں سے تیار کردہ کاجل آنکھوں کی صحت کیلئے بہتر مانا جاتا ہے۔ زچہ اور بچہ دونوں کو یہی کاجل تجویز کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کاجل سازی کے طریقہ سے واقف نہیں ہیں تو یہ منصوبہ ترک کر دیں۔ بازار سے معیاری کاجل خرید کر اسے استعمال کریں۔

بدلتے موسموں کی بدولت جہاں زندگی میں کئی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہیں جلد پر بھی بہت سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بات اگر موسم گرما اور برسات کی ہو تو یہ موسم تو ویسے بھی خواتین کیلئے خاصا مشکل ہوتا ہے۔ حبس اور تیز گرمی کی وجہ سے جلد کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سورج کی تیز شعاعوں سے نہ صرف رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے بلکہ چہرے کی شادابی ختم ہو جاتی ہے۔ خواتین تھوڑی سی کوشش کریں تو نہایت خوش اسلوبی سے اس مرحلے سے گزر سکتی ہیں اور گرمیوں کے موسم میں بھی خوبصورت اور بارونق چہرے کی مالک بن سکتی ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں اپنی جلد کو نکھارنے اور تروتازہ رکھنے کیلئے پانی زیادہ سے زیادہ پئیں۔ اپنے چہرے کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ دن میں کم از کم چار مرتبہ منہ دھوئیں۔ اگر ہو سکے تو نیم کے پتوں کو پانی میں ابال لیں۔ اس سے چہرہ دھوئیں اس طرح چہرے کی صفائی کے ساتھ ساتھ مہاسوں میں بھی کمی آسکتی ہے۔ اپنے چہرے کو دھوپ کی تیز شعاعوں سے محفوظ رکھیں۔

وفا والے خودسپردگی والے ہوتے ہیں، صبر کرنے والے ہوتے ہیں، وہ جلد باز ظلم کرنے والے نہیں ہوتے۔ وہ محبت کے نام پر ظلم نہیں کرتے، مکر وفریب نہیں کرتے . ظالم نفس وانا ظلم کرواتی ہے، محبت نہیں۔ محبت تو ایک خوبصورت عطا ہے حسین رب کی۔ محبت ہوس اور مکر وفریب سے پاک ہوتی ہے۔ محبت تو شکر کے، وفا کے اور اپنے رب کے قرب کا ذریعہ ہے۔ ہاں دیکھا گیا ہے

بیمار ظالم نفس محبت کے نام پر ظلم کرواتا ہے لیکن یہ محبت نہ ہوئی خود اپنے لئے اپنی ذات پر ظلم ہوا۔

محبت تو رب سے جوڑتی ہے، امید سے جوڑتی ہے، جبر نہیں کرواتی۔ جبر کرنے والے صبر نہیں کرتے اور صبر نہ کرنے والے خودسپردگی نہیں دیتے۔ محبت کرنے والے شیطان بیمار نفس کے جال میں نہیں آتے وہ صرف ایک کے ہوتے ہیں . جو ایک کا ہو جاتا ہے سب اسکا ہو جاتا ہے وہ محبوب سے راضی بارضا رہتا ہے شکوے شکایتوں سے آزاد دل عاجزی وانکساری سے شکر کا کلمہ پڑھتا ہے۔ دل کو جھکانا پڑتا ہے۔ دل جھک جانے کے لئے اخلاص وسادگی وعاجزی کا ہونا ضروری ہے۔ مکر وفریب سے پاک دل چاہیئے ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں اخلاص اور اچھی نیت سے زیادہ کوئی عمل مقبولیت نہیں رکھتا۔ ایسے ہی محبت و قرب نہیں ملتا۔ پھر اللہ پاک ہر چاہ سے، ہر آہ سے نجات دے دیتا ہے۔ فقط نظر میں رہتا ہے تو صرف اور صرف محبوب کی رضا، اس کی خوشنودی۔ یہ آج کل کی محبت، محبت نہیں ہے۔ یہ محبت کے نام پر ظلم ہے اور ہر ظالم پر اللہ الودود کی لعنت ہوتی ہے۔ رب کی رضا سے جدا نفس ہمیشہ ظلم ہی کرواتا ہے۔ غلام بن کر نفس ہمیں ہمارے ہی ہاتھوں ذلیل وخوار کرواتا ہے۔ ہمارا خود ہم پر ظلم ہی تو ہوتا ہے یہ کہ ہم خود ہماری خیر کا دشمن بنا دیتا ہے۔

سوچ لے اے انسان محبت میں ظلم رب کو پسند نہیں۔ مہرباں ہو کر رحم کر کے رب کے ہو جا یا خواہشات بیمار نفس کے جو کہ سراسر تمہارا خود پر اپنی جان پر ظلم ہی تو ہے۔ جو محبت سیدھی راہ سے بھٹکا کر آپ کو اپنے رب سے دور کر دے، شیطان کے بتائے راستے پر چل کر جھوٹی خدائی پر لے آئے یہ محبت نہیں محبت کے نام پر کیے جانے والا نفس کا تم پر ظلم ہے، شیطان کی چال ہے۔

استغفر اللہ۔ کیا محبت کرنے والے نہیں آگاہ شیطان کے وار سے؟ اس کی چالوں سے؟ شیطان محبت کے لبادے میں اپنا فرض نبھا رہا ہے اور محبت کے نام پر ظلم کر رہا ہے۔ جان لو اللہ الودود محبت کرتا ہے، محبت کو پسند کرتا ہے اور محبت کے نام پر ظلم کرنے والوں کو کبھی بھی معاف نہیں کرتا . جو رب سے توڑے، دور کرے وہ محبت نہیں اے انساں۔۔

محبت تو رب سے جوڑتی ہے۔ تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتی ہے۔ موت میں زندگی دیتی ہے، سکون دیتی ہے۔ شیطان تو گمراہ کر رہا ہے تا قیامت وہ یہی کرتا رہے گا۔ محبت کے نام پر یہ ہم نے سمجھنا ہے کہ محبت تو صفت ہے اس پاک ذات کی جو عالم و ارواح کا سفر طے کرواتی ہے، رب سے ملواتی ہے۔ محبت کے ہر پردے میں اللہ ہے، اسکی تلاش ہے اور یہ جذبہ اتنا خالص ہے کہ جس دل میں ڈالتا ہے اسے اپنا بنا لیتا ہے۔ وہ اسے اپنی چاہ اپنی تلاش کا احساس عیاں کرواتا ہے کہ مجاز کی محبت در پردہ آزمائش ہے اور راستہ ہے اس رب تعالی تک پہنچنے کا۔ وہ مجاز کی محبت اس کی بے وفائی کے ذریعے سے انسان کو اپنی محبت اپنے ہونے کا احساس کرواتا ہے پھر نم آنکھوں میں اشکوں کی روانی پیدا کر کے پاک کر کے دل اور آنکھوں کو اپنی محبت کی جلا بخشتا ہے۔ پھر دنیا کی ہر آلائش سے پاک کر دیتا ہے۔ اسے اپنی چاہ سونپ دیتا ہے، روتی آنکھوں میں قوس قزح کے حسیں رنگ بھرتا ہے کیونکہ اللہ محبت کو پسند کرتا ہے۔

جیسے اندھیرے میں تارے جگمگاتے ہیں۔ محبت بھی مرگی میں زندگی دیتی ہے۔ جس دل میں محبت ہو وہ ارض و سماں کی وسعت جتنا اعلی ظرف، صابر اور عاجز ہوتا ہے۔ وہ ظالم نفس سے نکل آتا ہے اور اللہ کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ کا ہو جاتا ہے وہ اپنے سچے رب جیسا سچا ہو جاتا ہے۔ مکر و فریب نہیں کرتا محبت کے نام پر جو آجکل ہر محبت میں ہوتا ہے۔ یہ محبت نہیں ہے اے انسان یہ شیطان کا تم پر تمہارے نفس کا ظلم ہے تو بہ معاذ اللہ محبت یہ نہیں سکھاتی محبت تو صبر عاجزی وانکساری سکھاتی ہے، رب سے ملاتی ہے، ہر مکر، ہر جال سے بے نیاز ہوتی ہے۔

☆......☆......☆......☆

تحریر خضر حیات مون

شیخ رضی الدین اوپل 7 مئی 1964 کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے میٹرک 1980 میں فیڈرل پبلک سکول ملتان سے اور گریجویشن 1992 میں کی۔ شاعری کا آغاز 1978 میں کیا ان کی شخصیت کی کئی جہات ہیں وہ شاعر، ادیب محقق ہونے کے ساتھ ساتھ گزشتہ 35 برسوں سے صحافت سے بھی منسلک ہیں اور سربراہ، اے پی پی اردو سروس ملتان، سابق سربراہ شعبہ تحقیق ویب ٹی وی، سابق میگزین ایڈیٹر روزنامہ جنگ ملتان، سابق ڈپٹی نیوز ایڈیٹر روزنامہ جنگ ملتان اور سابق ڈپٹی نیوز ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت بھی ہیں ان کے ادبی اثاثے میں تقریباً سوا درجن کے لگ بھگ کتب ہیں جن میں سے چند ایک کے نام۔ وابستگانِ ملتان، اگ، آدھا سچ، تمہیں دل میں بسانا ہے، جتنا دھڑکتا ہوں تیرے سینے میں۔ ان کے فن اور شخصیت پر زکریا یونیورسٹی ملتان اور خواتین یونیورسٹی ملتان میں تحقیقی مقالے بھی تحریر کئے جاچکے ہیں

رضی الدین رضی ادبی دنیا میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔

ہم ایسے لشکری اس جنگ میں ہتھیار کیوں ڈالیں
کہ ایسا کام تو اپنے سپہ سالار کرتے ہیں

☆ ☆ ☆ ☆

اگر ہر انسان خود کو دوسرے کی جگہ پہ رکھ کر سوچے تو اس سے کبھی بے انصافی نہ ہو ہم سب کا المیہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کو تو الزام دینے میں جلدی کرتے ہیں لیکن اپنا قصور قبول نہیں کرتے یہ ہماری کمزوری ہے یا مجبوری یا خود غرضی یا معاشرے کا جبر لیکن ہم کبھی بھی اس وقت تک معاشرتی رویوں کو تبدیل نہیں کر سکتے جب تک ہم سب اپنے اپنے کردار ادا نہ کریں جو بحیثیت انسان ہم پر واجب ہوتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ حق کی راہ بڑی کٹھن ہوتی ہے اس پر چلنا آسان نہیں لیکن جب لوگ چلتے رہتے ہیں تو کاروان بنتا رہتا ہے تب منزل ملتی ہے ورنہ یہ جذباتی تقریریں ،اصلاحی تحریریں وقتی طور پر واہ واہ تو کرا سکتی ہیں ان سے معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں۔

یا پھر ہم کسی ایک آدمی کے پیچھے لگ جاتے ہیں کبھی اسکی جے جے کار کرتے ہیں اس کو سر پہ بٹھا لیتے ہیں لیکن اس خاکی پتلے سے ذرا سی غلطی ہوا سے زمین پہ دے ماریں گے تعریفوں کے پھول گالیوں کے پتھر بن جاتے ہیں کہ وہ بے چارہ یہ پتھر سہہ سہہ کر یا تو خود بھی پتھر بن جاتا ہے یا آگے چلنے سے توبہ کر لیتا ہے اس لیے ہمیں آج تک اچھی قیادت نصیب نہیں ہوئی کیونکہ ہم کسی کو اچھا رہنے ہی کب دیتے ہیں ذرا سوچیے ایک لڑکی تقریر کر رہی تھی کہ عالی وقار سن سکتے ہو تو سن لو جب کوئی جاگیردار کسی غریب مزارع کی بیٹی کو اٹھا کے لے جاتا ہے تو اس ظلم پہ آسمان بھی روتا ہے لیکن میں اس سے پوچھتی ہوں ظالم جاگیردار کبھی خود لڑکی اٹھانے نہیں جاتا اس کے ساتھ اس کے کارندے ہوتے ہیں یا لڑکی اٹھانے صرف کارندے جاتے ہیں جو ایک جاگیردار کے ایما پر اپنے ہی جیسے کسی غریب کی بیٹی کو اٹھا کے جاگیردار کے عشرت کدے میں پہنچاتے ہیں وہ کارندے تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں وہ اس ظلم سے انکار نہیں کرتے کیوں؟

ایک ظالم چودھری کسی غریب کا شکار پر کتے چھڑوا رہا ہوتا ہے وہ یہ کتے خود نہیں چھوڑتا اس کے پالتو ملازم چھوڑتے ہیں وہ خود بھی غریب ہوتے ہیں تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں وہ چودھری کو اس ظلم سے باز نہیں رکھتے بلکہ قہقہہ لگاتے ہیں کیوں؟

ایک محلے کے اندر ایک جعلی دودھ بنانے والی فیکٹری لگتی ہے محلے کے کچھ لوگ اس میں ملازمت بھی حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنے ہاتھوں سے یہ زہریلا دودھ بناتے ہیں جو قوم کے معصوم بچوں کے حلق سے اتارا جاتا ہے وہ جانتے بھی ہیں اور تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں لیکن وہ اس ایک مالک کو اس گھناؤنے جرم سے باز نہیں رکھتے کیوں؟

ایک ادارے میں کرپشن ہورہی ہے سینکڑوں ملازم دیکھ رہے ہیں یہاں غلط کام ہو رہا ہے لیکن وہ تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود اس جرم کی راہ نہیں روکتے کیوں؟

جعلی اور بوگس ووٹوں کی وجہ سے ایک سچا آدمی اپنی سیٹ سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ ضمانت ضبط کروا بیٹھتا ہے صرف اس لیے کہ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے اس کے پاس غنڈے بدمعاش نہیں ہوتے اور ایک کرپٹ ،لٹیرا ، بدمعاش وہی سیٹ آسانی سے جیت لیتا ہے حلقے کے لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس میں دھاندلی ہوئی ہے خاموش رہتے ہیں سچ کے ساتھ کھڑے نہیں ہوتے کیوں؟

الیکشن کمیشن قوم کے ٹیکسوں پر پلنے والا ایک ادارہ ہے وہ جانتا ہے الیکشن میں کس نے دھاندلی کی کس نے اثاثے چھپائے کون نا جائز دباؤ ڈال رہا ہے وہ یہ سب جان کر بھی اس دھاندلی کا حصہ بن جاتا ہے کیوں؟ عوام کے ووٹوں سے بنی پارلیمنٹ جس میں بیٹھے سب وزیر مشیر ارکان اسمبلی عوام کے خون پسینے کی کمائی پر عیش کر رہے ہوتے ہیں فری بجلی ،فری گیس ،فری گاڑیاں ،فری پیٹرول فری علاج معالجہ ،فری کھابے ،مفت کے فارن ٹور وہ کبھی یہ نہیں دیکھتے کہ حکومت نے ان سے ڈیسک بجوا کے جو بل پاس کروایا ہے وہ ہے کیا کہیں اس میں غریب عوام کو رگڑا تو نہیں لگایا گیا کہیں ملکی سلامتی کو داؤ پر تو نہیں لگایا گیا وہ بل کی کاپی پڑھنے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کرتے کیوں؟

سکولوں میں پڑھانے والے اساتذہ جو خود نان کوالیفائڈ ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہم صرف تنخواہیں وصول کرنے آتے ہیں کیونکہ بچے یا تو ٹیوشن پڑھتے ہیں یا ماں باپ کو سر کھپانا پڑتا ہے ان کا کام صرف ہوم ورک دینا، آئے روز طرح طرح کے فنڈز لینا اور تنخواہ وصولنا ہوتا ہے وہ جانتے ہیں ہم اپنی نئی نسل کو تباہ کر رہے ہیں لیکن وہ اپنی روش نہیں بدلتے کیوں؟

ڈاکٹر کو اپنے پیشے سے عشق ہوتا ہے وہ انسانیت کی خدمت کا درس لے کر اس فیلڈ میں آتا ہے لیکن جب وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ انسانیت کو فائدہ پہنچا سکے وہ اپنا فائدہ سوچنے لگتا ہے اپنا کلینک اپنا ہسپتال کھڑا کرنا لمبی لمبی فیسیں بٹورنا ، گھنٹوں مریضوں کو انتظار کرانا ، ان کی آہوں چیخوں سے سرف نظر کرنا اس کا وطیرہ بن جاتا ہے وہ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ اگر میں ہفتے کا صرف ایک دن غریب مریضوں کے لیے وقف کر دوں ان سے فیس نہ لوں اس کا اجر اللہ دے گا لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیوں؟

ہسپتال مریضوں سے بھرے ہوتے ہیں اس کے مقابلے میں ڈاکٹر کم ہوتے ہیں نائٹ ڈیوٹیوں نے انہیں بے حال کیا ہوتا ہے بڑے ڈاکٹروں کی عدم موجودگی انہیں کنفیوز کر دیتی ہے کئی مریض ان سے سنبھلتے نہیں جن کی جان چلی جاتی ہے لیکن مریضوں کے لواحقین یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس ڈاکٹر کو ان سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی اس ڈاکٹر کا گریبان پکڑ لیتے ہیں اس پر تشدد کرتے ہیں توڑ پھوڑ کرتے ہیں کیوں؟ ایک وکیل یہ جانتا ہے کہ اس کے پاس آنے والا سائل اس کی ذمہ داری ہے وہ اس سے لمبی فیسیں بٹورتا ہے اور لمبی لمبی پیشیاں ڈلواتا ہے وہ جانتا ہے یہ سائل اپنا مال مویشی بیچ کر یا گھر گروی رکھ کر یا سود پے رقم اٹھا کر اس کی فیس بھر رہا ہے لیکن وہ اس پر ترس نہیں کھاتا کیوں؟ ایک جج جو انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے وہ عرش کے سائے میں ہوتا ہے اس پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن وہ کسی صاحب اقتدار کی تڑی پر یا کسی بدمعاش کے خوف سے یا وزنی لفافہ وصول کر کے انصاف کا خون کر دیتا ہے اس کو اللہ کا خوف نہیں آتا کیوں؟ ایک دکاندار یا کاروباری تاجر جو اگر ایماندار ہو تو

اللہ کے نبی کے ساتھ کھڑا ہوگا لیکن وہ جانتے بوجھتے غلط مال بیچتا ہے دو نمبریاں کرتا ہے ٹیکس بچاتا ہے فراڈ کرتا ہے اس کو اپنے مرتبے کا پاس نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے نبی کے ساتھ کس طرح کھڑا ہوگا کیوں؟ معاشرے میں حرام حلال کی تقسیم کے زمہ دار لوگوں کو مری ہوئی مرغیاں، بیمار جانوروں کے گوشت حتی کے کتے اور گدھے تک کھلا رہے ہیں ان کو ان کا ضمیر ملامت نہیں کرتا کیوں؟ ہمارے حکمران جو خدا کا سایہ کہلاتے ہیں ان ساری برائیوں کے ذمہ دار ہیں یہ کوئی جواب نہیں ہے کہ فلاں نے ایسا کیا تو ہم کیوں نہ کریں جو اگر چاہیں تو ہر برائی کو اپنے قلم کی ایک نوک جنبش سے ٹھیک کر سکتے ہیں وہ اپنے عہدے پر ملک وقوم کی بھلائی کا حلف اٹھا کر براجمان ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے ہی بنائے قانون سے کھلواڑ کرتے ہیں عوام کا استحصال کرتے ہیں قومی خزانے کا بے دردی سے استعمال کرتے ہیں اپنی جائدادیں بناتے ہیں قوم کو بھوک ننگ اور قرضوں میں جکڑ دیتے ہیں قوم کی حفاظت کرنے والوں کو صرف اپنی حفاظت پر معمور کر دیتے ہیں جس عوام کی کمائی خرچ کرتے ہیں ان کے قریب جانا گوارہ نہیں کرتے صرف ووٹ مانگتے وقت شکل دکھاتے ہیں ان کو اس فعل پر کوئی شرمندگی نہیں ہوتی کیوں؟ پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی لیکن وہ لوگوں کی چھتیں ٹاپتی چادر اور چاردیواری کا تقدس پامال کرتی نظر آتی ہے جعلی مقابلوں میں لوگوں کو پار کرنا ملزموں کو مجرم بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اپنے اس شرمناک کردار پر انہیں کوئی شرمندگی نہیں ہوتی کیوں؟ ہمارے علمائے دین جن پر امت کی رہنمائی کا فریضہ عائد ہوتا ہے وہ اس کام کو چھوڑ کر صرف پلاٹوں اور پرمٹوں کے پیچھے بھاگتے نظر آتے ہیں اپنے گھر میں ہر وزارت کا مزہ چھکنا چاہتے ہیں جو لفافہ لیکر فتوے بیچتے ہیں جو احترام آدمیت کا درس دینے کی بجائے فساد اور نفرتیں پھیلاتے ہیں جو مسجدوں کو امن کی بجائے سازشوں کا گھوارہ بنا دیتے ہیں جو معصوم بچوں کو اپنے اپنے مسلک کا پیروکار بنا کر دین کو متنازعہ کر دیتے ہیں وہ دین جس کے لیے اللہ کے رسول نے اپنے آخری خطبے میں کہا تھا دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی نہیں بھٹکو گے لیکن وہ بھٹک گئے ہیں کیوں؟ ایک ہمارے قلم کے جادوگر ہیں جن کو اللہ نے قلم کی قسم کھا کر ان کے ہاتھ میں قلم تھمایا ہے وہ آج سب سے زیادہ برائیوں میں لتھڑے ہوئے ہیں عیش وعشرت کے لیے اپنے منصب سے گر گئے ہیں وہ کہتے ہیں اگر کرپٹ سیاستدان ختم ہو گئے تو ہماری روزی روٹی کا کیا ہوگا اگر کوئی ایماندار لیڈر آ گیا تو وہ سب سے پہلے ہمیں جیلوں میں ڈالے گا اپنے قلم سے معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد کرنے والے صرف لفافوں اور پلازوں میں بٹ گئے ہیں کیوں؟ جب میں ان سب سے مایوس ہوتی ہوں تب مجھے صرف ایک ہی ادارہ باقی بچا نظر آتا ہے وہ ہے پاک فوج، جس کی کوئی ذات نہیں ،جس کا کوئی مسلک نہیں ، جو اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جانیں قربان کرتی ہے جو اپنی تنخواہ بڑھانے کے لیے کبھی سڑکوں پہ نہیں آتے ، جو ہر لمحہ ملک وقوم کی حفاظت کے لیے چوکس رہتے ہیں جو اپنی قوت، اپنی استعداد یہ سوچ کر بڑھاتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں نہ کہ تنخواہ بڑھائیں جو ملک اور ملک سے باہر اپنے وطن کے سفیر ہوتے ہیں جن کے سینے پر صرف ان کا نام لکھا ہوتا ہے عہدہ نہیں وہ سپاہی مقبول حسین ہو یا آرمی چیف راحیل شریف جو پاکستان زندہ باد کہنے کے لیے جان لٹا دیتے ہیں اور مردہ باد نہ کہنے کے لیے زبان کٹوا دیتے ہیں!

☆......☆......☆......☆

سندیسے

امائیہ سردار خان
مدیرہ

السلام علیکم !

خوشبو جیسے ہی ملا، پڑھ ڈالا ہر تحریر معیاری اور اعلیٰ تھی عقیدہ کہانی پڑھ کر لوگوں کی سوچ پر افسوس ہوا، مون کنول اور شازیہ کریم نے بہت خوبصورت انداز میں محرم الحرام کی اہمیت کو قلم زد کیا اللہ اور بندے کا تعلق ایک یادگار تحریر رہی .. بھوک اور سانولی معاشرے کی موجودہ المیہ کی نشاندہی کرتی تحریریں تھیں۔ حیا کی سزا، بلا عنوان، غلطی اور ٹوٹی چوڑیاں پڑھ کر دل کانپ اٹھا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے ۔ کشمیر پہ لکھی شاندار تحریر بلاشبہ وادی کے دل و دیوار سوگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اک سفر سہانا بالکل پسند نہیں آئی .. عورت کا گھر، کونسا پردیسی نہ آئے، سوہنی دھرتی اور درد اچھی کہانیاں تھیں نجمہ شاہین کے بارے میں جان کر اچھا لگا .. دھبہ، پریسا، بھرم اور ہاتھ میرے خالی ہیں بہت زیادہ خوبصورت کہانیاں تھیں .. یادیں اچھا تبصرہ تھا شاعری تمام تر اچھی اور معیاری تھی۔ بالوں کے بارے میں پڑھا مگر ہمارے بال خوبصورت تو پہلے ہی ہیں کوشش کی دریا کو کوزے میں بند کر کے تبصرہ لکھوں۔ جازت دیجیے فی امان اللہ...... فاطمہ عبدالخالق

مدیرہ...... فاطمہ عبدالخالق آپ کا انداز بیاں پسند آیا انشاءاللہ آپ کے محبتوں بھرے پیغام سب لکھنے والوں تک پہنچ گئے ہیں لکھتی رہا کریں۔

آداب وتسلیمات!

سب سے پہلے میں خوشبو ڈائجسٹ کے منظرِ عام پر آنے پر ان کی ٹیم اور ان کے رائٹرز کو مبارکباد پیش کرتا ہوں . اگلے شمارے کے ٹائٹل کو مزید پرکشش بنایا جائے . کچھ سلسلے اور متعارف کروائے جائیں . مارکیٹ میں اسے جلد از جلد لایا جائے . شازیہ کریم کی تحریر "اللہ اور بندے کا تعلق "بہت اچھی لگی . امرینہ سہیل کو ان کی سو لفظی کہانی "بھوک "کے لیے ڈھیروں داد . سحرش علی نقوی کی تحریر میں معاشرے کی حقیقت بیان کی گئی ہے . لوگ صورت دیکھتے ہیں سیرت نہیں . ان کی تحریر بہت اچھی تھی . شمائلہ زاہد کی تحریر خوب تھی . عریشہ سہیل نے کشمیر پر بہت اچھی تحریر لکھی . فاطمہ عبدالخالق کی تحریر ہمیشہ ہی بہترین ہوتی ہے۔ کبریٰ نوید کی تحریر زبردست تھی" . پردیسی نہ آئے" تحریر کے لیے کبریٰ نوید کو میری طرف سے بہت بہت داد . بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خضر حیات مون کی تحریر ڈاکٹر نجمہ کے متعلق زبردست تھی . سحرش رانی کی سو لفظی کہانی بہت پسند آئی . ریما نور رضوان کی تحریر "محبت ہوئی مہربان "زبردست تھی . سعادت حسن منٹو کی تحریر "طلاق "عمدہ انتخاب تھا . زویا حسن کی تحریر خوب تھی۔ آبرو نبیلہ اقبال کی شاعری بہت اچھی تھی . مزید کوشش کر کے آپ اپنی شاعری میں کافی حد تک نکھار پیدا کر سکتی ہیں . کبریٰ نوید کی شاعری بھی قابل تعریف ہے . محمد مبشر میو سیالکوٹی کی شاعری بہت عمدہ ہے . ان صاحب کو میری طرف سے خوب داد۔ امجد اسلام امجد اور پروین شاکر کی شاعری کا انتخاب زبردست تھا . ملائکہ خاں، پارس میمن، فرح بھٹو، فاخرہ انجم، شمامہ افق اور انعم ریاض کی شاعری قابل تعریف ہے .

حادیہ چوہدری کا کام بہت پسند آیا ۔ہما طاہر، اشک، گل رانا، نائمہ غزل، اقصیٰ سحر، اروشا خاں، آمنہ ولید، عشوارانا، ثمینہ سید، فوزیہ احسان، ثمینہ کنول، سمیرا ستار اور عابدہ سبین آپ بھی محنت جاری رکھیں ۔ آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے ۔ آخر میں میری ایک چھوٹی سی ریکویسٹ ہے کہ اگلے شمارے میں بہاولپور کے معروف شاعر استاد اظہر فراغ صاحب کی کسی ایک غزل کو شمارے کی زینت بنایا جائے ۔میری شاعری پر بھی ضرور تبصرہ کیجیے گا ۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا ۔

اسامہ زاہروی ڈسکہ سیالکوٹ

مدیرہ......خوشبو ڈائجسٹ میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں

السلام علیکم !سب سے پہلے میں خوشبو ڈائجسٹ کو اس کے پہلے شمارے پہ مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔انتظار تھوڑا طویل ہو گیا تھا مگر آج بالآخر ختم ہو ہی گیا ۔خوشبو کا پہلا قدم آج ادب کی دنیا میں پڑ ہی گیا ۔بہت خوشی ہوئی ۔عریشہ سہیل نے لنک سینڈ کیا تو میں نے فوراً ہی ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھنا شروع کر دیا ۔سب سے اچھی چیز جو مجھے لگی وہ تھی کمپوزنگ اور بیک گراؤنڈ کلر ۔بہت اچھا کام کیا گیا ۔فاطمہ عبدالخالق کی تحریر بہت خوبصورت تھی ۔عظمی علی صاحبہ نے بھی خوب رنگ جمایا ۔عریشہ سہیل نے کشمیر پہ اچھی قلم نگاری کی ۔خضر صاحب نے بھی خوبصورت الفاظ سے بہترین آغاز کیا ۔فوضیہ احسن رانا صاحبہ نے بھی اپنی تحریر سے دل جیت لیا ۔ زویا حسن نے بھی اچھی تربیت دی ۔

شاعری میں عریشہ سہیل، شہباز اکبر، آسیہ مظہر اور اقرا عابد نے خوب شاعری کی ۔قارئین اور لکھاریوں کے لیے نیک خواہشات ۔

سلمان بشیر

مدیرہ......خوشبو ڈائجسٹ میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں

اسلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ جیسے ہی ڈاؤنلوڈ کیا ایک سرسری سا جائزہ لینے کا ارادہ تھا کہ فرصت میں ضرور پڑھوں گی لیکن جیسے ہی ڈائجسٹ دیکھا بہت اچھا لگا جس کی پہلی وجہ بہت خوبصورت ڈیزائننگ تھی ۔اب آتی ہوں ذرا شاعری اور تحریروں کی طرف ۔ تو جناب سب سے پہلے شمائلہ زاہد کی تحریر حیا کی سزا پڑھی اور معاشرے کے اِس بھیانک روپ پہ بہت دل خفا ہوا ۔حیا کی ایسی بھیانک سزا کہاں کا انصاف ہے ۔

معزرت کے ساتھ بھرم کا ٹائٹل) تصویر (بالکل پسند نہیں آیا ۔

سحرش علی نقوی اور ریما نور رضوان کی تحاریر بھی اچھی لگیں ۔سحرش رانی آپ کی مختصر سی تحریر سونی دھرتی نے دل جیت لیا، مختصر تحریر خوبصورت پیغام ۔

اقصی سحر اور کبری نوید کی تحاریر پڑھتے ہی آنکھیں بھیگ گئیں بہت اچھی تحاریر اور اچھا پیغام اگر کوئی سمجھے تو ۔خدارا اپنے ماں باپ کی قدر کریں ان کے لیے باعثِ فخر بنیں ۔بچپن میں وہ آپ کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں تو ان کہ بڑھاپے میں اب آپ کی باری ہے کہ ان کی خواہشات کا خیال رکھیں اور یہ بات بھی ہم سے پنہاں نہیں کہ ان کی ہر خواہش بھی ہماری ہر خوشی سے وابستہ ہے ۔ اپنے والدین کو وقت دیں ۔ زندگی کی دوڑ دھوپ میں اتنا مصروف نہ ہوں کہ سوائے پچھتاوں کے کچھ کما نہ سکیں ۔ چونکہ اقصی سحر اور کبری نوید کی تحاریر میں ماں کے بارے میں بتایا گیا تو ماں کے لیے ایک شعر عرض کروں گی جو کہ مجھے بہت پسند ہے

یہ ایسا قرض ہے جو میں ادا کر ہی نہیں سکتی
میں جب تک گھر نہ پہنچوں ماں میری سجدے میں رہتی ہے

اب آتی ہوں شاعری کی طرف ۔

سب سے پہلے اپنی شاعری دیکھی۔ ایڈیٹنگ کی کچھ غلطیاں تھی لیکن پھر بھی بری نہیں لگیں کیونکہ ڈائجسٹ کی محنت اور خوبصورت ایڈیٹنگ کے بعد شکوہ کرنا انصاف نہیں تھا۔ خیر اروشا دیا جیم اسامہ زاہروی سیدہ عروج فاطمہ اور کبری نوید کے اشعار پسند آئے۔ طفیل بھٹی اور نائمہ غزل کی شاعری بہت پسند آئی۔

دعا ہے کہ اللہ پاک آپ خوشبو ڈائجسٹ ٹیم کو اور تمام قارئین کو کامیابیاں اور کامرانیاں نصیب عطا فرمائے۔ آمین

جزاک اللہ منجانب: آبروٗ نبیلہ اقبال

مدیرہ......خوشبو ڈائجسٹ میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں

السلام علیکم

تبصرہ

پردیسی نہ آئے از قلم کبری نوید

میں نے پہلی دفعہ آپ کی کوئی تحریر پڑھی ہے اور آپ کے انداز تحریر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ یوں تو اس موضوع پہ بہت سے لکھاری قلم اٹھا چکے ہیں لیکن آپ نے ماں کے مقام کو جس منفرد انداز سے بیان کیا ہے اس پہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ کی کہانی سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی خواہشات پسِ پشت ڈال کر والدین کی خواہشات اور خوشیوں کو ترجیح دینی چاہئیے ورنہ پچھتاوا ہی ہمارا مقدر بنتا ہے۔ اس سے بڑی بد قسمتی انسان کی کیا ہوگی کہ اس کے دیے ہوئے دکھ کی وجہ سے اس کی ماں دنیا سے چلی جائے۔

اللہ تعالی ہم سب کو ہمارے والدین کا فرمانبردار اور ان کی قدر کرنے والا بنائے۔ آمین

عریشہ سہیل

مدیرہ......خوشبو ڈائجسٹ میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں

سانس کی بیماری کے لئے......

ایک چھوٹی پیاز کا رس اور بڑی الائچی کو توے پر بھون کر اس کے دانے نہار منہ کھالیں، سانس کی بیماری کے لئے انتہائی مفید ہے!

KFOODS by Zubaida Tariq

گردے کی پتھری کا گھریلو علاج!

ہرا دھنیا کی تازہ گڈی کو اسکی ڈنڈی سمیت گرائنڈر میں اچھی طرح پیس لیں،
پھر اس کو چھان کر کسی بوتل میں محفوظ کرلیں،
پانی اتنا ملائیں کہ چھاننے کے بعد ایک گلاس بھر جائے!
ہر صبح ایک گلاس نہار منہ پی لیں!
انشاء اللہ 15 سے 20 دن میں وہ پتھری ٹوٹ کر نکل جائے گی!

KFOODS

مجھ سے ہوتا ہی نہیں ترک شوق سفر

سو میں کرتی ہی نہیں دل کو جنوں سے خالی

معروف شاعرہ پروفیسر راشدہ ماہین کا خوبصورت سفرنامہ جوان کے ہندوستان کے سفر اور لکھنو مشاعرے میں شرکت کی دلچسپ داستاں ہے جس میں جا بجا ان کی غزلوں نے خوب رونق لگائی ہوئی ہے میرو غالب کے شہر میں جا کر وہ خود کو اسی دور میں محسوس کرتی رہیں اور اس حوالے سے کچھ تاریخی واقعات کا ذکر بھی سفرنامہ میں موجود ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ...... قاری بھی خود کو گویا ساتھ ساتھ سفر میں محسوس کرتا ہے کہ وہی کیفیات اس پہ بھی طاری ہوتی جاتی ہیں جو راشدہ نے وہاں لحہ بہ لحہ محسوس کیا اور پھر ان محسوسات کو اپنے خوبصورت الفاظ کے قالب میں ڈھال کے ہمارے حوالے کیا کہ ہم ان خوبصورت واقعات، مناظر، کیفیات کو پڑھتے ہوئے محسوس کر سکتے ہیں

راشدہ ماہین کے سفرنامے سے کچھ اقتباسات

میں انڈیا کے بارے میں فلمیں دیکھ دیکھ کر ایک ذہن بنائے ہوئے تھی کہ وہاں ہر طرف کترینہ کیف، کرینہ کپور سی الہڑ ماڈرن سی لڑکیاں اور سلمان خان، عامر خان اور شاہ رخ نظر آئیں گے ...... مگر یہاں ایسا کچھ بھی نہ تھا...... ہر طرف سانولے سانولے لوگ تھے...... پلیٹ فارم پر کمزور و ناتواں لوگوں کا بے پناہ روش تھا جن میں عورتیں بھی شامل تھیں ...... بے شمار لوگوں کو برے حالوں میں بیٹھا ہوا دیکھا...... امرتسر اسٹیشن کی حالت دگرگوں تھی

فرغانہ کے مغل فرماں روا ظہیرالدین بابر نے اپنی طاقت کے بل پر ہندوستان فتح کیا..........اور اس کی اولاد نے تین سو سال سے زیادہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے بعد ایک

عظیم سلطنت نااہلی اور عیاشیوں کی نذر کر دی

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا کہ

آ تجھ کو بتاں میں تقدیر امم کیا ہے..........؟

شمشیر سناں اول طاؤس و رباب آخر۔

ابھی ہم مغلوں کو پرشکوہ عظمت رفتہ کی یادگار لال قلعہ دہلی میں ہی تھے .... کہ آنا "فانا" تیز آندھی چلی..........
اور بارش کے تیز چھینٹے پڑنے لگے ....بہت گرمی تھی..........بارش سے موسم خوشگوار ہو گیا.....لال قلعہ کے سرخ پتھر بارش سے دھل کر چمکنے لگے.........یہ دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی..........
کہ ہندوستان میں اب بھی مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یادگاریں چمک دمک رہی ہیں
"جب میں لکھن کی فضا میں تقریبا "بیس ھزار سامعین کے سامنے غزل سرا تھی .... تو میں سوچ رہی تھی.. کہ اسی فضا میں...میر...........غالب.......ناسخ ....آتش نے اشعار پڑھے ھوں گے ......اور امیر مینائی نے اپنا یہ مشہور زمانہ شعر پڑھا ہوگا۔

قریب ہے یار روز محشر
چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر
لہو پکارے گا آستیں کا

اس شعر کو جسٹس محمود سر سید کے فرزند نے اپنے ایک فیصلہ میں بطور سند لکھا تھا حوالہ تاریخ ادب اردو صفحہ تین صد چونسٹھ مصنف رام بابو سکسینہ مطبع منشی نولکشور لکھن
"جب میں پانچ بجے شام لکھن سے دلی جانے والی ٹرین میں سوار ہوئی تو مجھے نواب واجد علی شاہ متخلص بہ اختر کی بحیثیت پابجولاں قیدی کلکتہ روانگی کی یاد آئی کہ بے ساختہ مجھے ان کا یہ شعر آ گیا جو انہوں نے لکھن سے رخصت ھونے پر کہا تھا"

در و دیوار پہ
حسرت کی نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

"دلی سے لکھن جاتے ھوئے صدائے میر کی بازگشت سنائی دیتی رہی اور میں حیرت کدے میں غوطہ زن رہی

کنج حیرت سے چلے دشت زیاں تک لائے
کون لاسکتا ہے ہم دل کو جہاں تک لائے

"جب سائکل رکشہ پر سوار ہوئی اور رکشہ دلی کی سڑک پر رواں دواں ھوا............ تو مجھے غالب کا عہد یاد آیا..........جب انہی راستوں پر غالب تام جھام اور ھوادار میں بیٹھ کر لال قلعہ جاتا ھوگا یہ خیال آیا تو مجھے ان کا یہ شعر یاد آ گیا

زنار باندھ سبحہ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ھے راہ کو ہموار دیکھ کر

تام جھام اور ھوادار , پالکی جیسی اوپر سے کھلی سواری تھی جسے چار کہار اٹھا کر چلتے تھے میں سوچ رہی تھی کہ نہ جانے وہ کون سی جگہ ہوگی جہاں لکھنو میں میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کی ادبی معرکہ آرائیاں ہوئی ہوں گی اور یہیں اسی لکھنو میں سید انشاء اللہ خان

انشاء اور شیخ غلام ہمدانی کا بھی ادبی اکھاڑا آباد ہوتا ہوگا

موجودہ مقامی حکومت نے لکھنو کی ترقی اور خوش حالی کو بحال کیا ہے اور اب لکھنو اور اس کے مضافات کو شمالی ہند کا خوبصورت ترین شہر سمجھا جاتا ہے اور ثقافت کا مرکز ہونے کی وجہ سے یہ شہر دبستان دہلی کا حریف ہے اردو کے نام ور شاعر میر تقی میر کی آخری آرام گاہ یہیں ہے...... علم وفضل کا مرکز ہے اور تعلیم نسواں کے لیئے یہاں غیر معمولی سہولتیں موجود ہیں اور آج میں نے شاعری کا وہ جہان دیکھ لیا جسے میر تقی میر، غالب، ناسخ اور جانے کتنے شعرا دیکھ چکے تھے لکھنو سرزمین شعرا ہے اور آج

شعر پر میرے گلے میں پھولوں کا مہکتا ہوا ہر ڈالا جاتا۔ جب میں نے کتابچہ اٹھایا اور ورق گردانی کرنے لگی تو موبائل بک شاپ والا بولا، آخری نسخہ رہ گیا ہے حضرت داغ دہلوی کے متعلق معلومات کا خزانہ ہے، لیکن صرف باذوق خواتین وحضرات کے لیے لفظ باذوق پہ میرے کان کھڑے ہو گئے اور میں اس کی جانب دیکھ کر بولی اور، بے ذوق لوگوں کے لیئے اس کی کیا اہمیت ہے، تو اس نے دلی کی ٹکسالی اردو زبان میں کیا خوب جواب دیا ......وہ بولا، بے ذوق اٹھا کر اس کی ورق گردانی نہیں کرتے

سچ ہے اپنا وطن اپنا ہی ہوتا ہے...... نہ کوئی ڈر نہ، نہ ہی کسی قسم کا

میرے شعر بھی اسی فضا میں بکھر رہے تھے

جمیل اصغر نے تازہ غزل سنائی

اپنی ہی خطاں کا جب خیال ہوتا ہے
اپنے کو ہی اپنے پر خود ملال ہوتا ہے
ہر گناہ پھل بن کر ڈھل رہا ہے سینے میں
اہل دل کی بستی میں یہ کمال ہوتا ہے

یہاں مجھے داد دینے کا ایک نیا اور منفرد انداز نظر آیا کہ جب بھی میرا شعر پسند کیا جاتا تو داد وتحسین کے علاوہ ہر پسندیدہ

خوف،...... حالانکہ ہندوستان میں مجھے بہت عزت واحترام ملا ...... مگر اپنا تو اپنا ہی ہوتا ہے نا۔۔۔!

جو سکھ چوبارے نہ بلخ نہ بخارے

ان کے سفرنامے سے کچھ شعری انتخاب

بات کرتی ہوں مگر بات کہاں ہوتی ہے
وہ نہ چاہیں تو بھلا نعت کہاں ہوتی ہے
بات کرتی ہوں مگر بات کہاں ہوتی ہے
وہ نہ چاہیں تو بھلا نعت کہاں ہوتی ہے

بارش نور محمد میں نہائی ہوئی ہوں
مجھ کو معلوم نہیں رات کہاں ہوتی ہے

اتنا کچھ باغ میں تصویر کیا ہے پھولوں نے
جو بھی آیا اسے تصویر کیا پھولوں نے
مری ہر سانس میں رکھا گیا جادو اس کا
پھر بھی روشن نہیں ہوتا کوئی پہلو اس کا
پہلے تو سب پہ خامشی طاری کروں گی میں
پھر اس کے بعد بات تمہاری کروں گی میں

منظر میں رنگ بھر کے وہ تتلی چلی گئی
آنکھوں سے یوں گزر کے وہ تتلی چلی گئی

صاحب میں ترے ناز اٹھانے نہیں آئی
بس دیکھنے آئی ھوں منانے نہیں آئی
آئی ہوں ترے شہر کی گلیوں میں بھٹکنے
لیکن کوئی آواز لگانے نہیں آئی

نکلی ھوں کہ کچھ دشت نوردی کی ہوا لوں
میں عشق کی بارش میں نہانے نہیں آئی

راشدہ ماہین ملک کے اس سفرنامے بارے حسام حر صاحب لکھتے ہیں، رب کائنات کی کی شکر گزاری، انسان کی بندگی محنت، بے بسی لاچاری، شاعروں کے قصے، مغلیہ سلطنت کے حصے بخروں کی داستانیں عیش کی رنگین کہانیاں، شہزادیوں کی سسکتی جوانیاں، لطف وکرم کی بارشیں، محلات میں پلتی سازشیں، تنہائی میں ڈستی راتیں، تاریخی مغالطے اختلافی باتیں یہ سب مل کر اس مختصر سے سفرنامے کو بہت دقیق اور قابل مطالعہ بنا دیتے ہیں

راشدہ ماہین ملک کا یہ سفرنامہ اردو ادب میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے اس سفرنامے میں انہوں نے اردو ادب کے مشاہیر

بارے بہترین معلومات پیش کی ہیں جس سے نئے لکھاری جوان مشاہیر بارے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے معلومات کا بیش بہا خزانہ موجود ہے۔ دعا ہے کہ راشدہ کامیابیوں کے یہ سفر یونہی طے کرتی رہیں اور شعر و ادب کے خزینے میں اضافہ ہوتا رہے آمین۔۔۔

☆......☆......☆......☆......☆

" کبھی کبھی انسان بنا سوچے سمجھے کوئی نیکی کر دیتا ہے اور خود ہی اسے بھول جاتا ہے مگر خدا کبھی نہیں بھولتا وہ تو انسان کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے اور پھر اس عمل کو کبھی جزا اور کبھی سزا کی صورت میں انسان کی طرف واپس لوٹاتا ہے" دنیا میں انسان کی زندگی اچھے و برے اعمال کا تانہ بانہ ہے ایک انسان جہان بہت سے اچھے اعمال کرتا ہے وہاں اس سے جانے ان جانے میں بہت سے برے اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں

قیصرہ حیات کے ناول " کہیں دیپ جلے کہیں دل " میں بھی اعمال کے اسی فلسفے کو فوکس کیا گیا ہے

دنیا مکافات عمل ہے انسان کا ہر بڑا اور چھوٹا عمل اسکے لیئے جزا یا سزا بن کر اسکے سامنے ضرور آتا ہے

جو لوگ دنیا میں جتنی زیادہ تکالیف ایمان و صبر کیساتھ برداشت کرتے ہیں قدرت انکے درجات اتنے ہی بلند کرتی ہے

اور جو لوگ دوسرون کے لیئے جتنی اذیت و تکالیف کا باعث بنتے ہیں وہ کسی نہ کسی ان دیکھی آگ میں جلتے رہتے ہیں

لوگ ظلم کرتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں اور انکی اوقات ان پر تب کھلتی ہے جب وہ اپنے رب کی پکڑ میں آتے ہیں بہت زبردست تھیم، پلاٹ، کرداروں منظر نگاری و مکالمہ نگاری کیساتھ ایک بہت ہی سبق آموز تحریر۔۔۔۔

" بھلا ڈھانچے ایک جیسے بنانے سے سب انسان کیسے ایک جیسے ہو گئے سبکی عقلیں اور شکلیں اس نے مختلف بنائی ہیں

تو پھر کسی کو فرمانبردار اور کسی کو نافرمان کسی کو ایماندار اور کسی کو بے ایمان بنایا ہے یہ تو سب دنیا داری کی باتیں ہیں اگر وہ سب کو امیر بنا دیتا تو غریبوں کے دکھ کون سمجھتا سبکو خوبصورت بنا دیتا تو خوبصورتی کی قدر کرنے والا کون ہوتا؟

بیٹا وہ بادشاہ جو اتنی بڑی دنیا کا کارخانہ چلا رہا ہے اسکی عقل ہم سب سے بڑھ کر ہے اور ویسے بھی اسے ہمارے کپڑوں حلیوں اور شکلوں کی پرواہ نہیں اسے تو ہمارے دل چاہئیں پاک صاف دھلے ہوئے ایمان کی دولت سے بھرے ہوئے دل"

خدیجہ بیگم اور شمیلہ کے کرداروں کے ذریعہ مصنفہ نے یہ میسج بہت خوبصورتی سے اپنے قارئین تک پہنچایا ہے

ایک گھر کو بسانے اور اجاڑنے میں عورت کا کردار سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے اپنی محبتوں اور قربانیوں سے وہ ایک مکان کو گھر بھی بنا سکتی ہے اور اپنے حسد اور کم عقلی کی وجہ سیاپنے ساتھ ساتھ ایک ہنستے بستے خوشحال گھرانے کا تنکا تنکا بکھیر سکتی ہے

" انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لاتے ہیں

اور نیک عمل کرتے ہیں ایمان اور نیک عمل جب یکجا ہوتے ہیں تو دنیا مین ایسے لوگون کے لیئے دیپ ہی جلتے ہیں اور جو ایسے لوگون کی ناقدری کرتے ہیں انکے دل ہمیشہ جلتے رہتے ہیں

" کچھ لوگ ہوتے ہیں جو سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں جنکو اللہ سچا اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے لیکن وہ اس سے نظریں چرا لیتے ہیں سچ ہے محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اسکو سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑتی اور اسکی آنکھیں تب کھلتی ہیں جب وہ کسی بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے۔

لیکن کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ٹھوکر کھا کر سنبھلتے ہیں جو سچے دل سے توبہ کر کے اپنے ایک اچھے عمل سے انسانیت کی معراج کو پا لیتے ہیں اور اپنے رب کے حضور سرخرو ہو جاتے ہیں

اس ناول میں اعمال کے فلسفے کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے بہت ہی زبردست ہلکی پھلکی بے ساختہ انداز مین لکھی گئی تحریر مصنفہ نے تمام کرداروں کو بہت خوبصورتی سے نبھایا اور ہر کردار کے ذریعے کوئی نا کوئی میسج دیا گیا ہے

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ آمین

☆......☆......☆......☆

(تبصرے کیلیئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے)

ادارہ

☆......☆......☆

تنزیلہ ریاض کا زیرِ تبصرہ ناول عہدِ الست مصنفہ کا پہلا طویل اور شاہکار ناول ہے...

عہد الست اپنے منفرد نام کی طرح منفرد اور عمدہ ناول ہے۔ وطن کی محبت سے لبریز، ایمان کو تازہ کرتا ناول عہد الست ... وہ عہد جو ہمارے رب نے ہم سے لیا رب کی ربوبیت کے اقرار کا عہد... یہ عہد اللہ نے ہمیں ودیعت کر کے ہماری فطرت میں رکھ دیا اور انسان اپنی دینِ فطرت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔

زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پہ اپنے اصل کی طرف ضرور لوٹتا ہے چاہے شیطان جتنا بھی زور لگا لے بندے کو اپنے رب سے جدا نہیں کر سکتا"... عہد الست محبت کی نمائندگی کرتا ناول، وہ محبت جو اللہ کو اپنے بندے سے، بندے کو اپنے رب اور دینِ اسلام سے، ماں کو اپنے بچے سے، انسان کی اپنی ذات سے، ایک انسان کی دوسرے انسان سے اور ایک محبّ الوطن پاکستانی کی سبز خطے سے محبت کی کہانی ہے" یہ عہد الست کی کہانی ہے ...

" عہد الست کا مطلب کیا

'لا الہ الا اللہ ..... اور پاکستان کا مطلب کیا 'لا الہ الا اللہ"

کردار نگاری بامِ عروج پہ رہی "... نور محمد "انتہائی معصوم، ذہین اور ہیرا بیٹا جو قسمت والوں کو ملتا ہے لیکن والد کی بیجا سختی، بے اعتباری نے اس بچے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا

جہاں پھر ماں باپ کی رسائی ممکن نہ ہوسکی ...

"شہروز " شہرت کے حصول کے لیے اپنی شناخت مذہب اور اپنے وطن کے معتبر حوالے کی بھی پرواہ نہ کرنے والا کردار ... لیکن احساس ہونے پہ شہروز بڑی خوبصورتی سے طے کرتا ہے گمراہی سے ہدایت کی طرف سفر .... کیونکہ مذہب اس وطن کا حوالہ ہے اور یہ وطن آپ کا حوالہ ہے

. آپ کسی ایک چیز کو بھی دوسری سے جدا نہیں کرسکتے " .... عمر " شہروز کا بہترین دوست جو نور محمد کی بہن امائمہ کا شوہر بھی ہے ... ایک اچھا ، حساس انسان اور شوہر... حق اور سچ کا ساتھ دینے والا ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والا انسان ...

"سلمان حیدر " اپنے ضمیر کی آواز سننے والا محب الوطن صحافی ...

"بل گرانٹ " نے اکملیت کی تلاش میں سرگرداں بل گرانٹ سے نور محمد کا لازال سفر زینہ بہ زینہ طے کیا اور آخر کار ان تھکن منازل طے کرتا اکملیت تک پہنچ گیا جو صرف دینِ اسلام میں ہے کیونکہ ہماری فطرت اور روح اس وقت تک مضطرب رہتی ہے جب تک ہم غیر فطری ذرائع سے تسکین حاصل کرتے ہلکان رہتے ہیں لیکن سکون راحت اور دل کا قرار اپنے عہد کی طرف لوٹنے میں ہے ، عہدالست روح کی تسکین کا سفر ہے ....

تہہ در تہہ خوب صورتی سے لپٹی کہانی ایک ایک پرت کر کے کھلتی چلی جاتی ہے...

" عہدالست " پاکستان کی ہر ماں کو پڑھنا چاہیے...

"ماں مجسم عہدالست ہے"

وہ مجسم دس ہے یعنی اگر وہ دین)اکائی (و دنیا) صفر (کے متوازن رستے پر ہے تو ہی اس کا بچہ "بہترین " ہے
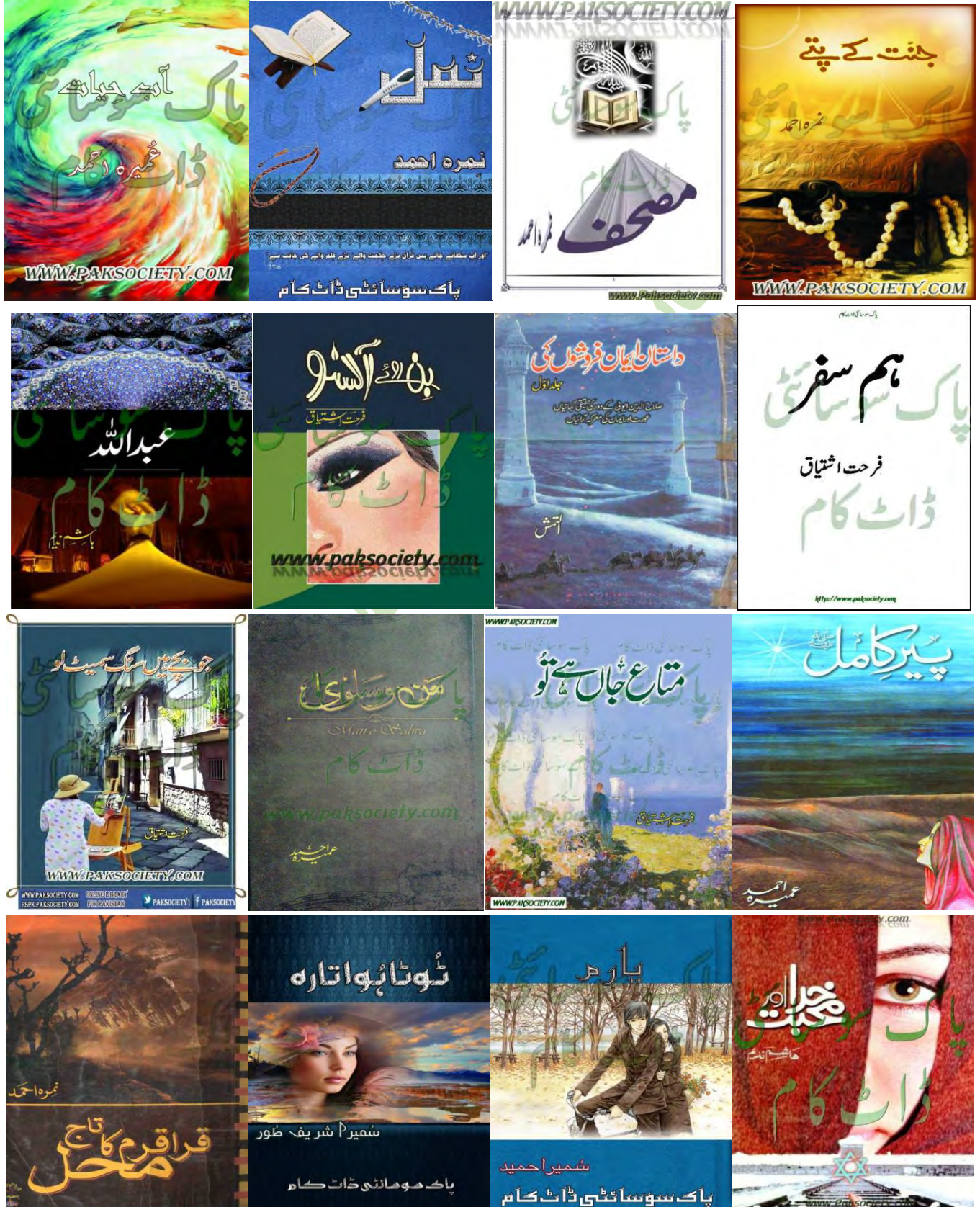
عورت کمزور ہوسکتی ہے لیکن ماں تو مضبوط ہوتی ہے....

ناول کے اختتام ایک نئے رخ اور تاثر کے ساتھ ساتھ فکر کا پہلو بھی پیدا کرتا ہے

بل گرانٹ یعنی نور محمد نے کانفرنس کے ذریعے ن ءسوچ اور عزم پیدا کرتا ہے اور 14 اگست پہ بچوں کا ڈرامہ جذبہِ ایمانی اور جذبہِ حب الوطنی کو اجاگر کرتا ناول کی جان تھا...

ناول کا اختتام ان سنہری حروف سے ہوتا ہے....

"اے گوشت کے لوتھڑے

خاک و آب کے امتزاج تو مجھے بتا

کیا واقعی انسان ایک حقیقت ہے؟..."

کہانی کی بنت بے مثال اور اندازِ تحریر کمال کہیں کوئی جھول نظر نہیں آیا ، قاری کہانی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور دلچسپی کا یہ عالم کہ طبیعت پر کہیں بار محسوس نہیں کرتا۔

کہانی پہ مضبوط گرفت قاری کو باندھ کے رکھتی ہے

اس ناول کا ایک ایک لفظ انمول موتی سے کم نہیں ... ان موتیوں کی چمک دمک صدیوں تک قائم رہنے والی ہے...

اور یہ شاہکار ناول پاکستان کی آنے والی نسل کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کرے گا.. ان شاءاللہ

☆......☆......☆......☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

روحانی خوشبو !!!!

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص 80 مرتبہ یہ درود پڑھے اُسکے 80 سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے (درۃ الاصول)

موجودہ دور کا سب سے بڑا مسلہ روزگار ہے روزگار کا نا ملنا یا روزی میں برکت نا ہونا ہر گھر کا مسلہ ہے لہذا آج روحانی خوشبو میں بہترین روزگار اور رزق میں برکت کے کچھ مستند اور مختصر وظائف بتایں جا رہے ہیں جنکو پابندی سے پڑھنا نہایت آسان ہے نماز کی پابندی اور صدق دل سے کسی ایک وظیفے پر بھی عمل کر سکتے ہیں ...

وظائف درج ذیل ہیں.

*ہر نماز کے بعد 20 بار سورہ اخلاص

*ہر نماز کے بعد 100 بار 'یا لطیف' اور 100 بار درود شریف

*نماز فجر کے بعد 300 بار 'بسم اللہ' شریف اور 300 بار درود پاک

*فجر کی نماز کے بعد گھر کے چاروں کونوں پر دس بار "یارزاق" پڑھ کر دم کریں .

180 *بار یا سمیع ہر نماز کے بعد

*جب بھی گھر میں داخل ہوں سیدھا قدم رکھ کر بسم اللہ پڑھ کر داخل ہوں . گھر والوں کو سلام کریں ایک بار درود شریف ایک بار سورہ اخلاص پڑھ لیا کریں۔ غیب سے روزی نصیب ہوگی . . .

WORLD RECORD

دنیا کے سب سے چھوٹے جوڑے نے شادی رچالی، ورلڈ ریکارڈ بناڈالا

برازیلیا) مانیٹرنگ ڈیسک (دنیا میں ہر روز لاکھوں شادیاں تو ہوتی ہیں لیکن کوئی ورلڈ ریکارڈ کا حصہ نہیں بنتی تاہم برازیل کے پالو گیبریل دا سلوا بیروس اور کیٹیوشیا لائی ہوشینو نے ایک دوسرے کا ہم سفر بننے کے ساتھ ہی گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اپنا نام بھی درج کروالیا ہے۔

اس جوڑے کے پاس اب دنیا کا سب سے چھوٹا جوڑا ہونے کا ریکارڈ ہے کیونکہ دونوں کا مشترکہ قد صرف 71.2 انچ بنتا ہے۔ یہ جوڑا 10 سال قبل ایک دوسرے کے ساتھ ملا اور اس تمام عرصے میں عام جوڑوں کی طرح ان کی زندگیوں میں بھی بے شمار اتار چڑھا آئے۔ کیٹیوشیا نے غیر ملکی خبر رساں ادارے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ابتدامیں جب میں نے پالو سے بات کرنا شروع کی تو وہ واقعی بہت گھبرایا ہوا تھا اور اس کے پاس بولنے کیلئے بہت ہی گھٹیا الفاظ تھے۔ دوسری جانب پالو کا کہنا ہے کہ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں عشق بازی کر رہا ہوں لیکن میں تو صرف ایک

اچھے شخص کی طرح پیش آنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کا کہنا ہے کہ میں بہت ہی بور شخص ہوں۔

ان دونوں کی شادی لندن میں ہوئی اور اس بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ہمارے رشتے کے بارے میں سب سے اچھی بات ہمارا قریبی تعلق اور صحبت ہے جو ہم ایک دوسرے کیلئے رکھتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆

گورنر جنرل ہاؤس کے لئے ساڑھے 38 روپے کا سامان خرید اگیا، گورنر جنرل نے حساب منگوایا معلوم ہوا کچھ چیزیں آپکی بہن نے اپنی ضرورت کی منگوائی تھیں اور کچھ آپ کی اپنی ذاتی استعمال کی چیزیں تھی۔ گورنر جنرل صاحب نے حکم فرمایا کہ یہ رقم ان کے ذاتی اکاؤنٹ سے کاٹی جائے۔ باقی چیزیں گورنر جنرل ہاؤس کیلئے تھیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے یہ رقم قومی خزانے سے ادا کر دی جائے اور آئندہ احتیاط برتی جائے کہ قوم کا پیسہ مجھ پر یا میرے رشتے داروں پر نہ خرچ جائے۔ یہ گورنر جنرل بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح تھے اور ان کی بہن فاطمہ جناح۔ ایک بار قائداعظم کیلئے موزے خریدے گئے جب قائداعظم نے قیمت دریافت کی تو معلوم ہوا صرف دو روپے جس پر قائداعظم نے یہ کہہ کر موزے واپس کر دیئے کہ ایک غریب ملک کے سربراہ کو اتنا عیاش نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سچ میں ایک غریب ملک کے سربراہ تھے جن کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ دو روپے کا مہنگا موزہ پہنے۔ یہ ہمارا ماضی تھا شاندار اور جاندار ماضی کہ جس میں سربراہ مملکت کو احساس تھا کہ وہ ایک غریب ملک و قوم کا سربراہ ہے، جس میں سربراہ مملکت کو معلوم تھا کہ ان کے دو روپے کے موزے اس ملک کو مہنگے پڑ سکتے ہیں ،ان کے دو روپے قوم کیلئے مہنگے ثابت ہو سکتے ہیں۔ قائداعظم

جب تک گورنر جنرل رہے کابینہ کے اجلاسوں میں نہ چائے پیش کی گئی اور نہ ہی کافی کیونکہ آپکا حکم تھا کہ جس نے پینی ہو وہ گھر سے پی کر آئے قوم کا پیسہ وزیروں اور مشیروں کے لئے نہیں۔

پاکستان کے پہلے وزیرِاعظم اور قائد کے دیرینہ ساتھی نواب زادہ لیاقت علی خان نے کہا تھا کہ ”قائدِاعظم برگزیدہ ترین ہستیوں میں سے تھے جو کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں، مجھے یقین ہے کہ تاریخ ان کا شمار عظیم ترین ہستیوں میں کرے گی“۔ اسی طرح ایک بار علامہ اقبال کی بیماری کے دوران جواہر لال نہرو ان کی عیادت کو آئے ،دورانِ گفتگو نہرو نے حضرت علامہ سے کہا "حضرت آپ اسلامیانِ ہند کے مسلمہ اور مقتدر لیڈر ہیں کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ اسلامیانِ ہند کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔" تو

حضرت علامہ نے فرمایا، "جواہر لال! ہماری کشتی کا ناخدا صرف مسٹر محمد علی جناح ہے میں تو اس کی فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی ہوں۔ "جناح آف پاکستان" کے مصنف پروفیسر اسٹینلے یونیورسٹی آف کیلیفورنیا امریکہ اپنے کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو تاریخ کا دھارا بدل دیتے ہیں اور ایسے لوگ تو اور بھی کم ہوتے ہیں جو دنیا کا نقشہ بدل کر دیتے ہیں اور ایسا تو کوئی کوئی ہوتا ہے جو ایک نئی مملکت قائم کر دے۔ محمد علی جناح ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے بیک وقت تینوں کارنامے کر دکھائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب ہندوستان کے مسلمان اپنی بقا اور سلامتی کی جانب سے بڑی حد تک مایوس ہو چکے تھے قائداعظم محمد علی جناح نے تدبر، فراست، غیر متزلزل عزم، سیاسی بصیرت اور بے مثل قائدانہ صفات سے کام لے کر مسلمانوں کو متحد کیا اور سات سال کی مختصر مدت میں مطالبہ پاکستان کی ایسی پرزور وکالت کی کہ دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا 14 اگست 1947 کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھر کر سامنے آیا۔ آزادی پاکستان کی تحریک کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی بیماری کو بالائے طاق رکھ دیا اور تحریک آزادی پاکستان کی عزم سے وکالت کرتے رہے مگر قائد اعظم کو لاحق موذی بیماری ٹی بی بھی ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی مگر آپ کی زندگی کے آخری دس سال، جن میں آپ کو بڑھتی ہوئی عمر اور گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر مکمل آرام کی ضرورت تھی، نہایت ہنگامہ خیز تھے۔ قیام پاکستان کے بعد تو مولود مملکت کے مسائل ایسے نہ تھے جن کو قائداعظم نظر انداز کر دیتے یا دوسروں پر چھوڑ دیتے، چناں چہ آپ نے ان مسائل کی جانب بھرپور توجہ دی اور اندرونی اور بیرونی طویل سفر کیئے اور مہاجرین کے مسائل معلوم کیئے اور انکے تدراک کیلیئے اقدامات اٹھائے، پاکستان کی داخلہ اور خارجہ پالیسی کا تعین، معیشت کا فروغ، تعلیمی نظام اور دفاع اور اس پر عمل درآمد یقینی بنانا۔ 1948 بانی پاکستان کا آخری اور پاکستان کا پہلا سال تھا، 25 مئی 1948 کو آپ ڈاکٹروں کے مشورہ پر کوئٹہ گئے، تاکہ وہاں ہر قسم کی فکر سے آزاد ہو کر مکمل آرام کر سکیں، مگر کوئٹہ میں بھی مصروفیتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 29 جون کو آپ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرنے کے لیے کراچی آئے اور پھر کام میں لگ گئے مگر قائد کی صحت مزید گر گئی۔ ڈاکٹروں کے

مشورے پر 7 جولائی کو آپ دوبارہ کوئٹہ روانہ ہو گئے، مگر آپ کی علالت اتنی سنگین صورت اختیار کر گئی تھی کہ ڈاکٹروں نے فوری طور پر زیارت منتقل کر دیا، جو کوئٹہ کے مقابلے میں نسبتاً سرد مقام ہے۔ جون 1948 میں قائد اعظم کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی، قیام پاکستان کی پہلی سالگرہ قریب تھی، لیکن قائد اعظم اپنی بیماری کے سبب سالگرہ کی تقریبات میں شرکت سے معذور تھے۔ اس موقع پر آپ نے قوم کے نام ایک پیغام میں فرمایا،

''پاکستان کا قیام ایک ایسی حقیقت ہے، جس کی دنیا کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ دنیا کی ایک عظیم ترین مسلمان ریاست ہے۔ اس کو سال بہ سال ایک نمایاں کردار ادا کرنا ہے اور ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں گے، ہمیں ایمان داری، مستعدی اور بے غرضی کے ساتھ پاکستان کی خدمت کرنا ہو گی۔''

یکم ستمبر کو ڈاکٹر الٰہی بخش نے گھمبیر لہجے میں فاطمہ جناح کو بتایا" قائد اعظم کو ہیمرج ہو گیا ہے اور میں بہت پریشان ہوں ہمیں انہیں کراچی لے جانا چاہیے کوئٹہ کی بلندی ان کے لیے اچھی نہیں ہے، اس کے بعد ڈاکٹروں کے درمیان ایک کانفرنس ہوئی انہوں نے صورتحال کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا کہ اب قائد کو فوراً کراچی منتقل کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ کوئٹہ کی بلندی ان کے کمزور دل کے لیے مناسب نہ تھی، گورنر جنرل کے وائی کنگ طیارے کو فوری طور پر کوئٹہ پہنچنے کا حکم دے دیا گیا اور 11 ستمبر کو دو گھنٹے کی پرواز کے بعد قائد اعظم کا طیارہ ماری پور ائرپورٹ پر اترا اور گورنر جنرل کے ملٹری سیکرٹری کرنل جیفری ناولز نے ان کا استقبال کیا قائد کو ایک سٹریچر پر لٹا کر ایک ایمبولینس میں لے جایا گیا یہ انہیں گورنر جنرل ہاؤس لے جانے کے لیے پہلے سے وہاں موجود تھی فاطمہ جناح اور سسٹر ڈنہم ان کے ساتھ ایمبولینس میں بیٹھے تھے۔ ایمبولینس بہت سست روی سے چل رہی تھی فاطمہ جناح لکھتی ہیں ابھی چار میل کا سفر ہی طے کیا تھا کہ ایمبولینس اس طرح ہچکیاں لیں جیسے اسے سانس لینے میں مشکل درپیش ہو رہی ہو اور پھر وہ اچانک رک گئی کوئی پانچ منٹ بعد میں ایمبولینس سے باہر آئی تو مجھے بتایا گیا کہ ایمبولینس کا پٹرول ختم ہو گیا اگرچہ ڈرائیور نے انجن سے الجھنا شروع کر دیا تھا لیکن انجن نے نہ

سٹارٹ ہونا تھا نہ ہوا میں پھر ایمبولینس میں داخل ہوئی تو قائد نے آہستہ سے ہاتھ کو حرکت دی اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا میں نے جھک کر آہستگی سے کہا "ایمبولینس کا انجن خراب ہو گیا ہے تب خدا خدا کر کے ایک گھنٹے کے بعد ایک اور ایمبولینس آئی اور قائد اعظم کو سٹریچر کے ذریعے نئی ایمبولینس میں منتقل کیا گیا اور یوں آخر کار قائد اعظم پھر گورنر جنرل ہاؤس کی طرف روانہ ہوئے ۔گورنر جنرل ہاؤس پہنچنے پر قائد اعظم کا ڈاکٹروں نے ان کا معائنہ کیا اور دبے الفاظ میں کہا" فضائی سفر کے لیے ہی ان کی حالت کیا کم خراب تھی کہ ایمبولینس کا یہ تکلیف دہ واقعہ بھی پیش آ گیا۔رات تقریباً ساڑھے نو بجے قائد اعظم کی طبیعت اچانک بگڑ گئی، کرنل الٰہی بخش، ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر مستری فوری طور پر گورنر جنرل ہاؤس پہنچ گئے ،اس وقت قائد اعظم پر بے ہوشی طاری تھی۔نبض کی رفتار بھی غیر مسلسل تھی، ڈاکٹروں نے معائنہ کرنے کے بعد انجکشن لگایا، مگر حالت بگڑتی چلی گئی۔رات دس بج کر 25 منٹ پر فخر ملک و قوم، بطل جلیل، بانی پاکستان،عزم کا پیکر ہمیشہ کے لیے اللہ کی رحمت میں پہنچ گیا۔قائد اعظم کی رحلت کی خبر آن کی آن میں پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔نومولود مملکت اور پوری قوم اس عظیم سانحے اور حادثے پر رنجیدہ اور افسردہ تھی اور جلد ہی لوگ دیوانہ وار گورنر جنرل ہاؤس کی طرف بڑھنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں افراد گورنر ہاؤس کے اطراف جمع ہو گئے یہ خبر پورے پاکستان کی عوام کے لیے بڑی دل دوز تھی۔آپ اندازہ کیجیے کہ قائد اعظم جنھوں نے دو روپے کے موزے سرکاری خرچ پر نہ خریدے کیونکہ ان کے بقول حکمران کو اتنا عیاش نہیں ہونا چاہیے کہ وہ دو روپے کے اتنے مہنگے موزے خریدے آج اسی ملک کا صدر لاکھوں روپے غیر ملکی دوروں پر ٹپ میں دے دیتا ہے۔آج ایک ایک دورے پر عوام کا کروڑوں روپے خرچ آتا ہے ان دوروں پر اپنے من پسند لوگوں اور رشتے داروں کو لیجایا جاتا ہے۔پچھلے کچھ برسوں میں تقریبا 500 افراد کو مختلف غیر ملکی دوروں پر لیجایا گیا ان سب لوگوں نے سرکاری خرچ اور غریب عوام کے پیسے پر عیاشی کی۔

☆......☆......☆......☆

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں۔۔۔؟

عشق توفیق ہے۔۔۔ گناہ نہیں۔۔

ثمن کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔۔۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ کیسے اداس آنکھیں ایک دم سے جگمگا اٹھیں ہیں۔۔۔ یوں لگنے لگا کہ کچھ خواب آ کر ماہم کی آنکھوں میں بسیرا کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ اور وہ بھی ماہم کی اجازت کے بغیر ہی بہت استحقاق کے ساتھ۔۔۔۔

ثمن سمجھ گئی کہ پاس میں ہی کہیں سینئرز کا گروپ ہے۔۔۔۔۔

تبھی تو اس خاموش اور پیاری سی لڑکی کی آنکھیں جگمگا اٹھیں ہیں۔۔۔۔۔

اور پھر لاپرواہی سے اونچی آواز میں باتیں کرتا اور قہقہے لگاتا سئیرز کا گروپ واقعی ساتھ والی میز پر ڈیرے جما چکا تھا۔۔۔۔۔

یہ گروپ پانچ افراد پر مشتمل ایک ذہین، مغرور اور خود سر گروپ سمجھا جاتا تھا۔۔۔ اس گروپ کے تمام لوگوں کا تعلق ایلیٹ کلاس سے ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی کے دوسرے سٹوڈنٹس ان سے گریز کرتے تھے۔۔۔

احمد رضا، فرخ چوہدری، شرجیل اور دو انتہائی مغرور لڑکیاں رمشہ علی اور نادیہ رضوی پر مشتمل یہ ایک ایسا گروپ تھا جو شاید دکھ یا ناکامی جیسے لفظوں سے ناآشنا تھا۔۔۔۔۔ تبھی تو بہت مغرور اور ہر ایک کا مذاق اڑاتا تھا سارا گروپ۔۔۔

اور اس وقت گروپ میں نمایاں اور لاپرواہ شوخ سا لڑکا باتوں میں مصروف وہ احمد رضا ہی تھا جو ماہم کی نظروں کا مرکز تھا۔۔۔ اور ثمن کبھی ماہم اور کبھی احمد کو دیکھتی پرسوچ سے انداز میں لکھنے میں مصروف ہوگئی۔۔۔

صدائیں ایک سی یکسانیت میں ڈوب جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔

ذرا سا مختلف جس نے پکارا یاد رہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

ماہم بی ایس کمپیوٹر کے فرسٹ ائیر میں تھی۔ اور یونیورسٹی میں پہلے دن جب وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف آ رہی تھی تو تھرڈ ائیر کے احمد رضا کے گروپ نے اسے رستے میں ہی روک لیا۔۔۔۔۔۔

رمشہ لوگ اسے طرح طرح سے باتیں کر کے اسکا مذاق اڑاتے اسے نروس کرنے کی ناکام سی کوشش کر رہے تھے۔۔ ناکام سی اس لیے کیونکہ ماہم خاموشی سے کھڑی اس اجنبی لڑکے کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی شناسا سا چہرہ ہو پر یاد نہ آ رہا ہو۔۔۔۔

وہ گروپ اسکا مذاق اڑا رہا تھا اور اسے ڈی گریڈ کر رہا تھا۔۔۔

پر ماہم اسکو تو یوں لگ رہا تھا۔۔۔۔۔ سب لوگ، سارا شور قہقے سب کچھ پس منظر ہوتا جا رہا۔۔۔ بس ایک مسکراتا سا اجنبی چہرہ جو بہت ہی اپنا سا لگ رہا تھا نمایاں ہوتے جا رہا تھا۔۔۔

ہر طرف روشنی پھیلتی جا رہی تھی اور مسحور کر دینے والی خوشبو بکھر کر ہواوں کے سنگ رقص کرتے پھولوں سے ٹکرا کر اٹھکلیاں کرنے لگی تھی۔۔۔ محبت کے فرشتے نے آہستہ سے ماہم کو اپنے نورانی

پروں سے ڈھانپ لیا۔۔۔

اس وقت دو لوگوں کو محبت جیسے جذبے خوشبو محسوس ہوئی۔۔ایک نادیہ رضوئی احساس ہوتے ہی ماہم پر غصے سے چلائی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور دوسری ثمن 'جو دور کھڑی ماہم کو دیکھ کر رک سی گئی۔۔۔وہ محسوس کر سکتی تھی آسمانوں سے محبت کا اترنا۔۔۔ایک انجانا سا جذبہ جو کسی کسی دل کو تحفہ ملتا۔۔۔۔۔۔ بہت ہی نایاب جذبہ۔۔۔اس سے پہلے کہ ثمن ماہم کی آنکھوں میں کھو کر رہ جاتی سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھی اور ماہم کو کھینچتے ہوئے وہاں سے دور لے گئی۔۔۔پر ماہم سر جھکائے ایک ہی کیفیت میں گم لگ رہی تھی۔۔۔

اپنے ماتھے پہ سجا لو ہر ایک پتھر کی ضرب۔۔۔
عشق کر بیٹھے ہو تو لازم ہے سزا پاؤ گے۔۔۔۔

ثمن سوچ رہی تھی کہ کس طرح ماہم ایک خاموش سی شرمیلی سی لڑکی ہے اور بہت ہی دوسروں کی کیئر کرنے والی۔۔۔جب کہ احمد رضا ایک ذہین مگر فلرٹی۔۔۔ امیر مگر خود غرض اور بہت باتونی اور دوسروں کو ڈی گریڈ کرنے والا لڑکا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ بہت سی لڑکیاں دیوانی تھیں احمد رضا کی۔۔۔۔اور احمد بھی اس بات کا بھرپور فائدہ اٹھاتا۔۔۔۔۔ یہ الگ بات ہے نادیہ سب کو لمٹس میں رکھنے کی کوشش میں رہتی۔۔۔

پھر اسے یاد آیا کہ ایک دن ماہم نے ایک کتاب ایشو کروائی لائبریری سے پر جب ماہم کو پتا چلا احمد وہی بک ڈھونڈ رہا ہے تو ماہم خاموشی سے وہ کتاب سامنے ٹیبل پر رکھ کے آگ ۓ جبکہ اگلے دن اسکی پریزینٹیشن تھی۔۔۔اسی طرح ثمن کو چھوٹی چھوٹی باتیں یاد آ رہیں تھیں۔۔۔جیسے کہ ایک بار کینٹین میں ماہم چائے کا آرڈر دے کر کوئی کتاب لینے چلی گ ۓ۔اور جب چائے آئی تو ثمن کوک لینے کینٹین کی طرف گ ۓ۔۔جب واپس مڑی تو اپنی میز پر احمد رضا کو چہرے پر شرارت سموئے ماہم کا چائے کا کپ پیتے ہوئے دیکھ کر چونک گ ۓ۔۔ اور پھر اسنے ماہم کو آتے ہوئے دیکھا۔۔۔جس نے احمد کو نظرانداز کرتے ہوئے چائے کا بل پے کیا۔یہی باتیں تھیں جن کی بنا پر وہ ماہم کو پاگل کہتی تھی۔۔۔پھر وہ سوچنے لگی کہ ماہم کیسے پہلی نظر میں ہی خود کو ہار بیٹھی۔۔۔؟؟؟؟؟؟ہاں شاید اسی کو تو محبت کہتے ہیں۔۔یہ آسمانی تحفہ ہر کسی کو تو نہیں ملتا۔۔۔اسے پتا نہیں کیوں کبھی کبھی ماہم سے جیلسی فیل ہونے لگتی۔۔پھر اچانک اسکے ذہن میں ایک بات آئی وہ ماہم اور احمد کے حوالے سے تمام باتیں قلمبند کرتی رہتی۔۔کبھی سوچتی کہ احمد کو سب بتا دے ماہم کے متعلق پھر خود ہی اپنے خیال کی نفی کر دیتی کہ کہیں احمد 'ماہم کے پاکیزہ جذبوں سے کھیل نہ جائے۔۔۔اسے تماشا نہ بنا دے۔۔۔وہ چاہتی تھی کہ محبت کی یہ کہانی اچھے انجام کو پہنچے۔۔۔۔۔۔۔

دراصل کچھ دنوں سے ماہم یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی ایک تو فائنلز کی بھی ڈیٹ شیٹ مل گ ۓ تھی۔۔۔اور دوسرا ماہم کے نہ آنے سے ثمن کی کہانی بھی وہاں ہی رکی ہوئی تھی۔۔۔

ثمن کی نظر سامنے جاتے ہوئے لڑکے پر پڑی ہاں یہ تو احمد ہے جو بلکل بدلا ہوا لگ رہا تھا۔۔۔ سست روی سے قدم اٹھاتا ہوا مین گیٹ کیطرف جا رہا تھا۔۔۔۔۔ ایسے میں ربیعہ ثمن کے پاس آ بیٹھی اور پوچھا۔۔۔ ' کیا تم جانتی ہو ماہم یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہی۔۔۔؟

ثمن نے نفی میں سر ہلایا تو کہنے لگی کہ میں بتاتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ اسکی شادی ہوگئی ہے اور شاید اب اسے مزید پڑھنے کی پرمیشن نہیں ملی۔۔۔

ثمن شاکڈ رہ گئی-----

پتا نہیں ربیعہ کب وہاں سے اٹھ کر چلی گ ء---

ثمن ایسے ہی اپنی گود میں رکھے فولڈر میں پڑے اپنے اوراق دیکھ رہی تھی--------- جس پر بے لوث اور پاکیزہ خاموش محبت پر لکھے گئے لفظ موتیوں کی مانند جگمگا رہے تھے---

اسکے ذہن میں الجھا الجھا سا احمد آیا اور ماہم کے خوابوں نے تو یکدم یلغار کر دی----------

کتنا بے خبر نکلا احمد 'اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ ایک ایسی شخصیت کو کھو دیا جو اسکی ہوتے ہوئے بھی اسکو نہ مل سکی-------

محبت کی کہانی تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی---------- تو یہ ایکدم سے کیا ہو گیا---؟؟؟؟؟

ثمن کی آنکھوں سے مقدس پانی کے چند قطرے اسکی گود میں رکھے ہوئے صفحات پر گرے----------

ثمن نے کہانی کے آخر میں یہ الفاظ لکھے

"شائد مخلص، خاموش اور بیلوث محبتوں کی کہانیاں اکثر ادھوری رہ جاتی ہیں---"

اور صفحات کو طے کر کے فولڈر میں رکھ لیا---

کہاں ہو تم چلے آ
دسمبر لوٹ آیا ہے
مہکتی سرد ہواں کا
یہ موسم لوٹ آیا ہے
تیرا وہ مجھ کو دیکھنا
پہروں مجھی کو سوچنا
آ کر پھر دوہرا سب
دسمبر لوٹ آیا ہے
یہ یخ بستہ سی ہیں راتیں
تمھاری ہیں سبھی آہٹیں
کہ پھر خود میں سما لو تم
دسمبر لوٹ آیا ہے
موسم نے کی ہے اک سازش
کہ برسی خوب ہے بارش
تو پھر تم بھی تو آنا
دسمبر لوٹ آیا ہے
میں تم سے دور ہو گئی ہوں
بہت مجبور ہو گئی ہوں
گلے آ کر لگا لو تم
دسمبر لوٹ آیا ہے

کبریٰ نوید...لاہور

غزل

ہم تحفے میں گھڑیاں تو دے دیتے ہیں
اک دوجے کو وقت نہیں دے پاتے ہیں
آنکھیں "بلیک اینڈ وائٹ" ہیں تو پھر ان میں
رنگ برنگے خواب کہاں سے آتے ہیں؟
خوابوں کی مٹی سے بنے دو کوزوں میں
دو دریا ہیں..........اور اکٹھے بہتے ہیں
چھوڑو! جا! کون کہاں کی شہزادی
شہزادی کے ہاتھ میں چھالے ہوتے ہیں؟
"درد" کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا
ہم بیکار حروف الٹتے رہتے ہیں

فریحہ نقوی

چاہت تو صدیوں روتی ہے

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

چاہت تو صدیوں روتی ہے
ہجر کا چولا پہن کے اکثر
وصل کے خواب لئے آنکھوں میں
تعبیروں کی اک ست رنگی
مالا روز پروتی ہے یہ
بلک بلک کر روتی ہے یہ
ہاتھ میں خالی کاسہ لے کر
موسم_گل کو پت جھڑ کر کے
دشت_جنوں میں بادل کر کے
اور خرد کو پاگل کر کے
ویراں ویراں بانجھ دلوں میں
وصل کے بیج بھی یہ بوتی ہے
درد سے درد کو جب دھوتی ہے
پھر خود بھی صدیوں روتی ہے
آج تلک یہ سمجھ نہ آیا
رونا ہی جب لیکھ ہے اس کا
کیوں پھر خواب پروتی ہے یہ؟
بلک بلک کر روتی ہے یہ

☆......☆......☆

میں کس طرح بتاں؟؟؟

میرے وطن میں اب جو حالات ہو رہے ہیں
میں کس طرح بتاں کیا عذاب ہو رہے ہیں

پہلے نہیں تھا ایسا میرا وطن اے لوگو
اب ظلم ہی ہر سو بے حساب ہو رہے ہیں
مائیں تڑپ رہی ہیں بچے بلک رہے ہیں
سلیہ نہیں ہے سر پر نیلام ہو رہے ہیں

ان بہنوں پہ کیا ہے گزری کوئی تو ان سے پوچھے
جن کے بھائیوں کے قتل سرِعام ہو رہے ہیں

جن نوجوانوں کو بننا تھا اِس قوم کا مقدر
اب ان کی لاشوں سے قبرستان آباد ہو رہے ہیں

جن کے سہاگ اجڑے ان کا نہ حال پوچھو
ان کی ویران آنکھوں میں جو سوال ہو رہے ہیں

کوئی تو آ کر کہہ دے یہ خواب تھا اے لوگو
اِس خواب کو بھلا دو کہ گل شاداب ہو رہے ہیں

شاعرہ: آبرو نبیلہ اقبال (راولپنڈی)

دل میں تصویر تری آنکھ میں آثار ترے
زخم ہاتھوں میں لیے پھرتے ہیں بیمار ترے
اے شب رنج و الم دیکھ ذرا رحم تو کر
آہ کس کرب میں رہتے ہیں عزادار ترے
زعم ہے تجھ کو اگر اپنے قبیلے پہ تو سن
میرے قدموں میں گرے تھے کبھی سردار ترے
آج بازار میں لائی گئی جب تیری شبیہ
بھاگتے دوڑتے آ پہنچے خریدار ترے
سامنے کیوں تری عصمت پہ اٹھی ہے انگلی
کیوں یہ چرچے ہیں مسلسل پس دیوار ترے
ان کے دکھ درد کا تجھ سے بھی مداوا نہ ہوا
اپنی حالت پہ جو ہنستے رہے فنکار ترے
مجھ سے پھر چھٹتے ہوئے ابرِ الم نے یہ کہا
آج کی شام پلٹ آئیں گے غمخوار ترے
جانے کیا رنگ رباب اب انہیں دے گی دنیا
کس قدر درد سے لبریز ہیں اشعار ترے

فوزیہ رباب گوا انڈیا

الفت میں تجارت کی میں قائل بھی نہیں ہوں
سو تیرے سوا اور پہ مائل بھی نہیں ہوں
زنجیر محبت ہوں میں چپ چاپ رہوں گی
پاؤں سے بندھی کوئی میں پائل بھی نہیں ہوں
جو سنگ گراں مجھ پہ پڑے، موم ہوئے ہیں
یہ تیرا کرم ہے کہ میں گھائل بھی نہیں ہوں
در در پہ ثمن مجھ کو بھٹکنا نہیں آتا
کاسہ جو اٹھائے میں وہ سائل بھی نہیں ہوں
تحریر نہیں ہوں جسے آسانی سے پڑھ لو
جذبوں کو چھپانے کی میں قائل بھی نہیں ہوں

ثمینہ کنول شہر ڈسکہ

☆......☆......☆

زمانہ چلن نہیں بدلتا وہ بے حس ہے، وہ ظالم ہے
دیئے بہت الزام مگر، تم نے کیا کیا یہ بھی کہو
نہ فکر کی، نہ ادا اپنا فرض کیا، کیا تو بس شکہ
نسل آدم ہے تجھ کو پتہ تیرا مرحم ہے اک سجدہ
سوچا کبھی نہ وقت پہ کیا، نہ ادا تو نے قضا کیا
جھک ذرا کہ ملے شفا اس درد سے جو مول لیا

خوشی سمیع

☆......☆......☆

غزل

خاموش ہوں میں لب پہ شکایت تو نہیں ہے
فریاد کروں یہ مری عادت تو نہیں ہے
جو موجِ غم و درد اٹھی ہے مرے دل میں
ہنگامہ تو بیشک ہے، قیامت تو نہیں ہے
شاید مجھے مل جائے مرے درد کا درماں
امید سہی چین کی حالت تو نہیں ہے
فرصت میں مجھے یاد بھی کر لیجیے اک دن
یہ عرض ، محبت کی علامت تو نہیں ہے
مل جائے سرِ راہ کسی موڑ پہ کوئی
اک حادثہ بیشک ہے رفاقت تو نہیں ہے
انصاف جسے حق کا طرفدا رکہا جائے
اس ملک میں قائم وہ عدالت تو نہیں ہے
کیوں گھر سے نکلتے ہوئے ڈرتے ہیں یہاں لوگ؟
اس شہر میں قانون حِفاظت تو نہیں ہے
اللہ رضا پر تری راضی ہی رہوں گی
ہو شکوہ زباں پر یہ جسارت تو نہیں ہے
آباد رہا دل میں وہی ایک سبیلہ
اب غیر کو آنے کی اجازت تو نہیں ہے

سبیلہ انعام صدیقی کراچی پاکستان

ریت کا پھیلا سمندر ، دور تک
آنکھ میں تھا ایک منظر ، دور تک
رات کی خاموش سی وہ رہ گزر
خود کو دیکھا اس میں کھو کر ، دور تک
بعد اس کے میرے دل کے ساتھ ساتھ
بھیگا بھیگا سا تھا منظر ، دور تک
چل رہی تھی خواب میں شاید کہیں
ہاتھ میں اک ہاتھ لے کر ، دور تک
خوب ہے یہ اہتمام جشن بھی
شہر میں بکھرے ہیں پتھر ، دور تک

ڈاکٹر شمع افروز کراچی

جس طرح قید کوئی گھر میں پرندہ رکھے
اس طرح دل میں مجھے میرا مسیحا رکھے
مجھ سے رسماً ہی سہی ملنا ملانا رکھے
ایسے تنہائی سے کب تک کوئی رشتہ رکھے
جس کی لہروں سے قبیلہ مرا دشمن ٹھہرا
اب وہی آب ۔ رواں مجھکو ہی پیاسا رکھے
اس کا آسیب مری ذات میں آباد ہے یوں
جس طرح گھر میں کوئی اپنے درندہ رکھے
زندگی بھر ہی رلایا ہے مجھے خوابوں نے
اب کوئی عکس نہ آنکھوں میں خدارا رکھے
بس فقیری ہی تو بلقیس مرا مسلک تھی
میں تو بیٹھی رہی کشکول میں دنیا رکھے

بلقیس خان میانوالی پاکستان

غزل

کرے گا یاد ہمیں؟ ؟ دور ہم اگر جائیں
اس اشتیاق میں جی چاہتا ہے مر جائیں
یہ کہہ رہا تھا ہمیں ڈوبتا ہوا سورج
سفر تمام ہوا اپنے اپنے گھر جائیں
طلوع شمس کی کرنوں نے یہ پیام دیا
اجالے بانٹتے جائیں جدھر جدھر جائیں
دکھاتے ہیں جو ہمیں آئینہ کبھی اس میں
خود اپنے عکس کو دیکھیں اگر تو ڈر جائیں
نہ پار لگنے کی حسرت نہ ڈوب جانے کا غم
خیال یار کے دریا میں جب اتر جائیں
یہ گھا ہی تو مری زندگی ہیں میرے طبیب
خیال رکھ یہ مرے زخم ہی نہ بھر جائیں

شاہدہ مجید لاہور پاکستان

ھاتھ پر ھاتھ جب کبھی رکھنا
عمر بھر مجھ سے دوستی رکھنا
وہ خموشی پسند کرتا ہے
گفتگو اپنی سرسری رکھنا
جب مجھے دیکھنے کی خواہش ہو
اپنی نظروں میں سادگی رکھنا
وصل بس کچھ دنوں کا ھوتا ھے
قربتوں میں ذرا کمی رکھنا
اِن چراغوں کا کیا بھروسہ ھے
اپنی آنکھوں میں روشنی رکھنا
اس کے اندر دکھاء دوں گی میں
چاند سے اپنی دوستی رکھنا
پھول مرجھا بھی سکتے ہیں عاشی
اپنے جذبوں میں تازگی رکھنا

عائشہ جنتی بہاولپور

☆......☆......☆

آ گہی

میری پرواز اونچی ھے
پہاڑوں پر
چٹانوں پر
کہیں تو آسمانوں پر
فضائے بے کراں کی وسعتوں میں ھے میری منزل
بہت ھی ماورا ھیں اس جہاں سے ذہن کے ہالے
زمانوں پر لگا رکھے ھیں میں نے سوچ کے تالے
حدود لا مکاں بھی گونجتی ھے میرے نالوں سے
کہ میں نے پالیا ادراک کو سارے حوالوں سے

نیل احمد کراچی

☆......☆......☆

غزل

نئے خیال کے لفظوں کی شاعری بنکر
میں اسکے ہاتھ سے نکلی ہوں اب نہ بنکر

مری حیات کا مقصد بدل دیا اس نے
نکل پڑی ہوں فسانے سے زندگی بنکر

یہ بے قراری نئے کھولتی ہے در مجھ پر
قرار لوٹ رہا ہے وہ آگہی بن کر

دکھا رہا ہے اندھیرے میں روشنی مجھکو
ترے فراق کا ہر لمحہ چاندنی بن کر

ٹپک رہا ہے مری آنکھ سے لہو کی طرح
لبوں پہ کھیل رہا ہے وہ تشنگی بن کر

ستم خزاں کا ہمیں ڈر ہے سہہ نہ پائیں گے
وفا کی آس جگا پھر سے عاشقی بن کر

کبھی تو لوٹ کے آ پھر سے میرے آنگن میں
اتر جا روح میں پھر میری تازگی بن کر

حیا غزل کراچی

غزل

میری اچھائی دکھائی نہیں دینے والی
میں زمانیکو صفائی نہیں دینے والی

محفلوں میں نہیں کرتی میں سخن کا چرچا
میں وہاں تم کو سنائی نہیں دینے والی

میرے احساس کو سمجھیگا نہیں دنیا زاد
روح تک اس کو رسائی نہیں دینے والی

مجھ سے مت مانگ محبت کے اثاثے میرے
میں کسی کو یہ کمائی نہیں دینے والی

اس بہانے مری نسبت بھی رہے گی تجھ سے
ہجر سے خود کو رہائی نہیں دینے والی

میں بھی ہو جاں گی تحلیل کبھی مٹی میں
پھر کبھی تجھ کو دکھائی نہیں دینے والی

اریبہ راؤ گجرات پاکستان

☆......☆......☆

نظم

تیرے ہونٹ بہت حسین ہیں
کم گل ولالہ سے نہیں
تیرے دہکتے رخسار
تیری گہری کالی غزالی آنکھیں
تیرا سیمیں بدن
کسی مندر میں رکھی
درگاں کی مورت سا ہے
تیرا لہجہ کوئل کی کوک سا
میٹھا اتنا کے شہد آ گیں
تیری کمر میں کمان سا خم
پھر کیوں خود کو چھپا رکھتی ہو
اتنا کس لیے سنبھال رکھتی ہو؟؟؟
سنو
میں حسین ہوں معلوم مجھے
میں سجتی سنورتی بھی رہتی ہوں
مگر میں اس جسم سے آگے اک روح بھی تو
ہوں
میں نرم ہونٹوں سے جو لفظ بنتی ہوں
کبھی ان میں بھی کھو کے دیکھ
میرے جسم سے آگے میرے ہونے میں جو لذت
ہے
اسے آشکار کر کے دیکھ
میں فقط تیرے لمس کو بنائی مخلوق نہیں ہوں
میں تیری دل لگی نہیں
میں تیرا اثاثہ ہوں
میں تیرا نصف تیری روح کا آہن ہوں
میں تیرے تکامل کی لازوال پہچان ہوں
تو پہچان مجھے میں بھی انسان ہوں
میں فقط ہوس نہیں
تیری لذت آشنائی نہیں
تو کہ ابھی مجھ سے آشنا ہی نہیں؟؟؟
میں تو تیرے ہونے کا ساماں ہوں!!!...
میں تیری ہی ہستی کا جلوہ نما ہوں...
میں اظہار. کروں خود کا؟؟؟؟
تو دیکھ خود کو ذرا
تو ظہور ہے میری قدرت کا
تجھ سے" انسان " کی نمو میری ہی کوکھ کی خلقت ہے
کرے گا پامال مجھ کو
تو رہے گا خاک تو بھی
میں الگ تجھ سے نہ ہوں
میں تیری ہی پسلی کا خم سا ہوں.....

زہرا علوی چکوال پاکستان

☆......☆..........☆

جب تم میرے پاس ہوتے ہوتو
وقت تھم سا جاتا ہے
میں میں نہیں رہتی میں تم بن جاتی ہوں
تمہارے رنگ میں رنگ جاتی ہوں
کیسی انا کیسی زد
مگر محبت میں بھی ایک پاکیزگی برقرار رہتی ہے
شرم وحیا درمیاں حائل رہتی ہے
کھل کر بھی تم پر کھلتی نہیں
درمیاں سے خاموشی مگر جاتی نہیں
صرف تمہیں سننے کی چاہ میں لب سی لیتی ہوں
مگر تم بھی تو خاموش ہو جاتے ہو
کچھ کہتے نہیں
اداسیت آنکھوں سے جھلکتی ہے
زبان چپ رہتی ہے
ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں
پھر بھی دلی تمنا ہے کہ
یہ سفر ختم نہ ہو
کیونکہ دل سنتا ہے
دل کی زباں
جسے لفظوں میں بیان کرنے کی

نہ تمہیں ضرورت ہے نہ مجھے
محبت امر بیل کی بن کر
میری سانسوں سے لپٹی جا رہی
مجھے اندر سے مار رہی ہے
دیمک کی طرح چاٹ رہی
ہاں تمہاری محبت مجھے مار رہی ہے
مجھے ختم کر رہی ہے۔۔۔

شاعرہ......فرح اعجاز

اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی

شاعرہ سحرش علی نقوی

اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
تم ڈھونڈو گے مجھے ہر نگر
ہو گے تنہا ہر موڑ پر
تمہیں یاد بہت میں آؤں گی
اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
تمہیں یاد آئیں گی میری یادیں
کبھی ہنسا دیں گی میری باتیں
تمہیں محبت سے جیت جاؤں گی
اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
تم مانگو گے مجھے ہر سحر

تڑپو گے میرے لیے ہر پہر
تمہارے دل میں اتر جاؤں گی
اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
کبھی یاد آئے گی میری ادا
کبھی یاد آئے گی میری وفا
کچھ پل میں بچھڑ جاؤں گی
اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
کبھی کھو جاؤ گے میری یاد میں
کبھی الجھ جاؤ گے کسی بات پہ
میں لوٹ کر پھر نہ آؤں گی
اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی

☆......☆......☆......☆

پھول راکھ لگتے ہیں
یار جب بچھڑ تے ہیں

آپ سنگ ہوتے ہیں
کام سب سنورتے ہیں

جاں سمیٹ لو آ کر
دیکھو ہم بکھرتے ہیں

لمحے مسکرا تے ہیں
دل پہ غم برستے ہیں

تیرا نام لب پہ ہو
دل میں ساز بجتے ہیں

سرد موسموں سے بھی
شعلے سے لپکتے ہیں

دل کا کیا کریں جاناں
زخم روز رستے ہیں

پھول راہ الفت میں
تجھ کو دیکھ کھلتے ہیں

دل میں بسنے والے لوگ
کب کفن پہنتے ہیں

ثمینہ کنول

سنو جاناں . . . .
محبت اک صحیفہ ہے
یہ ہر پل کا وظیفہ ہے
یہ اک دانے کی تسبیح ہے
وضو اس میں بھی واجب ہے
ھوس سے پاک رکھنے کو
طہارت اس میں لازم ہے
کہ روحوں کے ملانے کو
فقط اتنا ضروری ہے
نفس کو نہ درمیاں رکھو
مجلس عشق جب جا
نیت کے صاف رکھنے کو
آنکھوں کو باوضو رکھو
پانی نہیں مگر تو
آنسو سے نم رکھنا ہے
محبت ہے
یہ تو واجب ہے
اس کی قضا نہیں ہوتی
غلطی سے چھوٹ جائے، گر
سزا بھی کم نہیں ہوتی
کفارہ عمر بھر کا ہے، خطرہ اس

میں جاں کا ہے
نفرت بھرے جہاں کا ہے
محبت تو اک صحیفہ ہے
ہر دل پہ نہیں اترتا ہے
جس بشر پہ اس کا قبضہ ہو
ان کا ہی یہ وظیفہ ہے
ان کو ہی بس یہ چنتا ہے
روحوں سے جن کا رشتہ ہے
شاعرہ، طیبہ عنصر

محبت زندگی کے فیصلوں
سے لڑ نہیں سکتی
مقدر میں جو کرب سہنا ہو
وہ ٹل نہیں سکتی
کوئی حاصل
تو کوئی لاحاصل
یہ خاردار رستہ بڑا کربناک ہوتا ہے
کبھی خواہشوں کو تھپک تھپک سلانا ہوتا ہے تو.
کبھی دکھ چھپا کے ہنسنا اور ہنسانا ہوتا ہے زندگی کے
فیصلوں میں کوئی اپنا
کوئی بہت پیارا ہوتا ہے
ہاں
یہ مانتی ہوں
سب جانتی بھی ہوں

پر کیا کروں اس سنجوگ کا
اس دل کے دامن میں
یہی خواہش پنپتی ہے
محبت ہو ہمسفر میری
اس احساس سے مجھکو خدایا سرشار کر دے
میرے دل کی ویران شاخ کو آباد کر دے
میرے دامن میں فقط میری محبت دے دے
فقط محبت !!!!!!......

مسکان سمرین

☆......☆......☆......☆......☆

لمحات ہوں خاموش سے
بادلوں کی اوٹ سے
چاند جھانکنے کو
اک گھڑی جو سامنے
رک سکے تو روک لوں
جانے کیوں دل بھی آج
ضد پہ ہے اڑا ہوا
نیند جا رہی ہے
خمار چھا رہا ہے
سانس مہک رہی ہے
چین آ رہا ہے
جی چاہ رہا ہے کہ
لمحات ہوں خاموش سے
بادلوں کی اوٹ سے
چاند جھانکنے کو
اک گھڑی جو سامنے
رک سکے تو روک لوں

شفا ایمان

مجھے کیوں ایسا لگتا ہے
کہ وہ بس میرے جیسا ہے
نہ میرے نام کو جانے
نہ دیکھا ہے کبھی مجھکو
مگر پھر بھی میرا دل ہے
کچھ بھی مانتا نہیں
کچھ بھی جانتا نہیں
میں سوں تو وہ خوابوں میں
مجھے اکثر نظر آئے
میں جاگوں تو وہ یاد آئے
وہ میرے دل میں رہتا ہے
مجھے کیوں ایسا لگتا ہے
کہ وہ بس میرے جیسا ہے

شفا ایمان

☆......☆......☆......

دسمبر

پڑھا تھا میں نے
کتابوں میں
رسالوں میں
قصوں میں
کہانیوں میں
نظموں میں
غزلوں میں
دسمبر درد جدائی ہے
تب دل نہیں مانا
اسے ہم نے
جھوٹ گردانا
مگر
دسمبر کی
انہی اداس شاموں میں
ٹھٹھرتی سسکتی
عذاب رتوں میں
دامن چھڑا کر وہ
درد تنہائی دے گئی
درد جدائی دے گئی

بقلم: فاطمہ عبدالخالق

☆......☆......☆......☆

محبت

بقلم مسکان سمرین

محبت زندگی کے فیصلوں
سے لڑ نہیں سکتی
مقدر میں جو کرب سہنا ہو
وہ ٹل نہیں سکتی
کوئی حاصل
تو کوئی لاحاصل
یہ خاردار رستہ بڑا کربناک ہوتا ہے
کبھی خواہشوں کو تھپک تھپک سلانا ہوتا ہے
تو، . کبھی دکھ چھپا کے ہنسنا اور ہنسانا ہوتا ہے
زندگی کے فیصلوں میں کوئی اپنا
کوئی بہت پیارا ہوتا ہے
ہاں یہ مانتی ہوں
سب جانتی بھی ہوں
پر کیا کروں اس بنجوگ کا
اس دل کے دامن میں
یہی خواہش پنپتی ہے
محبت ہو ہمسفر میری
اس احساس سے مجھکو خدایا سرشار کر دے
میرے دل کی ویران شاخ کو آباد کر دے
میرے دامن میں فقط میری محبت دے دے
فقط محبت !!!!!!!......

منافقت

مجھے کچھ یاد آتا ہے
مجھے اک شخص کہتا تھا
محبت تم سے کرتا ہوں
میں تم بن رہ نہیں سکتا
تمھیں دکھ دے نہیں سکتا
میں لا کر چاند تاروں کو
ترے قدموں میں رکھ دوں گا
میں سارا آسماں اپنا
تمھارے نام کر دوں گا
محبت کس کو کہتے ہیں
میں دنیا کو سکھا دوں گا
مگر کچھ دن ہی گزرے تھے
بہت مایوس آیا تھا
نگاہوں کو جھکائے تھا
بہت پرسوز لہجے میں
کہا اس نے
بہت مجبور ہوں جاناں
میں غم سے چور ہوں جاناں
میں یہ کیسے کہوں تم سے
کہ ہم تم مل نہیں سکتے
کہ اپنے تو ستارے ہی نہیں ملتے
میں اکثر سوچتی ہوں اب
وہ لفظوں کا کھلاڑی تھا
جو لا کر چاند تارے دے
ستارے بھی ملاتا ہے!!!...

از قلم: نائمہ غزل

☆......☆......☆......☆

صرف کانٹوں سے پناہ نہ مانگیے
یہاں کے گل بھی زہر اگلتے ہیں
اشجار یہاں سائے کی طلب میں ہیں
اطوار اس چمن میں کچھ الٹ چلتے ہیں
شوخی رنگ گل پہ اعتبار نہ کیجیے
پل پل اس چمن کے رت بدلتے ہیں
حیف چمن والوں پہ، کہ سورج نکلنے سے پہلے
سورج کے ڈوب جانے کی باتیں کرتے ہیں
عرض ہے کہ بلوں پہ نظر نہ رکھیے فقط
آستینوں سے بھی یہاں کچھ سانپ نکلتے ہیں
بام عروج پہ پہنچنے والوں کو یاد دلائے کوئی حمزہ
چوٹی پہ ٹھہرے لوگ اکثر پھسلتے ہیں

حمزہ اخوان

☆......☆......☆......☆

یاد ہے؟
آخری بار جب ملی تھی تم سے
میں آدھا کپ چائے
یونہی ٹیبل پہ چھوڑ آئی تھی
جانے کیسی
کسک سی اٹھتی ہے دل میں
کہ آج بھی
میں اس آدھا کپ چائے کو
ختم کرنے کو
دن میں جانے
کتنی بار چائے پیتی
ہوں۔۔۔۔!!!!

مالا راجپوت

جستجو ہی نہیں آرزو نہ رہی
زمانے میں نبھانے کی خو نہ رہی

سلسلے وفاں کے کردو شروع
کہ شناسائی اب کو بہ کو نہ رہی

ہاں اگلتی تھی سونا زمین یہ کبھی
اب فصل کی کوئی آرزو نہ رہی

اس کو بلاں یا دل کو سمجھاں
ہماری تو اس دل سے گفتگو نہ رہی

بیزار تو نہیں کچھ تھک گئی ہوں
یہ نہ سمجھو تری آرزو نہ رہی

تیرے کوچے سے ٹوٹا نہیں رابطہ
جانے کیوں پر تیرے روبرو نہ رہی

سامنے آ تو دیکھ لیں آئینہ
عاشی ماضی مثل ہو بہو نہ رہی

عائشہ پروین

الوداع

شاعرہ مریم مرتضی

میں نے کہا
مت جاؤ
رک جاؤ
کچھ ساعتیں
کچھ لمحے
چند گھڑیاں
وہ گھڑیاں
جو عمر بھر کی یاد بنیں
جو وقت کا حصہ بنے
گزرے لمحوں کا قصہ بنے
وہ ٹھہرا
توقف کے بعد بولا

وقت گزر گیا
اب رکے گا نہیں
جتنا بیتا اسے یاد کے سانچے میں ڈال لو
گئے لمحوں کو ماضی کے صندوقچے میں سنبھال لو
مجھے اب جانا ہے
وقت آواز دیتا ہے
کہ میں رخصت ہو جاؤں
تمہیں الوداع کہہ ڈالوں

غزل

بجنے لگا ہے دل میں عجب ساز محبت کا
شائد کہ ہو گیا ہے یہ آغاز محبت کا

کوئی کوئی مست ء عشق میں رقص کرتا ہے
ہر دل میں نہیں بجتا ساز محبت کا

کبھی خواب کبھی خیال کبھی ہجر کبھی وصال
ہر شے سے نرالا ہے انداز محبت کا

ہے اگر ان کو اپنی اداں کا نخرا
ہے ہمیں بھی خود پر بہت ناز محبت کا

اتنے شوق سے انہیں نہ دیکھا کرو شوخ
کہیں افشا نہ ہو جائے ، راز محبت کا
شاعر قاسم شوخ

کچھ خواب

عریشہ بخاری

کچھ خواب ابھی ادھورے ہیں
جو خواب ابھی ادھورے ہوں
وہ خواب تو زندہ رہتے ہیں
گو تعبیر انہیں نہیں ملتی
جو عکس بنے تصور میں
پر خواب تو خواب ہوتے ہیں
جس آنکھ میں جنم لیتے ہیں
اس آنکھ میں مجسم رہتے ہیں
شاید کبھی وہ پورے ہوں
اس آس میں زندہ رہتے ہیں
کچھ خواب ابھی ادھورے ہیں

☆......☆......☆

محبت

کہیں برستی بارش، کہیں صحرا سی پیاس محبت
کہیں بجھتے چراغ، کہیں پہ جلتی آس محبت
کسی نے پایا کچھ نہ کھو کر، کسی نے کھو یا پا کر سب
کسی کو مل گئی جاگیر وفا، کسی کو آئی نہ راس محبت
کہیں برستی بارش، کہیں صحرا سی پیاس محبت
کچھ جانے کچھ نہ جانے ایسا ہے اندازِ محبت
کوئی بتا دے رازِ دل، کوئی رکھے پاکیزہ رازِ محبت
کہیں خاموشی کا راج گہرا تو کہیں پہ بجتا ساز محبت
کوئی بن جائے پابند کسی کا، کسی کو کرے آزاد محبت
محبت ہر حال میں بس محبت ہے!!
کہیں آسودہ خواہشیں، کہیں خوشیوں کا احساس محبت
کہیں برستی بارش، کہیں صحرا سی پیاس محبت
نومبر کی سرد رات میں
تنہائی بھی چوکھٹ پر کھڑی ہے جاناں
اور دسمبر بھی آن پہنچا ہے
کہ اب تو ترے آنے کی امید بھی معدوم ہو چلی ہے جاناں
نئے برس کا اہتمام بھی ہے جاناں اور دسمبر بھی آن پہنچا ہے
اور ترے ہر ستم جاناں
دسمبر میں آ کے جم سے جاتے ہیں
کہ ہر شجر پر رہوتا ہے جاناں خزاں کا سا سایہ دسمبر میں
سو گھر سے نہیں نکلتے ہم دسمبر میں
پلکوں پہ مری جاناں زخم کی سی کرچیاں سی ہوتی ہیں دسمبر میں
ہر طرف تری یاد کا موسم ہوتا ہے جاناں دسمبر میں
اک اجڑا سا دل کا عالم ہوتا ہے جاناں دسمبر میں
وحشتوں کا بسیرا سا ہوتا ہے جاناں دسمبر میں
اس طرح سے یادیں تری جاناں چھٹیاں منانے آ جاتیں ہیں دسمبر میں
کہ الاؤ بن کر دہکتا ہے دسمبر کی سرد راتوں میں
خیال ترا مرے طاقچوں میں رہتا ہے دسمبر میں
یوں تو گزر جاتا ہے پورا سال جاناں نہیں کٹتا تو صرف دسمبر
پلکیں بھیگی بھیگی سی رہتی ہیں دسمبر میں
بس یہی مری جمع پونجی سی ہوتی ہے جاناں دسمبر میں
تری یادوں کا موسم سلگتا رہتا ہے دسمبر میں

از قلم: شازیہ کریم

☆......☆......☆

ہم تو بہت نادان ٹھہرے،
آپ تو دانا لوگ جی...
ہم تو بہت بدصورت ٹھہرے،
آپ تو خوب سیرت لوگ جی...
ہم تو بہت غریب ٹھہرے،
آپ تو امیر لوگ جی..
ہم تو بہت دھندلے ٹھہرے،
آپ تو شفاف لوگ جی...
ہم تو بہت بدمعاش ٹھہرے،
آپ تو معصوم لوگ جی...
ہم تو بہت گنہگار ٹھہرے،
آپ تو پاک لوگ جی...
ہم تو بہت غمگین ٹھہرے،
آپ تو خوش حال لوگ جی...
ہم تو بہت داغدار ٹھہرے،
آپ تو بے داغ لوگ جی...
ہم تو بہت ظالم ٹھہرے،
آپ تو مظلوم لوگ جی...
ہم تو بہت چھوٹے ٹھہرے،
آپ تو بڑے لوگ جی...
ہم تو یہاں ہم ٹھہرے،
آپ تو آپ لوگ جی...

شاعرہ: سعدیہ سعید

غزل

میں خود سے دور جانے کس سمت جا رہی ہوں
غم مجھ کو کھا رہا ہے میں غم کو کھا رہی ہوں

میں یاد کر رہی ہوں، تو مجھ کو بھول بیٹھا
میں تیری الجھنوں میں خود کو ستا رہی ہوں

ہے مسئلہ تو کوئی لیکن خبر نہیں ہے
اس سمت جا رہی ہوں اس سمت آ رہی ہوں

ایسا بھی وقت آیا ہوں بے نیاز اتنی
وہ ظلم کر رہے ہیں میں مسکرا رہی ہوں

مت پوچھ اے ستمگر کس کرب میں صبا ہے
باہر ہیں کرب جتنے اندر اٹھا رہی ہوں

ڈاکٹر صبا خان

☆......☆..........☆

محبت نہ ہوتی تو کچھ نہ ہوتا
نہ خواب، نہ حسرتیں ہوتی
زمانہ بے پرواہ ہوتا
نہ آنکھوں میں اشک باری
نہ راتوں کی عبادت ہوتی
کائنات کا کوئی رنگ نہ ہوتا
نہ آسمان کوئی، نہ زمیں ہوتی
وفا کے دو دانوں پر
تسبیح بھی نامکمل ہوتی
کسی کا درد کو سمجھ جانا،
بارش کا برسنا بھی،
دھوپ کا نکلنا بھی،
پانی سے مچھلی کی
دوستی بھی محبت ہے
ماں بھی تو محبت ہے
شروعات محبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے
یہ کل جہاں محبت ہے
خدا بھی تو محبت ہے
محبت ہی محبت ہے۔۔
سوچو گر۔۔۔۔۔۔۔۔۔!
محبت نہ ہوتی تو کچھ نہ ہوتا

قلم از۔۔ زہرہ جبین لطیف

دھند میں تنہا کھڑی
اِک معصوم سی لڑکی،،
کسی کی راہ تکتی ہے،
بکھرے بال اوجھل آنکھیں
اور کندھے سے سرکتی شال،،
سب اسکے اندر کے سرد
موسم کی کیفیت بیان کرتے ہیں،،
کہ اسکے گلاب کی
پنکھڑی جیسے کپکپاتے ہونٹ،،
کسی کو صدا دیتے ہیں،،
لوٹ آ اب کے،،
سرد موسم بھی لوٹ آیا ہے،،
سرد موسم بھی لوٹ آیا ہے،،

شاعرہ
سونیا چوہدری

☆......☆......☆

محتاط رہنا تم۔۔۔۔!!!

نہ ہے عشق نہ ہے محبت

ہے ایک خوبصورت دھوکہ یہ سب

میٹھا لب و لہجہ ہوتا ہے اس وقت تک

پھنس نہ جا جال میں جب تک

یہ ہے اس صدی کے انسان

انسان کی شکل میں موجود ہوتا ہے ایک حیوان

اپنی ہوس کی خاطر کر گزرتے ہیں ہر وہ کام

جس کی وجہ سے ہوتے ہیں زندگی کے ہر موڑ پے ناکام

زرا محتاط رہنا تم۔۔۔۔!!!

اسکے ہاتھوں کھلونا نہ بننا

اپنے آپ کو رسوا نہ کرنا

اسی میں ہے بھلائی تمہاری

زرا محتاط رہنا تم۔۔۔ !!!

ازقلم...... ہانیہ درانی

☆......☆......☆

سن لی خدا نے وہ دعا تم تو نہیں ہو

ررواذے پہ دستک کی صدا تم تو نہیں ہو

سمٹی ہوئی شرمائی ہوئی رات کی رانی

سوئی ہوئی کلیوں کی حیا تم تو نہیں ہو

محسوس کیا تم کو تو گیلی ہوئیں پلکیں

بھیگے ہوئے موسم کی ادا تم تو نہیں ہو

ان اجنبی راہوں میں نہیں کوئی میرا

کسی نے مجھے یوں اپنا کہا تم تو نہیں ہو

سوئی ہوئی کلیوں کی حیا تم تو نہیں ہ

شفیق سعید

☆......☆......☆

الفاظ حلق میں پھنس جاتے ہیں

گلہ رندہ جاتا ہے، آنکھیں تر ہوتیں

جب بھی نام وفا کا لیا جاتا ہے

جب بھی نام محبت کا لیا جاتا ہے

نفرت کی لہر اٹھتی ہے سینے میں

زخم تازہ ہوتے ہیں پرانے سارے

جی چاہتا ہے ننگے پاوں بھاگ جاوں

صحرا میں کہیں اور تاحیات یونہی

بھٹکتا رہوں، تپتا رہوں، جلتا رہوں

اسقدر کہ کندن ہو جاوں اور پھر

مجھکو میرا ماہی پہن کہ گلے میں

تاعمر بھٹکتا رہے، تڑپتا رہے، سسکتا رہے

ازقلم۔۔۔اقرا عابد

پریتاں

کچی عمراں پکیاں پریتاں لا کے جیڑے پھسن
کڑیاں لائے میلے اتو رل مل ساریاں ہسن . .

اکھاں بجلے، بلاں لالی، ہتھ انا دے نچن ..
اک کملی دیاں باواں پھڑ کے اوندے کولو پوچھن

تیرے ہتھ نا ونگاں میندی، ماند کیوں تیرا حسن ؟
اس کملی دے اتھرو ڈلے، انے فیر اے آکھیا . .

میں تتڑی نو چیتا کوئی نہیں، او ہی توانوں دسن . .
کچی عمراں پکیاں پریتاں لا کے جیڑے پھسن

صباحت عروج

☆......☆......☆

نہ اب مجھ کو پزیرائی سے مطلب
نہ ذلت سے، نہ رسوائی سے مطلب
اکیلا چھوڑ دو، جی بھر کے رولوں
مجھے بس اپنی تنہائی سے مطلب

شہباز اکبر الفت

☆......☆......☆

کل ہم نے چاند دیکھا تھا
دعا بھی مانگی تھی
اپنے ملن کی
کیسا خوب صورت چاند تھا
مکمل اور روشن
دل میں آیا تمھیں پوچھوں
کیا اب بھی چاند تکتے ہو
کیا اب بھی اس سمے مجھے مانگتے ہو
کیا جب جب میری دھڑکن بڑھتی ہے
میری آنکھیں کچھ تلاشنے لگتی ہیں
کیا وہ تم ہی ہوتے ہو؟
کیا چاند کی مانند
اب بھی میرا چہرہ سوچتے ہو؟
بولو نا! کیا اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو ...؟؟

تحریر: بشریٰ ایوب خان

☆......☆......☆

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

تم کو کیا ہے خبر کہ کیا ہو تم
سانس کا میری سلسلہ ہو تم

جیسے بدکار کو ملے جنت
ایسی میرے لئے عطا ہو تم

جس کے ہوں میں خمار میں کھویا
خواب کا ایسا سلسلہ ہو تم

جو نظر کا قرار لے جائے
ایسی بہکی ہوء ادا ہو تم

درد چاہے ملے ہوں جتنے بھی
میرے ہر درد کی دوا ہو تم

جس نے روکا ہے غلط راہوں سے
آنکھ میں میری وہ حیا ہو تم

جو صحیفے کی طرح اترا ہے
ایسا الہامی سلسلہ ہو تم

جو سنبھالے رکھتا ہے مجھ کو
زیست کا میری حوصلہ ہو تم

کچھ یوں مضبوط اپنا رشتہ ہے
گر محبت ہوں میں وفا ہو تم

یاد بن کر برستی ہو مجھ پر
دل کے صحراں کی گھٹا ہو تم

ہے یہ اسرار کیسا کہ ہمدم
مجھ میں مجھ سے بھی زیادہ ہو تم

دل تری اور ہے کھنچا جائے
جانے کس سمت کی ہوا ہو تم

آنکھ ہے مری خواب تیرے ہیں
جس کی لو میں ہوں وہ دیا ہو تم

جو کبھی بھی نہ ہو سکی پوری
بے اثر سی وہی دعا ہو تم

تم تو مجھ میں ہو آج تک باقی
ہم نے سوچا یہ تھا فنا ہو تم

پھر نہ آئے گا دل میں کوء بھی
دل کی بس آخری صدا ہو تم

سید حسن رضا

غمِ حیات، غمِ جہاں سے دل آشنا نہیں رکھتے
یہ کیسے لوگ ہیں دل میں، خوفِ خدا نہیں رکھتے

پھیلائیں دست و دامن، غیروں کے در پہ جا کر
مسلماں اب خود میں، کیوں انا نہیں رکھتے

ہو گئی نصیب میں عجب تلخیاں جدائی کی
کہ مخلص یار بھی کوئی، مخلص دعا نہیں رکھتے

نہیں ہے پاس اپنے کچھ، مگر خودی کا عزم ہے
وہ بھی کیا ہیں؟؟ جو ضمیر کا آئینہ نہیں رکھتے

دِلوں میں بسے ہیں جو ذات و زر کے بت کدے
انکو توڑنے کا ایماں میں حوصلہ نہیں رکھتے

اتارا ہے لباس پھر، بنتِ حوا نے سرِ بازار
ثنافی دیکھنے والے بھی نظر میں حیا نہیں رکھتے

شاعر: سرجیل ثنافی)

نظم

کبھی ہوتا ہے نا یوں
دل درد سے پھٹ جائے
اشک آنکھوں سے مٹ جائیں
ہوا کے ہاتھوں میں تلوار ہو
آسمان لہو سے رنگ جائے
جب شکوہ کناں، بے بس نظریں
عرش کی تلاش میں اٹھ جائیں
جب گودیں اجاڑ دی جائے
جب سینے پھاڑ دیئے جائے
جب بے حسی کی قیمت ہو
حکمرانوں کو کرسی سے محبت ہو
تب لہو کی نہریں بھی نکل آئے
تو وہ بے نام ہوتی ہیں گمنام ہوتی ہیں
اے شہیدوں ہم شرمندہ ہیں
بہت آبدیدہ ہیں
اب سے ہاتھ جوڑ کے کہتے ہیں
اپنا آج ہمارے کل پہ نہ کرو قربان
انسانیت اب قصہ پارینہ ہوئی
اب یہاں نہیں بستے انسان

ماورا طلحہ

☆......☆......☆

غزل

چہار جانب حصار کیا ہے
سنائی دے ناں پکار کیا ہے

مجھی سے سیکھے ہیں دا سارے
مجھی پہ کرتے ھو وار کیا ھے

اداسی چہرے کی کب چھپے گی
ہزار کر لو سنگھار کیا ہے

مری طرح تو بھی جان جاناں
کبھی تو مجھ کو پکار کیا ہے

تمہی سے مل کر کھلا ہے ھم پہ
یہ درد کیا ہے . یہ پیار کیا ہے

پلٹ کے آنا نہیں جو تم نے
تو پھر ترا انتظار کیا ہے

جو بانٹ لے گا تو درد میرے
تو غم مجھے غمگسار کیا ہے

پیو مئے عشق جان لو گے
یہ نشہ کیا یہ خمار کیا ہے

خفا ھوئے جا رہے ہو ھم سے
ہمارا دوش اس میں یار کیا ہے

کیے ہی جاتا ہے یاد تجھ کو
کہ دل پہ اب اختیار کیا ہے

لہو بہاتے ہیں آنکھ سے ھم
ھم ایسا گریہ گزار کیا ہے

مرے لیے ہی سہی اے نوشی
کبھی تو خود کو سنوار کیا ہے

شاعرہ.نوشین اقبال نوشی

☆......☆......☆

نظم: پاگل لڑکی

پاگل لڑکی
ہر روز
اک نیا خواب دیکھتی ہے
جھیل سی گہری آنکھوں میں
بیشمار سپنے بنتی ہے
شاید کہ کوئی ایسا
میری زندگی میں آئے گا
جو بینتہا پیار
صرف مجھ سے ہی کرے گا
ہر حالات میں
میرے ساتھ
میرے سنگ رہے گا
مگر۔۔۔!!!
پاگل لڑکی
جانتی نہیں شاید
زمانے کی چالیں
سمجھتی ہے
محبت میں۔۔۔
کوئی فریب نہیں
ساتھ ہنستے چہروں میں
نفرت کا کوئی نشاں نہیں
پاگل لڑکی
نادانی میں سب کچھ بھلائے
قدم سے قدم ملائے
محبت کے سیڑیاں چڑتی جاتی ہے
پھر وہ
اک ایسے مقام پے
آکے ٹھہری سی جاتی ہے
جہاں اس کی
آنکھوں میں سجا
ہر سپنا ٹوٹ جاتا ہے
حسین خوابوں کی مالا
پل بھر میں بکھر جاتی ہے
پاگل لڑکی
بس اسی لمحے
اپنی زندگی ہار جاتی ہے
خاموشی سے دنیا
چھوڑ جاتی ہے
پاگل لڑکی
پاگل لڑکی

کنول خان۔ ہری پور ہزارہ

تمہیں دیکھا
دل دھڑکا
قدم تھمے
ہم رستہ بھولے
تیری آنکھیں
نقاب کے پار
کچھ بے نام وعدے کرنے لگیں
ہم ان کی آنچ میں
جل جل سے گئے
تمھارے پیار میں ڈوب ہی گئے
تمہیں پانے کی خاطر
رب سے التجائیں کرنے لگے
تمہیں پا کے سوچا ہم نے
التجائیں کامل ہوتی ہیں
محبتیں بھی ملتی ہیں
مگر بے خبر تھے ہم
جدائی جب بھی آتی ہے
دبے پاں ساری خوشیاں لے جاتی ہے
اب تنہا ہیں ہم
خود کو کوستے ہیں ہم
پیار ہی تو تھا
سارے خود سے وعدے بھول
کیوں کر بیٹھے پیار ہم؟
پھر بھی ہر لمحہ
ڈوبے رہتے ہیں
تیری یادوں میں ہم ...

بشریٰ ایوب خان

☆......☆......☆

میرے ہمدم مجھے تلاش کر
میں کھویا ہوا مسافر ہوں
دل میں میرے بستا ہے خدا
لوگ کہتے ہیں میں کافر ہوں

ماورا بشارت چیمہ

☆......☆......☆

میں تمہیں بھلانا چاہوں بھی تو
میں تم کو بھلا نہ سکوں گی
مجھے یاد دلائیں گے
کنگن گلاب کے

خوشبو تمہارے پیار کی
میری آنکھوں کی تیرگی میں
جھلملاتا عکس تمہاری محبت کا
میرے وجود میں سانس لیتا
احساس تمہارے ہونے کا
تمہارے لفظوں میں چھپا
ضبط میری دیوانگی کا
میرے کمرے میں مہکتا
گلدستہ تمہاری چاہت کا
میری زلف میں مہکتا
پھول بیلے کا
میری ڈائری پہ لکھا
اقرار تمہاری محبت کا
بتا جاناں !!!
کیسے میں کروں

ادا اندرانہ
تمہارے خلوص
محبتوں اور چاہتوں کا...

شاعرہ .. مون کنول

اب کے سوچا ہے تم سے نہ کچھ کہا جائے
ہجر اگر زہر ہے چپ چاپ ہی پیا جائے

جس طرح بپھرتی ہیں لہریں کناروں سے ملنے کو
کیوں نا وصل کے طوفان میں یوں بہا جائے

یوں تو اک پل کو بھی روبرو نہ ہوئے پھر بھی
مجھ سے جانے کیوں تیرا ہجر نہ سہا جائے

میں نے ہواؤں سے بھی پوچھا ہے اس کا پتہ
آتا جاتا کوئی جھونکا ہی بخدا اس کو بتا جائے

میں تو شاید نہ بتا پاؤں اسے عمر رواں میں
میری چاہت کا اسے خواب اے کاش آ جائے

نام آتا ہے کتابوں میں مثالوں کی طرح
محبت میں اگر کوئی وفا نبھا جائے

اگر محبت کبھی مانگو تو مانگنا یہ بھی مالا
محبت کی طلب میں آنکھوں سے نہ حیا جائے
مالا راجپوت

محبت ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہو؟

محبت ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہو؟
تمہیں شک ہے، محبت کھوگئی ہے؟
کوئی ماضی کا قصہ ہوگئی ہے؟
طاق نسیاں کا حصہ ہوگئی ہے؟
محبت ... کون سی؟
کیسی محبت؟
وہ قصہ لیلی مجنوں کے جنوں کا؟
وہ مرزا، صاحباں کے ناحق خوں کا؟
وہ وارث شاہ کی ہیر کے فسوں کا؟
پس دیوار وہ پنہاں سکوں کا؟
محبت ... کون سی؟
کیسی محبت؟
تیشہ فرہاد کا قصہ پرانا
وہ راول جگنی کا دلکش فسانہ
یا سوہنی کا دریا میں ڈوب جانا؟
میرے صاحب، نہیں بدلا زمانہ
شہیدوں میں محبت، غازیوں میں
وطن کی خاطر، جان کی بازیوں میں
اور صف بستہ کھڑے نمازیوں میں
محبت ماں کی پیشانی پہ رقصاں
محبت بہن کی خوشیوں سے ارزاں
محبت باپ کی چوڑی سی چھاتی
چھپائے رکھتی ہے ساری حیاتی
زمانے کے ہر اک سرد و گرم سے
میرے مولا، صرف تیرے کرم سے
محبت جنگلوں میں، ساحلوں میں
یہ اک ابر کرم ہے بادلوں میں
محبت جھوم کر برستی گھٹا میں
محبت نرم اور گرم سی ہوا میں
محبت بندگی میں اور خدا میں
محبت ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہو؟
محبت .... کون سی؟
کیسی محبت؟
زمین سے آسماں تک ہے محبت
جہاں تک رب، وہاں تک ہے محبت

شہباز اکبر الفت

☆......☆......☆

☆......☆......☆

جگ میں مشہور تھیں ناز برداریاں اپنی
کیسے گھٹنوں پہ لے آیا ہمیں عشق تیرا

ریحانہ آفتاب

☆......☆......☆

اب چھوڑیے محبت قصہ تمام ہوا
دل کے اک اور افسانے کا اختتام ہوا

شاعرہ سارہ خان

☆......☆......☆

اے عشق تیرا شکریہ
مجھے کیا سے کیا بنا دیا

ملک طالب حسین میتلا 0301-7486812

مقدر میں جس کے ستارہ نہیں تھا
وہ سب کا تھا بس اک ہمارا نہیں تھا

گنوائی تھی میں نے بھی یہ جان اپنی
فقط اس نے ہی دل کو ہارا نہیں تھا

اتارا ہے مجھ کو نگاہوں سے اس نے
جسے دل سے میں نے اتارا نہیں تھا

کنارے پہ کیسے بھلا پہنچتے ہم
سمندر کا کوئی کنارہ نہیں تھا

رہا سنگ یوں تو ہر اک شخص میرے
مگر کوئی سنبل کا پیارا نہیں تھا

از قلم سنبل خان بٹ، بورے والا

☆......☆......☆

251
خوشبو آن لائن ڈائجسٹ ماہ دسمبر 2016ء
کبھی آؤ میرے ملتان پیا
کبھی آؤ میرے ملتان پیا
تیرا نام لبوں پہ رہتا ہے
کبھی بن جاؤ مہمان پیا
دل جھوم جائے تیری باتوں میں
میری جان جائے تیرے ہاتھوں میں
جو جی چاہے میری جان کرو
خالی دل کا ہے یہ مکان پیا
میرا لوں لوں تجھے بلائے جی
تیری یاد بہت ہی آئے جی
تیرے نام پہ جیون بھی وار دیا
پیاسی آنکھوں کو تو نے قرار دیا
کبھی میری عرضی مان پیا
بس اِک اتنی سی خواہش ہے
میں سانسیں تجھ پہ وار دوں
تجھے ساری عمر میں پیار دوں
دل دھڑکے دھڑکے تیرے لیے
پورے دل کے کرو ارمان پیا
تیرے نام کی تسبیح کرتی ہوں
تیرے نام پہ جیتی مرتی ہوں
مہوش کی خواہش مان پیا
دیدار تیرا اب لازم ہے
میری سانسوں کے سلطان پیا
ملتان
شاعرہ......مہوش احسن
Moon